خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ
ماہنامہ
حیا
کراچی
PDFBOOKSFREE.PK
محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
کی انتہائی مزیدار سوغاتیں:
روایتی مٹھائیاں، عربی مٹھائیاں، بنگالی مٹھائیاں، آئس کریم، قلفی فالودہ، ٹھنڈی رسملائی، ربڑی، چٹ پٹے رول، آلو اور قیمے کے سموسے، غذائیت سے بھرپور نمکو اور دیسی گھی میں تیار کیے ہوئے قوت بخش حلوہ جات۔
حافظ
سویٹس
ان دو کے علاوہ ہماری کوئی اور برانچ نہیں
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئینہ

نمبر شمار	مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
1	میلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	11
2	سراپا ہدایت	حضرت مولانا سلیم اللہ خان	15
3	جشن میلاد النبیؐ	مفتی محمد تقی عثمانی	20
4	تیری آمد آمد فصل بہار	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	25
5	فداک ابی وامی یارسول اللہ	راحت ارشد حسین	28
6	وادیٔ طائف کا پیغام	عبدالقیوم حقانی	53
7	اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا محمد صدیق ارکانی	56
8	رسول اعظم ﷺ	پروفیسر خیال آفاقی	61
9	حضرت محمدؐ قدیم صحیفوں میں	ابو محمد نقیب عباسی	86
10	جب پو پھٹی	ادارہ	93
11	عظمتوں کے مینار	حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ	109
12	داستان مجاہد	نسیم حجازی	116
13	ایک زندگی ایک کہانی	ام حیات ہنگورا	138
14	کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں	بنت مولانا عبدالمجیدؒ	151
15	معجزہ	تبسم محسن علوی	158
16	ٹی وی سے انٹرویو	یاسمین سردار	161
17	فردوس بریں	مولانا عبدالحلیم شرر	163
18	ویلنٹائن ڈے	مفتی محمد ساجد میمن	181
19	میری ماں میری جنت	بنت کلثوم اختر	187
20	میں مجرم ہوں	غزالہ طارق	194
21	دنیا کھیل اور تماشا ہے	بنت نیاز محمد	197
22	درس کی برکت	ام محمد جنید	199
23	تبسم	محمود عباسی	202
24	باورچی خانہ	ادارہ	204
25	گلدستہ حیا	ادارہ	207
26	حیا کی محفل	ادارہ	219

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

"اے محمد! تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتے تھے، معاف کر دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی خادم کو، عورت کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کی کوئی درخواست نہیں ٹھکرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں آتے تو مسکراتے ہوئے آتے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے نرم مزاج تھے، بہت مہربان اور رحمدل تھے۔ کوئی بات ایسی ہوتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوتی تو خاموش ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بحث مباحثہ کرتے اور نہ ضرورت سے زیادہ بات کرتے جو بات مطلب کی نہ ہوتی اس میں کبھی نہ پڑتے۔ صرف وہی باتیں کرتے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے فیاض، سچ بولنے والے اور تحمل فرمانے والے تھے۔"

☆.....☆.....☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورِ نبوت

ترتیب: مولانا محمود عباسی

ماں سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی کے خاندان بنی عدی بن نجار سے ملانے کے لئے ام ایمن کے ساتھ مدینے گئیں اور ایک مہینہ وہاں رہیں۔ انہوں نے وہ مکان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ جگہ بھی دکھائی جہاں ان کی قبر تھی۔

اس سفر کے واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں اچھی طرح یاد رہے۔ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے اس سفر کے واقعات سنائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے ساتھ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کو بھی پہچان گئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت قیام کیا تھا۔ فرمایا کہ "میں یہاں انصار کی ایک بچی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔"

اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکے روانہ ہوئیں تو "ابواء" کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا اور وہ وہیں دفن ہوئیں۔ ام ایمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکے آ گئیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جگہ یاد تھی، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ دفن ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر مدینے سے مکے جاتے ہوئے ابواء سے گزرے تو فرمایا: "اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر گئے، اسے اپنے ہاتھ سے ٹھیک کیا اور بے اختیار رو دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا دیکھ کر صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ تو رونے کو منع کرتے ہیں!"..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مامتا کی یاد پر مجھے رونا آ گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حمد باری تعالیٰ

تجھ کو زیبا ہے خودی اور نام ہے تیرا خدا
ہوگیا بے خود وہ تیرا نام لیوا جو ہوا

ذات ہے تیری غنی اور رحم ہے تیری صفت
ساری عظمت تیرا حصہ تو ہی ہے رب العلیٰ

تو ہی خالق تو ہی مالک تو ہی والی تو رحیم
بادشاہی کس کو زیبا ہے بھلا تیرے سوا

اس کے صدقہ میں جو ہے کشف الدجی بدر العلیٰ
بخش دے روزِ جزا میری خطائیں اے خدا

تیرا جلوہ دیکھ کر ہر شاخ میں ہر برگ میں
ہوگیا بے خود عزیز اب کیا لکھے مدح وثنا

مولانا عزیز الحق صاحبؒ

بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

تصور پوچھ مت مجھ سے، یہ منظر کس کا منظر ہے
بھلا میں بھول سکتا ہوں، یہ منظر کس کا منظر ہے
یہ منظر تو مرے سرکارؐ کی مجلس کا منظر ہے
یہ میلا ہے بہاروں کا، یہ جھرمٹ ہے ستاروں کا
کوئی دیکھے تو کیا انداز ہے ان جاں نثاروں کا
کہ سب کا ایک مرکز ہے، سبھی کا ایک محور ہے
یہاں بھرتی ہیں خالی جھولیاں ایماں کی دولت سے
محبت سے ، اخوت سے، صداقت سے، امانت سے
یہاں کا ایک لمحہ لاکھ صدیوں کے برابر ہے
یہاں زیدؓ و بلالؓ، عمارؓ بھی ہیں رونق مجلس
صہیبؓ از روم بھی ہیں اور ہیں سلمانؓ از فارس
یہاں اس آستاں پر کوئی اسود ہے نہ احمر ہے
یہاں درس وفا لیتے ہیں ہو کے سب سے بیگانے
وفا کی روشنی پاتے ہیں شمع حق کے پروانے
حیات جاوداں منقوش ہر اک دل کے اوپر ہے
یہاں فرش زمیں سے دعوتیں جاتی ہیں شاہوں کو
یہ وہ در ہے کہ ملتی ہیں پناہیں بے پناہوں کو
اگر ڈر ہے یہاں کوئی تو بس اللہ کا ڈر ہے

پروفیسر خیال آفاقی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آوازِ حیا

اتحاد بین المسلمین کی ضرورت کب نہیں رہی، لیکن جیسی آج ہے، ایسی شاید پہلے کبھی نہ رہی ہو، تو ایسا کیوں ہے، ہمارا خیال ہے اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے کہ عالمی سیاسی منظر نامہ عام و خاص کے سامنے ہے، یہ چیز اب پوشیدہ نہیں رہ گئی کہ اسلام دشمن طاقتوں نے مشترکہ طور پر اپنی توپوں کے رخ مسلمان ملکوں، خصوصاً اسلام کی طرف کر رکھے ہیں، کس کس طرح اسلام پر وار کئے جارہے ہیں، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے اسٹیکر تو مغرب پہلے ہی اسلام پر چسپاں کر چکا ہے، اپنی وحشت اور خوں آشامی سے قطع نظر اسلام کو "جنگ پسند" مذہب بنا کر پیش کرنے والا مغرب اپنے پروپیگنڈے کو میڈیا کا فرض اولیں بنائے ہوئے ہے، نام نہاد این جی اوز جو اکثر انہی اسلام دشمن ملکوں کی ایجنٹ ہیں، انسانی حقوق کے پردے میں طرح طرح کے الزامات لگا کر مسلمانوں کو وحشی اور غیر مہذب قوم ثابت کرنے کی ناپاک کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، ایسے عالم میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ہوش کے ناخن لیں، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں، الٹا اس قدر انتشار کا شکار ہیں کہ ان کی عاقبت نا اندیشی پر حیرت ہوتی ہے، گویا جس قدر دشمن متحد ہے، یہ اسی قدر منتشر ہیں، یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، تو کیا یہ اجتماعی خودکشی سے مترادف نہیں، کیا ہم اسی طرح آپس میں ہی نفرتیں اور دشمنی بانٹتے رہیں گے؟ کیا ہم اپنے فروعی اختلافات بھلا کر، اور قرآن کو مرکز بنا کر اتحاد کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہیں گے؟ کیا ہم کبھی اپنے مشترکہ دشمن کو یہ احساس نہیں دلا سکتے کہ ہم "نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر" ایک اور تحفظ دین کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں، اور کیا ہم ان سوالات کا اثبات میں جواب دینے سے قاصر ہیں کہ ہمارا خدا ایک، رسول ایک، کتاب ایک، قبلہ ایک ہے اور اس "اکائی" میں دوئی کو ہم اپنے عقیدے اور نظریہ میں شرک خیال کرتے ہیں کہ ہم، اور میں سے نہیں، موحدین و مومنین میں سے ہیں، اور مومن جہاں آپس میں بھائی بھائی، یعنی کل اخوۃ المسلمین کی تصویر ہیں، وہیں تمام بنی نوع انسان کے لئے امن و سلامتی کی ضمانت دیتے ہیں، لیکن بات وہی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بن کر تو دکھائیں، ورنہ تو اقبال آج بھی ہم سے شکوہ کناں ہیں:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آپ کی مدیرہ
مہر افروز مہر

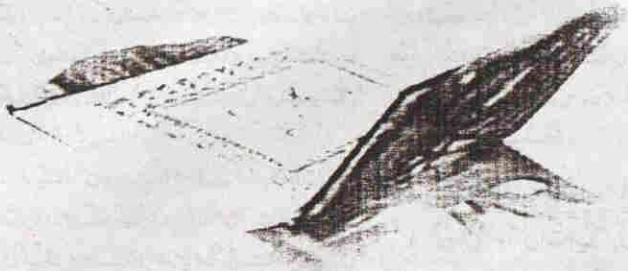

میلاد النبی ﷺ

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

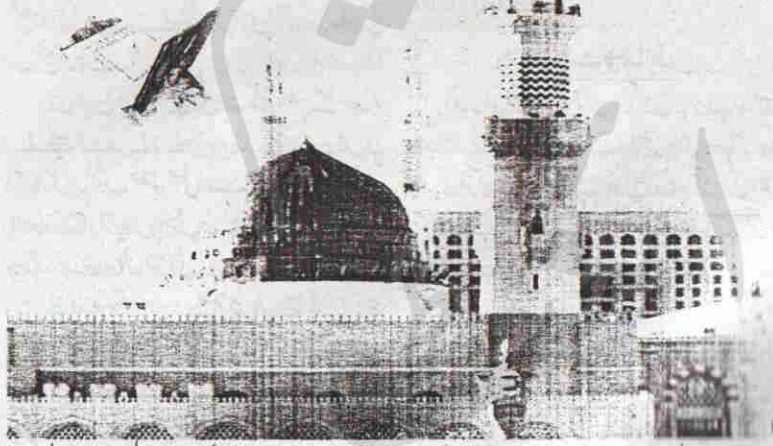

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک

ہم پر یعنی علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ پر یہ تہمت اور الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کرنے یا اس پر خوش ہونے سے منع کرتے ہیں، حالانکہ ہرگز یہ بات نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا تو ہمارے ایمان کا حصہ ہے، ہاں البتہ جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہیں، ان سے ہم ضرور روکیں گے، اگرچہ بذات خود وہ باتیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں، شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

دیکھئے! اس بات پر تمام علمائے کرامؒ کا اتفاق ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس بات پر بھی کہ قبلہ رو ہوئے بغیر نماز پڑھنا منع ہے اور اس پر بھی سب علمائے کرامؒ کا اتفاق ہے کہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اور اس مسئلہ پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ محرم کے مہینے میں حج نہیں ہوسکتا اور حج کرنے کی جگہ صرف مکہ مکرمہ ہے، کراچی میں حج نہیں ہوسکتا، دیکھئے، نماز، روزہ اور حج سب فرائض ہیں، لیکن چونکہ ان کی ادائیگی شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہوئی ہے، اس لئے یہ ناجائز ہوگئے اور ان کے ناجائز ہونے کو آپ بھی مانتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی نماز، روزہ اور حج وغیرہ سے منع کرے گا، تو اس کو کوئی عقلمند انسان یوں نہ کہے گا کہ یہ آدمی نماز، روزہ اور حج سے منع کرتا ہے۔

اسی طرح میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ کو لے لیجئے کہ ہمارے بزرگان دیوبند کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر یا اس پر خوش ہونے سے منع کرتے ہیں تو یہ سراسر تہمت اور الزام تراشی ہے۔

بخدا، ہم ہرگز اس سے منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کو کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، جب وہ چیز اسی طریقے سے انجام دی جائے گی تو وہ درست اور صحیح ہوگی، ورنہ درست نہ ہوگی۔

اب دیکھئے! تجارت کے سلسلے میں حکومت نے کچھ قواعد وضوابط مقرر کردیئے، اب اگر کوئی شخص ان قواعد کے خلاف تجارت کرے گا تو وہ قانون کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوگا، مثال کے طور پر اسلحہ وغیرہ کی تجارت وہی آدمی کرسکتا ہے جس نے لائسنس حاصل کیا ہو، اسی طرح شریعت میں بھی ہر چیز کو کرنے کا ایک ضابطہ مقرر ہے، اس کے خلاف اگر کوئی کام کیا جائے گا تو وہ درست نہ ہوگا۔

حضور کا ذکر مبارک عبادت ہے

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر مبارک ایک عبادت ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کو کرنے کا شریعت میں کیا ضابطہ اور طریقہ مقرر ہے، مثلاً صحابہؓ نے اس عبادت کو کس طرح ادا کیا، اب اگر آپ لوگ اس کو ان ہی کے طریقے کے مطابق انجام دیں تو بہت اچھی بات ہے، لیکن اگر اس کو صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق انجام نہ دیا جائے تو بلاشبہ اس سے منع کیا جائے گا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اسلحہ وغیرہ کی تجارت سے اس لئے منع کرے کہ آپ کے پاس اس کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے تو اس کو تجارت سے روکنے والا نہیں کہا جائے گا۔

شریعت کا ضابطہ

ایک اور مثال کہ: خوش ہونا کہیں جائز ہے اور کہیں ناجائز ہے، جو خوشی شریعت کے مطابق ہوگی وہ جائز ہوگی اور جو شریعت کے خلاف ہوگی وہ ناجائز ہوگی، لہٰذا شریعت کے ضابطے کے مطابق جو خوشی جائز ہے اس کی اجازت ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ ناجائز اور ممنوع ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص نماز پر خوش ہو، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، لیکن خوشی میں یہ کرلے کہ بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھنے لگے، تو اس کو ثواب تو کیا ملے گا، بلکہ الٹا گناہ ہوگا، اس لئے کہ وہ شریعت کے ضابطہ کی خلاف ورزی کررہا ہے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف نماز پڑھ رہا ہے، بالکل اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرنا اگر شریعت کے مطابق ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے،

مثال کے طور پر ایک اور شرعی مسئلہ ہے کہ جو شخص چار رکعت والی نماز میں پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد "اللھم صلی علی محمد" پڑھ لے تو اس کی نماز ناقص ہوگی اور اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہوگا، اگر بھول کر اس نے ایسا کیا ہے، حالانکہ درود شریف کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت فرمائیں گے۔

تو چونکہ شریعت نے نماز میں درود شریف پڑھنے کا جو موقع مقرر کیا ہے، اس کی خلاف ورزی ہوگئی، اس لئے نماز ناقص ہوگئی، حالانکہ درود شریف پڑھنا بذاتِ خود عبادت ہے اور اس مسئلے پر تو اہل بدعات کا بھی اتفاق ہے، اس لئے کہ وہ حنفی ہیں، لہٰذا ان کو چاہئے کہ وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی یہ تہمت لگائیں کہ وہ بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کرنے سے منع کرتے تھے اور وہ بھی وہابی تھے۔

غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ پر خوش ہونے سے کوئی منع نہیں کرسکتا اور یہ مسئلہ بالکل واضح تھا، لیکن میں نے اس میں اس لئے طویل گفتگو کی کہ ہمارے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے سے منع کرتے ہیں، جو سراسر غلط ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی اہمیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرنا تو وہ چیز ہے کہ اس پر اگر اجر وثواب کا وعدہ نہ بھی ہوتا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہر وقت کیا جائے، جیسے کسی نے کہا:

ترجمہ: جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے، اس کا تذکرہ کثرت سے کرتا ہے۔

تو اس عربی مقولہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہر وقت کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا عین عبادت بھی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اتنی جگہ فرمایا ہے کہ مسلمان سے کہیں نہ کہیں ذکر ہو ہی جاتا ہے، دیکھئے نماز کے اندر ہر قعدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے اور وہ یہ ہے "السلام علیک ایھا النبی" "اظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں دو، دو قعدے ہیں اور فجر کی نماز میں ایک قعدہ ہے، تو کل نو قعدے ہوئے اور سنن مؤکدہ اور وتر میں دیکھ لیجئے کہ ظہر میں تین، مغرب میں ایک، عشاء میں تین اور صبح میں ایک، تو کل سترہ قعدے ہوئے، تو یہ سترہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا، پھر پانچوں وقت کے فرائض اور سنن ووتر کے قعدۂ اخیرہ میں کل گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھا جاتا ہے، پس ۱۷ اور ۱۱ کل ۲۸ بار ہوا، تو اس طرح ہر مسلمان روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرہی لیتا ہے، پھر ایک موقع پر پانچوں وقت کی اذان اور تکبیر میں ہے، جس میں "اشھد ان محمداً رسول اللہ" موجود ہے، جس کو مؤذن اور سننے والا دونوں کہتے ہیں، پھر ہر نماز کے بعد دعا بھی سب ہی مانگتے ہیں اور دعا مانگنے کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس کے اول اور آخر درود شریف پڑھا جائے، غرض اس حساب سے ۲۸ سے بھی زیادہ تعداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی ہوگئی اور یہ تو وہ مواقع ہیں کہ جن میں پڑھے بے پڑھے سب شامل ہیں اور جو طلباء کرام دن ورات حدیث شریف پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں رہتے ہیں، اس لئے کہ ہر حدیث کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود شریف موجود ہے، چنانچہ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے کہ ان میں جگہ جگہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" موجود ہے اور درمیان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ بغیر ذکر مبارک کئے مسلمانوں کو چارہ نہیں۔

حضور کا ذکر، ہر وقت

مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادیؒ سے کسی نے پوچھا کہ ذکر ولادت آپ کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم تو ہر وقت ذکر ولادت کرتے ہیں، اس لئے کہ ہر وقت کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے۔

محبت کا معیار

لہٰذا محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت ذکر ہو، لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جلسے منعقد کئے جائیں اور مٹھائی منگوائی جائے، تب ذکر ہوگا، عاشق کو اتنی دیر کیسے صبر آسکتا ہے؟

محبوب کی یاد میں بے قرار

دیکھئے اگر کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے، تو محبت کرنے والے کی کیا حالت ہوتی ہے، ہر وقت اس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے، اگر اس سے کوئی کہے کہ میاں ذرا ٹھہر جاؤ، ہم مجلس آرائی کر لیں اور مٹھائی منگوالیں، اس وقت ذکر کرنا، تو وہ کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری محبت جھوٹی ہے، کہ اتنی دیر تک محبوب کے ذکر سے روکے رہتے ہو، ہم نے اکثر مجلسوں میں میلاد کرنے والوں کو ایسا ہی دیکھا ہے کہ یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں، اس لئے کہ محبت کا معیار تو یہ ہے کہ اپنے محبوب کی خوب اطاعت کی جائے، کسی نے خواب کہا:

ترجمہ: یہ عجیب بات ہے کہ تم رسول سے محبت و عشق کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور اس کی نافرمانی بھی کرتے ہو، یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں، اگر تم محبت میں

وحی

آپ کے والد محترم، عبداللہ اپنے والدین کے سب سے چہیتے بیٹے تھے۔ جوان ہوئے، حضرت آمنہؓ سے شادی ہوئی۔ پھر تجارت کے لئے شام گئے تو کے واپس نہ آئے۔ راستے میں یثرب کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت آمنہؓ کے گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ والدہ آپ کی پرورش کرتی رہیں اور جب آپ بڑے ہو گئے اور والدہ کی پرورش کی ضرورت نہ رہی تو حضرت آمنہؓ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں..... ☆

سچے ہوتے تو رسول کی اطاعت کرتے، چونکہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

سیرت کے جلسے اور نمازیں قضاء

ذکر ولادت کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں، بانس کھڑے کر رہے ہیں، ان پر کپڑے لگا رہے ہیں اور قمقمے لگا رہے ہیں جو عام طور پر چوری کی بجلی سے جل رہے ہوتے ہیں اور اگر اسی دوران نماز کا وقت آجائے تو نماز نہیں پڑھتے اور داڑھی مونڈتے ہیں، کیوں جناب! کیا رسول سے محبت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حق ہے کہ پانچ روپے کی مٹھائی منگوا کر تقسیم کر دی جائے اور سمجھ لیا جائے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا کر دیا؟ کیا آپ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیر زادہ سمجھ لیا ہے؟ کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جائیں، تو بہ تو بہ نعوذ باللہ، یاد رکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایسے محبت کرنے والے سے خوش نہیں ہیں، سچے محبت کرنے والے تو وہ ہیں جو اپنے قول و فعل، وضع قطع، ہر چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

سراپا ہدایت و کمالات

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نبوت اور رسالت عطا فرمائی ہے، اسی طرح ختم نبوت اور ختم رسالت کی طغرا سے سرفراز فرمایا ہے، آپ نبی بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول بھی ہیں اور خاتم الرسل بھی ہیں۔ صرف یہی بات نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی ہے اور اب کوئی نبی پیدا نہیں ہوا اور رسالت ختم ہو گئی، اب کوئی رسول پیدا نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تبارک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وتعالیٰ نے نبوت کا اختتام اور رسالت کی تکمیل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فرمائی، قرآن مجید میں ہے: ﴿واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون O﴾ (الصف:۸) ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اپنے نور کو مکمل فرمائیں گے، چاہے کافروں کو کیسا ہی ناگوار کیوں نہ ہو''۔ ﴿ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون O﴾ (التوبۃ:۳۲) ''اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کریں گے، چاہے کافر کتنا ہی ناگوار محسوس کریں''۔ ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا O﴾ (المائدۃ:۳) ''آج ہم نے آپ کے لئے آپ کے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور آپ کے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا''۔

گویا یہ بشارت دی گئی کہ ہم نے اپنے نور کو مکمل کر دیا ہے یا یوں سمجھئے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ ختم نبوت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز کیا گیا ہے اور ختم نبوت کے ساتھ ساتھ اللہ نے اس نبوت کی تکمیل بھی کر دی۔ تکمیل کرنا اور اس کے مکمل کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس نبوت کا نور اور فیض رہتی دنیا تک قائم ہوگا۔ اب قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لئے اسی نبوت اور رسالت کاملہ کو جس کے اندر کسی طرح کوئی کمی نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ذریعہ بنائیں گے قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کے لئے ،اب کوئی رہنما اور کوئی رہبر معتبر اور قابل قبول نہیں، فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور رہبری قابل قبول ہے۔

جب کسی شخص کو نبوت عطا کی جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی معرفت کا بلند مقام عطا کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اس شخص کی قبولیت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے، وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ قرار پاتا ہے، اس کے اخلاق اعلیٰ ہوتے ہیں اس کا کردار بلند ہوتا ہے، اس کے اعمال پسندیدہ ہوتے ہیں، اس کے جذبات انتہائی پاکیزہ ہوتے ہیں، وہ خلق خدا کے لئے رحمت اور شفقت کا مجسمہ ہوتا ہے، خلق خدا کی رہبری کے لئے وہ ہر طرح کی اذیت اور تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے، یہ تمام کی تمام صفات اس شخص کے اندر یقیناً ہوتی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

یعنی اگر کوئی آدمی بہت زیادہ مجاہدہ کر رہا ہے اور ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مست رہتا ہے تو اس طرح کے عمل کرنے کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے وہ نبوت کے مقام تک پہنچ جائے، یہ ناممکن ہے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جس کو اللہ نبوت عطا فرماتے ہیں، وہ نبی ہوتا ہے۔ نبوت کوئی ڈگری نہیں ہے، یہ ایک عہدہ ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے مڈل پاس کیا اور مڈل سرٹیفکیٹ آپ کو مل گیا، اس کے بعد آپ نے میٹرک پاس کیا تو میٹرک کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ انٹر پاس کیا، اس کی سند آپ کو مل گئی آپ درجہ بدرجہ پڑھتے چلے جائیں، امتحان پاس کرتے چلے جائیں، ڈگریاں آپ کے پاس اکٹھی ہوتی چلی جائیں گی، آپ یوں چاہیں کہ آپ کلکٹر بن جائیں تو یہ ممکن نہیں، کیونکہ یہ تو ایک منصب ہے، ایک عہدہ ہے جو اوپر سے تجویز کیا جاتا ہے، یہی حال نبوت کا ہے کہ اوپر سے انتخاب ہوتا ہے۔ یہ ذکر کیا، نفس کشی کی اور اس کے بعد پہنچتے پہنچتے نبوت کے مقام تک آ گئی، لہٰذا نبی ہو گئے، یہ بات نہیں ہے، یہ ایک منصب اور عہدہ ہے جو عطا کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے لئے فیصلہ کرتے ہیں اس کو نبوت عطا کرتے ہیں۔ ﴿اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس﴾ (الحج:۷۵) ''اللہ تبارک وتعالیٰ انتخاب کرتا ہے۔ ملائکہ میں سے جبرائیل کا انتخاب کیا جو اللہ کا پیغام لے کر نبیوں کے پاس آیا کرتے تھے، نبیوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نبیوں کا انتخاب کیا''۔

نبی اپنے تمام کمالات کے اندر ممتاز ہوتا ہے، مثال کے طور پر دانش مندی اور عقل کو لے لیجئے، عقل اور دانش مندی جیسے نبی کے پاس ہوتی ہے اور کسی کے پاس نہیں ہوتی۔ سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ازل سے ہو چکا تھا کہ آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کیا جائے گا اور ختم نبوت اور ختم رسالت کا تاج پہنایا جائے گا اور نبوت اور رسالت کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی دانش مندی اور عقل مندی عطا فرمائی جو اور کسی کو نہ دی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ بتاتی ہے کہ آپ میں بچپن ہی سے اس کے آثار نمایاں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں بکریاں بھی چرائی ہیں، ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ نے سب نبیوں سے بکریاں چروائی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا ایک انداز ہے، بکری ایک معصوم سا مسکین جانور ہے جو چارے کی بنا پر یا کسی اور سبب سے ریوڑ سے نکل جاتا ہے تو چرواہا بے چارہ اس کو ریوڑ میں شامل کرتا ہے۔ ایسا دن میں بہت مرتبہ ہوتا ہے اور جانور کے مسکین ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ چرواہا جب اس کو لے کر آتا ہے تو اس کی گردن میں ہاتھ ڈال لیتا ہے اور اس کو آہستہ آہستہ کھینچ کر ریوڑ میں شامل کرتا ہے، تو اسی طرح سے انبیاء کرام سے ابتداء میں بکریوں کی دیکھ بھال کرائی گئی۔ اس لئے کہ آئندہ امت ان کے سپرد کی جانے والی تھی اور انہیں امت کی بے راہ روی اور غلط انداز پر صبر اور تحمل کو اختیار کرنا تھا، اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کی تربیت فرمائی۔ لہٰذا دانش کا یہ اندازہ پیدا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بکریاں چروائی گئیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے تو تجارت شروع کی۔ تجارت کے اندر آپ کا کمال کیا تھا؟ یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''الصادق الامین'' کا لقب دیا گیا تھا، یہ اس لئے دیا گیا تھا کہ تجارت کے اندر آپ کا انداز اور آپ کا طریقہ ہمیشہ صحیح اور درست ہوتا تھا۔ جس کی بناء پر قوم نے بالاتفاق آپ کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کا لقب دیا۔ یہ اصل میں آپ کے کاروباری حسن اور کاروباری طریقہ کی خوبی کا ایک اعتراف تھا۔ سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جیسے شہر کے اندر جو تجارت کا مرکز تھا، پوری قوم نے یہ لقب عطا کیا، کیونکہ آپ کی تجارت کے اندر خوبی تھی، ہر ایک کی رعایت تھی، اصول کی پابندی تھی، جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھی۔

اور پھر آپ کو معلوم ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ان کی پاک دامنی کی وجہ سے ان کے اخلاق کی عمدگی کی بناء پر لوگوں نے ''طاہرہ'' کا لقب دے رکھا تھا۔ وہ پاک دامن بھی تھیں اور اپنی تجارت کے اصول میں حق وصداقت کا خیال بھی رکھتی تھیں۔ بڑے بڑے لوگ اور اچھے اچھے سردار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے خواہش مند اور متمنی تھے، انہوں نے سب کو رد کر کے خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیجا اور درخواست کی اور نکاح ہو گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل اور دانائی کی دلیل ہے، اسی عقل اور دانائی کی وجہ سے آپ کو پوری قوم میں امتیاز حاصل ہوا، اس میں کسی کو اشکال نہیں اور کوئی اعتراض بھی نہیں۔ اس وقت تک نبوت کی بات سامنے ہی نہیں تھی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کا واقعہ ہے کہ حلف الفضول کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں کو مظلوم کیا اور ان سے بات پر عہد لیا کہ ہم ظالم کو ظلم کرنے سے روکیں گے، مظلوم کی مدد واعانت کریں گے اور کسی مظلوم کے اوپر ظلم برداشت نہیں کریں گے، چاہے اس کے لئے ہمیں اپنی جان کی بازی لگانے پڑے۔ سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تبارک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی اعلیٰ درجے کی عقل و فہم عطا فرمائی تھی۔ جہاں ظلم کا بازار گرم رہتا تھا، جہاں ظلم اور زیادتی کو جرم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا، کمزوروں پر زیادتی رات دن کا مشغلہ تھا، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں کو ظلم کے خلاف منظم کیا۔ آپ بعد میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ حلف الفضول کے مطابق آج بھی میں تیار ہوں کہ مظلوم کو نجات دلائی جائے اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا جائے اور اسے ظلم سے روک دیا جائے۔

جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا تھا، ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ ہم اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھیں، لوگوں نے فیصلہ کیا کہ صبح کو جو شخص بھی سب سے پہلے مسجد الحرام میں داخل ہو جائے گا وہ جو فیصلہ کرے گا ہمیں قبول ہوگا۔ چنانچہ اللہ کی حکمت بالغہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے صبح کو مسجد الحرام کے اندر داخل ہوئے۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو سب کے چہرہ خوشی سے کھل گئے اور انہوں نے کہا کہ سبحان اللہ! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہ امین ہے، یہ صادق ہے، ہمیں قبول ہے۔ گویا کہ یہ تو بہت ہی بہترین معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا۔ خانہ کعبہ سے محبت ان مکہ والوں کو بے پناہ تھی وہ ان کے لئے عظمت کا ایک نشان تھا اور اس عظمت کے نشان کے یہ رکھوالے تھے، ان کی عزت کو چار چاند لگنے سے خانہ کعبہ کی بنیاد پر چار چاند لگتے تھے۔ اس سرخروئی اور سعادت کے حصول کے لئے ہر قبیلہ کہتا ہے کہ حجر اسود کی تنصیب کا شرف مجھے حاصل ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب فیصلہ فرمایا کہ چادر بچھا دی اور فرمایا کہ میں حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر میں رکھوں گا، اس کے بعد مختلف قبائل کے سردار جو اس چادر کو پکڑ کر حجر اسود کے مقام تک لے چلیں گے، وہاں پھر میں اس کو اٹھا کر نصب کر دوں گا۔ چنانچہ سب نے اس کو قبول کر لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے نتیجے میں جس جماعت کی تشکیل فرمائی، وہ صحابہ کرام کی جماعت ہے، وہی صحابہ کرام کی جماعت دلیل ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کے لئے قرآن نے کہا ہے: ﴿محمد رسول اللہ والذین معہ اشدا علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا﴾ (الفتح:۲۹)

صحابہ کرام کا اتنا تفصیلی ذکر اسی لئے کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک جملہ دلیل ہے۔ والذین معہ ایک دلیل ہے آپ کی نبوت اور رسالت کی صداقت کی۔ اشداء علی الکفار یہ ایک اور دلیل ہے۔ رحماء بینھم ایک اور دلیل ہے۔ تراھم رکعا سجدا ایک اور دلیل ہے، یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا ایک مستقل دلیل ہے۔ سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود الگ دلیل ہے اور ہر دلیل میں سینکڑوں دلیلیں چھپی ہوئی ہیں۔

تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل و شواہد ہیں، آپ کی نبوت کے گواہ ہیں، اس اعتبار سے ہم کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سچی نبوت ہے، آپ کی رسالت سچی ہے، اس کے نتیجے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو نظام حیات عطا کیا۔ اس نظام حیات کے اندر روحانیت کی ترقی کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ اس نظام حیات میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے اندر توازن کے طریقے تجویز فرمائے ہیں۔ اس نظام حیات میں سیاست کو متوازن رکھنے کے لئے اور دنیائے انسانیت کی راحت و آرام کے لئے طریقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع فرمائے ہیں۔ اس نظریہ حیات کے اندر سرور کائنات، جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کو جنت نظیر بنانے کے لئے ہدایات دی ہیں۔ یہ تمام تعلیمات رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے مشعل راہ ہیں اور ان کو اختیار کئے بغیر آدمی دنیا و آخرت میں کامیابی

حاصل نہیں کر سکتا۔

آپ دیکھ رہے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا۔ تیرہ برس تک مکہ میں آپ پر انہوں نے ظلم کئے تھے اور آٹھ برس تک جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے تو ان کی زیادتی اور ظلم کی کوئی انتہا نہ تھی، پورے آٹھ سال کا زمانہ اس طرح گزرا کہ جیسے ایک مسلسل جنگ ہو، مسلسل تصادم ہو، اب مکہ فتح ہونے جا رہا ہے اور وہی دشمن ہیں جنہوں نے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اکیس سال گزار دیئے، آپ آج ان سے بدلہ لے سکتے تھے۔ مگر کیا ہوا؟ اکیس سال سے جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا، آپ کو قتل کرنے کے پروگرام بنائے اور صحابہ کو قتل کیا، آج آپ کو ان پر قابو ہو رہا ہے تو آپ اعلان کرتے ہیں کہ آپ کا شہر دارالامن ہے، ہم کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر کئے گئے تو وہ شرمندہ اور نادم ہیں اور اپنے کئے پر پچھتا رہے ہیں، گو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ان کی گردن سے سر کو جدا کرنے کے لئے کافی ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذھبوا! لاتثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء"، "تم سب آزاد ہو کوئی گرفت نہیں، کوئی مواخذہ نہیں"۔

جس کا دل چاہے ایمان قبول کرے، جس کا نہ چاہے نہ کرے اس کی مرضی ہے۔ چار ماہ کی مہلت ہے، اس کے بعد تم ایمان لے آئے تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ایمان نہ لائے تو مکہ پاک شہر ہے۔ چار ماہ کے بعد جہاں چاہو تم چلے جانا۔ آج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے عجیب مظاہرے آپ ہمارے شہر میں دیکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کا خود ساختہ طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ ان کا نہ نماز سے کوئی واسطہ، نہ دین سے کوئی تعلق، نہ سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کوئی تذکرہ۔ اس کی کوئی دعوت نہیں، اس کی طرف کوئی ترغیب نہیں۔ جھنڈے لگائے جا رہے ہیں، عشق رسول کا حق ادا کیا جا رہا ہے، بتیاں اور قمقمے لگائے جا رہے ہیں، کیا اس طرح عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کیا جاتا ہے؟ کس کو فریب دے رہے ہو بابا؟ یہ معاملہ تو تم بہت دن سے کرتے چلے آ رہے ہو، زندگیوں میں کوئی انقلاب آیا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی وجہ سے اتنی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی صورت ہی کو ان کی طرح بنا لیتے۔ اتنی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھنے کی کچھ کوشش کی جاتی، ایک سنت ہی معلوم کر لیں ایک دن کے اندر، چلو ایک ہفتے میں ایک معلوم کر لیں۔ یہ تو عمر گزر گئی مگر ایک سنت کے زندہ کرنے کے لئے آپ کے دل میں داعیہ اور جذبہ پیدا نہیں ہوا۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت عشق اور ان کی تعلیمات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆.....☆.....☆

روضۂ رسولؐ کے سامنے

اس مقام پر دعاؤں کی لفظوں کی حاجت نہیں ہوتی، یہاں تو عشق و مستی اور وجد و کیف کی وہی پرانی لغت کام آتی ہے جس میں نہ کوئی حرف ہے، نہ لفظ، نہ کوئی معنی، نہ مفہوم، میرے ہونٹ سوکھے پتوں کی طرح تھرتھراتے رہے اور دل مجھے تھپکیاں دیتا رہا کہ تم چپ رہو، یہ تمہارا کام نہیں۔"

جب امانت ضائع ہونے لگے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔ کسی نے عرض کی، اس کے ضائع کرنے کی صورت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حکومت نالائق کے سپرد کی جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحہ فکریہ

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا رواج کچھ عرصہ سے مسلسل چلا آرہا ہے چونکہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور قرون اولیٰ میں اس ''عید'' کا کوئی پتا نشان نہیں ملتا۔ اس لئے اکابر علماء حق ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ یہ دن منانے کی رسم ہم میں عیسائیوں اور ہندوؤں سے آئی ہے، تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ملتی، لہٰذا اس رسم کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کرنی چاہئے، مسلمانوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ان رسمی مظاہروں کے بجائے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں اور ایک دن میں عید میلاد منا کر فارغ ہوجانے کے بجائے اپنی پوری زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی فکر کریں۔

یہ علماء دیوبند اور علمائے اہل حدیث کا موقف تھا اور بریلوی مکتب فکر کے حضرات اس سے اختلاف کرتے تھے لیکن اب چند سالوں سے جو صورت حال سامنے آرہی ہے اس میں یہ مسئلہ صرف دیوبندی مکتب فکر کا نہیں رہا، بلکہ ہر اس مسلمان کا مسئلہ بن گیا ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت اور حرمت و تقدیس کا کوئی احساس اپنے دل میں رکھتا ہو اب صرف علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث ہی کو نہیں بلکہ علمائے بریلی کو بھی اس پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر یہ قوم دینی تباہی کے کس گڑھے کی طرف جارہی ہے کیونکہ جن حضرات نے ابتداء میں محفل میلاد وغیرہ کو مستحسن قرار دیا تھا ان کے چشم تصور میں بھی غالباً وہ باتیں نہیں ہوں گی جو آج ''جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کا جزو لازم بنتی جارہی ہیں۔

شروع میں محفل میلاد کا تصور ایک ایسی مجلس کی حد تک محدود تھا جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا بیان کیا جاتا ہو، لیکن انسان کا نفس اس قدر شریر واقع ہوا ہے کہ جو کام وحی کی رہنمائی کے بغیر شروع کیا جاتا ہے وہ ابتداء میں خواہ کتنا مقدس نظر آتا ہو لیکن رفتہ رفتہ اس میں نفسانی لذت کے مواقع تلاش کرلیتا ہے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر چھوڑتا ہے، چنانچہ اب اللہ کے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر جو کچھ ہونے لگا ہے، اسے سن کر پیشانی عرق عرق ہوجاتی ہے۔

ہر سال ''عید میلاد النبی'' کے نام سے صرف کراچی میں ظلم و جہالت کے ایسے ایسے شرمناک مظاہرے کئے جاتے ہیں کہ ان کے انجام کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے، مختلف محلوں کو رنگین روشنیوں سے دلہن بنایا جاتا ہے اور شہر کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں عید میلاد اس طرح منائی جاتی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر بلند آواز سے شب و روز ریکارڈنگ کا طوفان برپا رہتا ہے۔ بہت سے سنیماؤں ''عید میلاد کی خوشی میں'' سینکڑوں بلب لگا کر ان اخلاق سوز اور برہنہ تصویروں کو اور نمایاں کردیتے ہیں جو اپنی ہر ہر ادا سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نافرمانی کی برملا دعوت دیتی ہیں اور انہی مقامات پر انسانیت کی تصویروں کے سائے میں شاید تبرک کے خیال سے خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کی تصویریں بھی چسپاں کردی جاتی ہیں، ایک محلہ میں قدم قدم پر روضہ اطہر اور مسجد نبوی کی شبیہیں بنا کر کھڑی کی جاتی ہیں جنہیں کچھ بے فکرے نوجوان ایک تفریح گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور کچھ بے پردہ عورتیں انہیں چھو چھو کر ''خیر و برکت'' حاصل کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب پورے محلہ کو روشنیوں میں نہلا کر جگہ جگہ محرابیں کھڑی کر کے اور قدم قدم پر فلمی ریکارڈ بجا کر ایک میلے کا سماں پیدا کردیا جائے تو پھر عورتیں اور بچے ایسے میلے کو دیکھنے کے لئے کیوں نہ پہنچیں جس میں میلے کا لطف بھی ہے اور (معاذ اللہ) تعظیم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ثواب بھی، چنانچہ راتوں کا دیر تک یہاں تفریح باز مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا مخلوط اجتماع رہتا ہے جس میں بے پردگی، غنڈہ گردی اور بے حیائی کو کھلی چھوٹ ملی ہوتی ہے۔

راقم الحروف ایک روز اس محلے سے گزرتے ہوئے یہ دلدوز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اس آیت قرآنی کے تصور سے روح کانپ رہی تھی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور اس قرآن کے ذریعے ان کو نصیحت کرو تاکہ کوئی شخص اپنے کئے میں اس طرح گرفتار نہ ہوجائے کہ اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہو اور اگر وہ دنیا بھر کا معاوضہ دے ڈالے تب بھی نہ لیا جائے، یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے کئے میں گرفتار ہوئے، ان کے لئے کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے ہوگا اور کفر کے سبب دردناک سزا ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس آیت کا مصداق بننے سے محفوظ رکھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس محلے سے گزرتے ہوئے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پکار پکار کر یہ فریاد کررہا ہے کہ ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں! تم گمراہی اور بے حسی کے کس اندھے غار میں جا گرے ہو؟ کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ یہی ہے کہ انہی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کے نام پر ان کی ایک ایک تعلیم کو جھٹلاؤ؟ ان کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرو؟ اور ان صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد منانے کے بہانے جاہلیت کی ان تمام رسموں کو زندہ کر کے چھوڑو جنہیں اپنے قدموں تلے روندنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے؟ خدا کے لئے سوچو کہ جس ذات صلی اللہ علیہ وسلم کو سازو رباب اور چنگ و بربط توڑنے کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جشن ولادت'' میں ساز و رباب سے کھیل کر تم کس غضب الٰہی کو دعوت دے رہے ہو؟ جس ذات نے عورت کے سر پر عفت و عصمت کا تاج رکھا تھا اور جس نے اس کے گلے میں عزت و آبرو کے ہار ڈالے تھے، اس کی محبت و تقدیس کے نام پر تم عورت کو بے پردگی اور بے حیائی کے کس میلے میں کھینچ لائے ہو؟ جس ذات نے نام و نمود، ریا و نمائش، اسراف و تبذیر سے منع کیا تھا، یہ نمائشیں منعقد کر کے تم کس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر دین کی کوئی صحیح خدمت تم سے نہیں ہو سکتی اگر تم اپنی عام زندگی میں اللہ کی نافرمانیوں کو ترک نہیں کر سکتے اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تمہارے عیش پرست مزاج کو بار معلوم ہوتی ہیں تو تمہاری زندگی کے بہت سے شعبے اس عیش پرستی کے لئے کافی ہیں، خدا کے لئے اللہ کے محبوب ترین پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر ہوا و ہوس کا یہ بازار لگا کر اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق تو نہ اڑاؤ، اس کے تقدس اور پاکیزگی کے آگے فرشتوں کی گردنیں بھی خم ہو جاتی ہیں؟ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرنے کے بعد تم کس چیز کی خوشی میں اپنے در و دیوار پر چراغاں کر رہے ہو؟ کیا تمہیں اس بات کی خوشی ہے کہ چودہ سو سال کی اس مدت میں تم نے اپنی عملی زندگی میں اس دین برحق کی کوئی قدر صحیح سالم نہیں دیکھی؟'' لیکن عیش و نشاط کی گونجتی ہوئی محفلوں میں کون تھا جو دین مظلوم کی اس فریاد کو سن سکتا؟

جن لوگوں کا مقصد ہی اس قسم کے ہنگاموں سے عیش و نشاط کا سامان پیدا کرنا ہے، ان کا تو کوئی ذکر ہی نہیں لیکن جو لوگ واقعتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی کے خیال سے اس قسم کے جشن مناتے ہیں وہ بھی یہ بات فراموش کر رہے ہیں کہ اسلام اور اکابر اسلام کو دوسرے مذاہب اور ان کے پیشواؤں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے جہاں ہمیں ان کی تعظیم اور ان کے تذکرے کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے، وہاں ہمیں اس کا طریقہ بھی بتایا ہے، یہ وہ دین حق ہے جو ہمیں دوسرے مذاہب کی طرح رسمی مظاہروں میں الجھانے کے بجائے زندگی کے اس اصلی مقصد کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے لئے یہ اکابر اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ورنہ اگر اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ان رسمی مظاہروں کی طرح جانا جاتا تو آج ہم اس بات پر فخر محسوس نہ کر سکتے کہ ہمارا دین بفضلہٖ تعالیٰ اسی شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی مذہب کے پیروکار محض ظاہری رسموں اور نمائشوں میں الجھ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس مذہب کی اصل تعلیمات مٹتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر بے جان رسوم کا ایک ایسا ملغوبہ باقی رہ جاتا ہے جس کا مقصد انسانی نفسانی خواہشات کی حکمرانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور جو مادہ پرستی کی بدترین شکل ہے، ان تمام تقریبات کا اصل مقصد تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان کے ذریعہ وہ خاص شخصیت یا وہ خاص واقعہ ذہن میں تازہ ہو جس کی یاد میں وہ تقریب منعقد کی جا رہی ہے اور پھر اس سے اپنی زندگی میں سبق حاصل کیا جائے، لیکن انسان کا نفس بڑا شریر واقع ہوا، اس نے ان تہواروں کی اصل روح کو تو بھلا کر نابود کر دیا اور صرف وہ چیزیں لے کر بیٹھ گیا جس سے لذت اندوزی اور عیش پرستی کی راہ کھلتی تھی۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے ہو سکے گی۔

عیسائی تو میں ہر سال 25 دسمبر کو کرسمس کا جشن مناتی ہیں، یہ جشن دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جشن ولادت ہے اور اس کی ابتداء اسی مقدس انداز میں ہوئی تھی کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی

تعلیمات کو لوگوں میں عام کیا جائے گا، چنانچہ ابتداء میں اس کی تمام تقریبات کلیسا میں انجام پاتی تھیں اور ان میں کچھ مذہبی رسوم ادا کی جایا کرتی تھیں رفتہ رفتہ اس جشن کا سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا؟ اس کی مختصر داستان جشن و تقریبات کی ایک ماہر مصنفہ ہیز لٹائن ہے اس سے سنئے وہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ ''کرسمس'' میں لکھتی ہیں۔

''کئی صدیوں تک کرسمس خالصتاً ایک کلیسا کا تہوار تھا جسے کچھ مذہبی رسوم ادا کر کے منایا جاتا تھا لیکن جب عیسائی مذہب بت پرستوں کے ممالک میں پہنچا تو اس میں ''سرمائی نقطہ انقلاب'' کی بہت سی تقریبات شامل ہو گئیں اور اس کا سبب گریگوری اعظم (اول) کی آزاد خیالی اور اس کے ساتھ مبلغین عیسائیت کا تعاون تھا اس طرح کرسمس ایک ایسا تہوار بن گیا جو بیک وقت مذہبی بھی تھا اور لادینی بھی، اس میں تقدس کا پہلو بھی تھا اور لطف اندوزی کا سامان بھی۔''

اب کرسمس کس طرح منایا جانے لگا؟ اس کو بیان کرتے ہوئے میری ہیز لٹائن لکھتی ہیں:

''رومی لوگ اپنی عبادت گاہوں اور اپنے گھروں کو سبز جھاڑیوں اور پھولوں سے سجاتے تھے، ڈرائڈس (پرانے زمان کے پادری) بڑے تزک و احتشام سے امربیلیں جمع کرتے اور اسے اپنے گھروں میں لٹکاتے، سیکسن قوم کے لوگ سدا بہار پودے استعمال کرتے۔''

انہوں نے آگے بتایا ہے کہ:

''کس طرح شجر کرسمس (Christmas tree) کا رواج چلا، چراغاں اور آتش بازی کے مشغلے اختیار کئے گئے، قربانی کی عبادت کی جگہ شاہ بلوط کے درخت نے لے لی، مذہبی نغموں کی جگہ عام خوشی کے نغمے گائے گئے اور:

''موسیقی کرسمس کا ایک عظیم جزو بن گئی۔''

مقالہ نگار آگے رقمطراز ہے:

''اگرچہ کرسمس میں زیادہ زور مذہبی پہلو پر دیا گیا تھا، لیکن عوامی جوش و خروش نے نشاط انگیزی کو اس کے ساتھ شامل کر کے چھوڑا۔''

اور پھر:..... ''گانا بجانا، کھیل کود، رقص، ناٹک بازی اور پریوں کے ڈرامے تقریبات کا حصہ ہو گئے۔'' (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۶۴۲-اے ج ۵-مطبوعہ ۱۹۵۰ء مقالہ ''کرسمس'')

ایک طرف کرسمس کے ارتقاء کی یہ مختصر تاریخ ذہن میں رکھئے اور دوسری طرف اس طرز عمل پر غور کیجئے، جو چند سالوں سے ہم نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے لئے اختیار کیا ہوا ہے، کیا اس سے یہ حقیقت بے نقاب نہیں ہوتی کہ:

ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

اسلام اس عالم الغیب کا مقرر کیا ہوا دین ہے جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہے اور جس کے علم محیط کے آگے ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدیں بے معنی ہیں وہ انسانی نفس کی ان پر فریب کاریوں سے پوری طرح واقف ہے جو تقدس کا لبادہ اوڑھ کر انسانیت کو گمراہ کرتی ہیں، اس لئے اس نے خاص خاص واقعات کی یادگار قائم کرنے کے لئے ان تمام طریقوں سے پرہیز کا حکم دیا ہے جو ان کی اصل روح کو فنا کر کے انہیں عیش و عشرت کی چند ظاہری رسوم کا بہانہ بنا سکتے ہوں، چنانچہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین کے دور میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جیسے عظیم الشان واقعہ کا کوئی دن منایا ہو، اس کے برخلاف ان کی تمام تر توجہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پھیلانے کی طرف مرکوز رہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ چودہ سال گزرنے پر بھی ہم مسلمان بیٹھے ہیں اور اگر اسلام پر عمل کرنا چاہیں تو یہ دین ٹھیک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک پہنچایا تھا۔

لہٰذا اگر ہم اپنے اسلام کے اس طرزِ عمل کو چھوڑ کر غیر مسلم اقوام کے دن منانے کے طریقے کو اپنائیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم دین کے نام پر کھیل تماشوں کے اسی راستے پر جا رہے ہیں جس سے اسلام نے بڑی احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہمیں بچایا تھا، آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے غیر مسلم اقوام کی مشابہت سے پرہیز کرنے کی جا بجا انتہائی تدبیر کے ساتھ تلقین فرمائی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ عاشورہ محرم کا روزہ جو ہر اعتبار سے ایک نیکی ہی نیکی تھی اس میں یہودیوں کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ صرف دس تاریخ کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ نویا گیارہ تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے تاکہ مسلمانوں کا روزہ عاشورہ یہودیوں سے ممتاز ہو جائے۔

غور فرمائیے! کہ جس دین حنیف نے اس باریک بینی کے ساتھ غیر مسلم اقوام کی تقلید بلکہ مشابہت سے بچانے کی کوشش کی ہے اس کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش منانے کے لئے ان کی نقالی شروع کر دی جائے جنہوں نے اپنے دین کو بگاڑ بگاڑ کر کھیل تماشوں میں تبدیل کر دیا ہے؟

مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر ہم اپنے ملک کے تمام علماء دینی رہنماؤں، مذہبی جماعتوں اور با اثر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں، ہماری یہ اپیل صرف اہل حدیث اور دیوبندی مکتبِ فکر کے حضرات کی حد تک محدود نہیں بلکہ ہم بریلوی مکتبِ فکر کے حضرات سے بھی یہی گزارش کرنا چاہتے ہیں "عید میلاد النبیؐ" کے نام پر جو المناک حرکتیں اب شروع ہو گئی ہیں وہ یقیناً ان کو بھی گوارا نہیں ہوں گی۔

☆.....☆.....☆

ناصر الدین نے حلقہ کھینچ دیا اور بغیر وضو کے محمد کا نام نہ لیا

ناصر الدین بن سلطان شمس الدین التمش نے دہلی پر 22 سال تک حکومت کی، 664ھ میں وفات پائی، مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ بادشاہ بہت نیک تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ سلامت قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک فقیر حاضرِ خدمت ہوا، اس فقیر کی نظر قرآن شریف کے ایک ایسے صفحے پر پڑی جہاں "فیہ فیہ" دوبار لکھا ہے (پ 11 میں ہے) اس فقیر نے بادشاہ سے کہا کہ ایک "فیہ" ڈبل لکھا ہوا ہے، بادشاہ نے اسی وقت قلم دوات لے کر ایک "فیہ" کے گرد حلقہ کھینچ دیا اور اس فقیر کو حاجت روائی کے بعد رخصت کر دیا۔ جب یہ شخص چلا گیا تو ناصر الدین نے قلم تراش لے کر یہ حلقہ مٹا دیا، پاس کھڑے ہوئے غلام نے پوچھا کہ ایک دفعہ کھینچنے سے اور دوسری دفعہ مٹا دینے میں کیا مصلحت ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا، وہ شخص جس نے "فیہ" پر اعتراض کیا تھا، ایک فقیر تھا اور میرے پاس ایک ضرورت کے تحت آیا ہے، میں اگر اس کے اعتراض کی تردید کرتا تو وہ نادم ہو کر اپنی ضرورت پوری کئے بغیر چلا جاتا، اس لئے میں نے اس کی موجودگی میں حلقہ کھینچ دیا، اگرچہ اس کا اعتراض غلط تھا اور جب وہ چلا گیا تو میں نے یہ حلقہ مٹا دیا۔ کاغذ کا حلقہ مٹانا زیادہ آسان ہے، دل کا حلقہ مٹانے سے۔ (تاریخ فرشتہ جلد 1 صفحہ 276)

ایک روز ناصر الدین نے اپنے مصاحب محمد کو تاج الدین کہہ کر آواز دی، اچانک اس تبدیلی نام پر مصاحب کو غصہ آ گیا، بعد میں بادشاہ نے کہا، میں تم سے ناراض نہیں ہوں، ناراضگی کی وجہ سے نام تبدیل نہیں کیا، بلکہ آج اتفاق سے میرا وضو نہیں تھا، بغیر وضو کے محمد نام لینا مجھے گوارا نہ ہوا، اس لئے تاج الدین کہہ کر پکارا۔ (نیرنگ عالم)

تیری آمد، آمدِ فصلِ بہار

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ہجری کیلنڈر کا تیسرا مہینہ "ربیع الاول" شروع ہو چکا ہے، اس مہینہ کا نام رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے پہلے سے ربیع الاول ہے، جس کے معنی 'پہلی بہار' کے ہیں، ممکن ہے کہ جب اس مہینہ کا نام رکھا گیا ہو تو یہ دن موسمِ بہار کے آغاز کے رہے ہوں، موسم کی آمد چوں کہ شمسی کیلنڈر کے حساب سے ہوتی ہے؛ اس لئے ہجری تقویم میں ہمیشہ موسمِ بہار کا مہینہ ایک ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ مہینے بدلتے رہتے ہیں؛ لیکن اس مہینہ سے قدرتی طور پر کچھ ایسی یادیں وابستہ ہو گئی ہیں کہ اب یہ مہینہ واقعی بہار بلکہ سدا بہار ہو گیا ہے، اس ماہ سے تاریخی طور پر خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف واقعات متعلق ہیں، اسی ماہ میں آپ ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی، اسی میں آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، اور اسی میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی، دنیا میں آپ کی تشریف آوری کو ایک مسلمان محض خوش اعتقادی کی وجہ سے سب سے بڑی نعمت و سعادت نہیں سمجھتا؛ بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت اور سچائی ہے، جس کا اعتراف پوری انسانیت کو کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اسی ماہ میں انسانیت کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے ابدی پیغام اور زندگی گذارنے کا طریقہ معلوم ہوا۔

خدا نے انسانوں کی جو بستی بسائی ہے، وہ کتنی وسیع، کتنی خوبصورت اور کتنی متنوع ہے، ہزاروں مخلوقات ہیں اور ہر ایک دوسرے سے مختلف؛ بلکہ اپنی صلاحیتوں اور عادتوں کے اعتبار سے بالکل متضاد کیفیتوں کی حامل؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان کو ان کے کاموں کے بارے میں قدرت نے کوئی کتاب پڑھا دی ہے، وہ ایک مقررہ دستور کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں، سورج کو معلوم ہے کہ اسے مشرق سے نکلنا ہے اور مغرب کی سمت میں ڈوبنا ہے، سمندر ہزاروں سال سے اپنے دائرہ میں مسلسل بہہ رہا ہے اور اپنی تلاطم خیز موجوں کے ساتھ کروٹیں لیتا رہتا ہے، وہ فضا کو بادل کی سوغات دیتا ہے اور دن رات زمین کی آلائشوں کو تحلیل کرنے میں لگا ہوا ہے، درخت مسلسل پھل پھول دینے اور انسان کو آکسیجن فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں، لگتا ہے کہ یہ سب پڑھی پڑھائی اور سیکھی سکھائی مخلوقات ہیں، جن کو اپنی ایک ایک ڈیوٹی کا علم ہے۔

جمادات و نباتات ہی نہیں، حیوانات کا بھی یہی حال ہے، جو چلتے پھرتے دوڑتے بھاگتے ہیں، ان کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا پینا، لڑنا جھگڑنا، اپنی غذاؤں کا تلاش کرنا، حملہ کرنا اور مدافعت کرنا ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے ان کو بھی ان کی زندگی کا دستور پڑھا اور سمجھا دیا ہے، گائے، بکری گھاس اور درخت کے پتے کھاتی ہے، شیر اور باز زندہ جانوروں کا شکار کرتا ہے، چیل مردار کی تلاش میں چپہ چپہ ڈھونڈتا پھرتا ہے، بعض جانور ہیں جو چارہ بھی کھاتے ہیں اور اپنے سے چھوٹے جانوروں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں، پرندوں کو اپنا گھونسلہ بنانا اور چوہوں کو اپنا سرنگ نما مکان بنانا معلوم ہے، مکڑے جالے بنتے ہیں اور شہد کی مکھیاں اپنا چھتہ تیار کرتی ہیں، جس میں اتنے کمرے ہوتے ہیں کہ شاید بادشاہوں کے محلات میں بھی نہ رہتے ہوں۔

کیا یہ سب کچھ ان مخلوقات نے آپ سے آپ جان لیا؟ قرآن نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی رہنمائی اور ہدایت کا نتیجہ ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿رَبُّنَا الَّذِیْ أَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طٰہٰ: ۵۰) یعنی یہ سب خالقِ کائنات کا کمال ہے کہ اس نے ہر چیز کو صورت بھی بخشی، اسے اپنے وجود اور زندگی کے بارے میں راہ بھی سجھائی اور سلیقہ بھی سکھایا، قرآن نے ایک اور موقع پر بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی﴾ (الأعلی: ۳-۲) جیسے دین اور آخرت کے بارے میں رہنمائی ہدایت ہے، ویسے ہی دنیا میں کسی بھی مخلوق کو زندہ رہنے اور زندگی گذارنے کا جو طریقہ ودیعت کیا گیا ہے، اسے بھی قرآن "ہدایت" سے تعبیر کرتا ہے۔

اور یہ کچھ جانوروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، حضرت انسان کے وجود میں بھی اس ہدایت ربانی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی کی طرف لپکتا اور اس سے دودھ پیتا ہے، آخر اس شیر خوار بچے کو کس نے بتایا کہ تمہاری غذا ماں کے سینہ میں ہے اور پھر اس غذا کو ماں کے سینہ سے کشید کرنے کا سلیقہ کس نے سکھایا؟ ذرا سی بے توجہی ہو تو بچہ کا رونا اور پیار و چمکار پر بچہ کا مسکرانا، یہ بھی اسی ہدایت ربانی کا مظہر ہے، اس گونگے، بے زبان اور بے شعور بچہ کو کس نے سکھایا کہ دکھ اور درد کا اظہار رو کر اور خوشی کا اظہار ہنس کر اور مسکرا کر کیا جاتا ہے؟

تو جب خدا نے ہر چیز کو ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اسے قدرتی طور پر دنیا میں رہنے سہنے کا طریقہ بتادیا ہے، تو کیا انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے کسی طریقہ اور نظام کی ضرورت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی، بلکہ زیادہ ہوگی؛ کیوں کہ انسان ایک گونہ بااختیار مخلوق ہے اور عقل و خرد کی نعمت نے اس کی نیکی اور بدی کے دائرہ کو بہت وسیع کردیا ہے، شیر ایک وقت میں ایک ہی انسان یا حیوان کو شکار بناتا ہے، سانپ ایک بار ڈس کر ایک وجود کو فنا کرسکتا ہے؛ لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک ایٹم بم کے ذریعہ بیک وقت ایک پورے خطہ کو تباہ و برباد کرسکتا ہے اور بیک جنبشِ پلک لاکھوں انسانوں کی جان لے سکتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ اس بات کا محتاج ہے کہ جینے اور مرنے کا سلیقہ سیکھے اور زندگی گذارنے کا طور و طریق جانے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ کون بتائے؟ ..... ہم اپنی عملی زندگی میں غور کریں تو ایک سیدھی سادھی اور دیکھی جانی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی مشین کو بناتا ہے اور کسی شے کو ایجاد کرتا ہے، وہی اس کی ضروریات سے آگاہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لئے مناسب اور غیر مناسب اور درست و نادرست طریقۂ استعمال کے فیصلے بھی کرسکتا ہے، صانع ہی بتا سکتا ہے کہ اس کی صنعت کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اور موجد ہی رہنمائی کرسکتا ہے کہ اس کی ایجاد کس طور کام میں لائی جائے؟ اس لئے جب اللہ تعالیٰ انسان کے خالق اور رب ہیں، اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے اور اسی کے اشارہ و حکم سے ہم اس کائنات میں زندہ ہیں، تو ضروری ہے کہ وہی ہمیں

زندگی کے طور و طریق بھی سمجھائے اور اسی کا دیا ہوا نظام حیات ہمارے لئے مفید ہوسکتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الأعراف: ۵۴) کہ اللہ ہی انسان کا خالق ہے اور اسی کے اوامر و احکام انسان کے لئے واجب الاطاعت ہیں، ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ حکم اور فیصلہ کا حق صرف اللہ ہی کو ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: ۴۰)

دنیا میں بھی آپ جب کسی کمپنی سے کوئی بڑی مشین حاصل کرتے ہیں تو وہ ایک طرف اس مشین کی تفصیلات پر مشتمل کتاب و رسالہ آپ کے حوالہ کرتی ہے اور ساتھ ساتھ اپنے انجینئر کو بھی آپ کی مدد کے لئے بھیجتی ہے کہ کتاب میں جو نظریہ اور تھیوری بیان کی گئی ہے، یہ انجینئر اور ماہر کاریگر اس کو عملی طور پر برت کر دکھائے اور محسوس طریقہ پر سمجھائے، کسی تمثیل کے بغیر یہی صورت آسمانی کتابوں اور انبیاء کی ہے، اللہ کی کتابیں نظام ہائے حیات ہیں کہ انسان کو اس دنیا میں اپنی صلاحیتیں کس طرح استعمال کرنی چاہئے؟ یہ کتابیں دستور ہیں اور پیغمبر کی زندگی اس کی عملی تصویر ہے، گویا پیغمبر کتاب الٰہی کی شرح اور اس کا بیان ہوتا ہے، ایک ایک حرف جو اس کی زبان سے نکلے، ایک ایک عمل جو اس کے اعضاء و جوارح سے صادر ہو اور ایک ایک اختیاری کیفیت جو اس پر طاری ہو، منشأ ربانی کا عملی اظہار اور انسانیت کے لئے اسوۂ و نمونہ ہے؛ اسی لئے فرمایا گیا کہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

گویا نبوت محض قلب و ذہن کی تسلی کا سامان اور آخرت کی فلاح و نجات ہی کا ذریعہ نہیں؛ بلکہ یہ سب سے بڑی انسانی ضرورت ہے، جیسے وہ اپنے پیٹ کے لئے غذا کا، تن ڈھکنے کے لئے لباس و پوشاک کا، علاج کے لئے دوا کا اور اپنی مدافعت اور حفاظت کے لئے اسلحہ اور ہتھیار کا محتاج ہے، اس سے بڑھ کر وہ انبیاء اور انبیاء کی تعلیمات کا محتاج ہے؛ کیوں کہ انبیاء کی تعلیمات اس کے پورے وجود کے لئے غذا ہیں، وہ ذہن و دماغ کو بتاتی ہیں کہ انھیں کیا سوچنا چاہئے؟ وہ آنکھوں کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انھیں کیا دیکھنا اور کیا نہ دیکھنا چاہئے؟ وہ زبان کو ہدایت دیتی ہیں کہ اللہ کی اس عظیم نعمت کا استعمال کن مقاصد کے لئے کیا جائے اور کن مفاسد سے بچا جائے؟ وہ ہاتھوں سے کہتی ہیں کہ یہ ظلم اور ظالموں کے خلاف اٹھے نہ کہ مظلوموں اور کمزوروں کے خلاف، وہ پاؤں کو بتاتی ہیں کہ اسے نیکی اور حق کی راہ میں چلنا چاہئے نہ کہ باطل اور برائی کے راستہ میں اور اس کی چال تواضع و انکساری اور عجز و فروتنی کی ہونی چاہئے نہ کہ کبر و افتخار اور غرور و استکبار کی۔

انسان خلوت میں ہو یا جلوت میں، بزرگوں کے ساتھ ہو یا عزیزوں کے ساتھ، محفل یاراں میں ہو یا کارزار حرب میں، دشمنوں کا سامنا ہو یا دوستوں کا، عدالت کی کرسی پر ہو یا ملزم کے کٹہرے میں، تخت اقتدار پر ہو یا کسی کے اقتدار کے تحت، استاذ ہو یا طالب علم، آقا ہو یا غلام، تجارت و کاروبار میں ہو یا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں، رنج و الم کی شام ہو یا مسرت و شادمانی کی صبح، فتح سے ہمکنار ہو یا شکست سے دوچار، اولاد ہو یا ماں باپ، شوہر بیوی ہو یا بھائی بہن، مریض ہو یا معالج، تیماردار ہو یا خود تیمارداری کے محتاج، سرمایہ دار اور آجر ہو یا مزدور و اجیر، قرض دہندہ ہو یا مقروض اور دولت مند ہو یا غریب، جوان ہو یا بوڑھا، سفر میں ہو یا حضر میں، عالم ہو یا جاہل، خدا کی توفیق سے نیک عمل اس نے کئے ہوں یا اس کا دامنِ عمل گناہ سے آلودہ ہو، غرض ہر موقع اور ہر حالت اور کیفیت میں اسے انبیاء کی پاکیزہ تعلیمات اور روشن ہدایات مطلوب ہیں، اس لئے یقیناً انسانیت پر اس کے خالق کا سب سے بڑا احسان انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا نظام ہے، جو انسان اس سے محروم ہو وہ ایک کھاتا پیتا، سوتا جاگتا اور ہنستا بولتا ترقی یافتہ حیوان تو ہوسکتا ہے؛ لیکن حقیقی اور اپنی حقیقت سے آشنا انسان نہیں ہوسکتا!..... ☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قسط نمبر 9

فداک ابی وامی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

راحت ارشد حسین

زندگی حد سے زیادہ مصروف ہوگئی۔ پہلے ایک مہینہ گزرا، پھر دوسرا، پھر تیسرا ابھی گزر گیا۔ میں نے اکاؤنٹس کا امتحان پاس کرلیا۔ سلمان بھائی نے میرے پاس پڑھنے آنے والے بچوں کے لئے بڑی مشکل سے ایک ٹیوٹر ڈھونڈ کر ان بچوں کو ان کے پاس بٹھادیا۔ شکر ہے کہ سب ہی امجد صاحب سے آہستہ آہستہ مانوس ہوکر سیٹ ہوگئے۔ ہمیں اپنے اسپتال کے برابر کا مکان بھی سرفراز بھائی اور سلمان بھائی کی کوششوں سے کرائے پر مل گیا۔ اس نئے گھر میں وارڈز وغیرہ بنانے اور پینٹ پالش کروا کر صاف ستھرا کرنے میں مزید ایک ماہ لگ گیا۔ ادھر میرے ایم اے کے فائنل امتحان بھی سر پر آگئے۔ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پڑھائی میں لگ گیا۔ سلمان بھائی نے اسپتال سے بھی میری ڈیوٹی بہت ہی کم کردی۔

جس دن میں اپنا آخری پیپر دے کر گھر لوٹا، میرے اوپر ایک عجیب سی سرشاری کی کیفیت طاری تھی، جیسے کوئی پہاڑ سر سے اتر گیا ہو۔ میں اپنے آپ کو بہت ہی ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ اس دن میرا پیپر دوپہر کا تھا۔ گھر پہنچتے پہنچتے مجھے شام کے چھ بج گئے۔ ابھی میں کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ہی تھا کہ کمرہ ''مرحبا، مرحبا'' کے نعروں سے گونج اٹھا۔ میں نے حیران ہوکر چاروں طرف دیکھا، وہاں بیچ میں ایک میز کھانے پینے کے سامان سے سجی ہوئی تھی اور چاروں طرف محمود بھائی، سرفراز بھائی اور سلمان بھائی کے ساتھ ساتھ عقیل بھائی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں مارے خوشی کے عقیل بھائی سے جا کر لپٹ گیا۔

''عقیل بھائی..... عقیل بھائی..... آپ..... آپ بھی ہمارے گھر آئے ہیں۔ سچ بڑی خوشی ہورہی ہے آپ کو دیکھ کر۔'' انہیں دیکھ کر حقیقتاً خوش ہوگیا۔

''ہاں یار! آج تمہارا آخری پیپر تھا نا، اسی خوشی میں یہ چھوٹی سی دعوت کردی ہے میں نے، ابھی ہاشم بھائی اور ارسلان بھی پہنچ رہے ہیں۔ لو وہ آگئے۔'' عقیل بھائی نے اٹھ کر انٹرکام کا بٹن دبادیا۔

چند ہی لمحوں میں ہاشم بھائی اور ارسلان بھائی ہمارے سامنے تھے۔

''ہاشم بھائی..... آپ آئیے یہاں بیٹھئے، میرے موسٹ فیوریٹ بھائی۔'' میں نے جلدی سے ہاشم بھائی کے بیٹھنے کے لئے ایک کرسی آگے کی۔ میری یہ بات سن کر سب ہی ہنسنے لگے۔

''نہیں یار! میں نیچے ہی ٹھیک ہوں، ہاں تو سرفراز بھائی اب آپ جلدی سے اپنی خوشخبری سنا دیجئے، میں تو راستے یہی گتھی سلجھاتا ہوا آیا ہوں کہ آخر کیا خوشخبریاں ہوسکتی ہیں جو آپ نے ہمیں ارجنٹ پہنچنے کے لئے کہا۔'' ہاشم بھائی نے بڑے اشتیاق سے سرفراز بھائی کو دیکھا۔

''سرفراز بھائی..... سرفراز بھائی..... چیٹنگ..... چیٹنگ..... آپ نے مجھے ذرا بھی ہوا نہیں لگنے دی کہ آپ کے پاس کوئی خوشخبری بلکہ خوشخبریاں بھی ہیں۔''

میں نے سرفراز بھائی کو ناراضگی سے دیکھا۔

''ارے میرے چھوٹے بھائی میں نے سوچا کہ ذرا سسپنس پیدا کیا جائے۔ چلیں اب اکٹھے ہی ایک نہ دو پوری تین عدد خوشخبریاں سننے کے لئے آپ سب بھائی تیار ہوجائیں۔ ہاں تو حضرات ہمہ تن گوش ہوجائیں۔ لیجئے سب سے پہلی اور عظیم خوشخبری، سلمان، فرحان مابدولت اور محمود بھائی آج سے ٹھیک دس دن بعد عمرہ کی ادائیگی کے لئے روانہ ہورہے ہیں پھر.....

''کیا..... کیا..... کیا..... سرفراز بھائی کیا کہہ رہے ہیں آپ!!'' میں سرفراز بھائی کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی یہ کہتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔

''سرفراز بھائی ذرا پھر سے کہئے گا۔'' میں نے بے اختیار دوبارہ کہا۔

''ہاں، ہاں بھائی..... چلو دوبارہ کہہ دیتا ہوں کہ آج سے ٹھیک دس دن بعد سلمان، محمود بھائی اور میرے ساتھ ساتھ ہمارے ہردلعزیز چھوٹے صاحب یعنی کہ فرحان بھی عمرے کے لئے جارہے ہیں۔ ہم دو دن مکہ معظمہ میں رہیں گے، پانچ دن مدینہ منورہ میں اور دو دن سفر کے یعنی کہ نو دن کا پروگرام ہوگا ہمارا ان شاءاللہ۔''

سرفراز بھائی کی پوری بات سن کر میں بے اختیار ہی اٹھ کر سجدے میں گر گیا۔ کافی دیر تک میں اس مالک ارض و سما کا شکر ادا کرتا رہا جو ہمیں اپنے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بلا رہا تھا۔ جس وقت میں نے سر اٹھایا تو سلمان بھائی کو اپنے قریب ہی کھڑا پایا۔ وہ آگے بڑھ کر مجھ سے بغلگیر ہوگئے۔

''مبارک..... مبارک ہو، میرے بھائیوں..... بہت بہت مبارک ہو۔ اسی خوشی میں آپ حضرات کی روانگی سے پہلے میرے گھر ایک بیان اور ایک چھوٹی سی دعوت۔ آپ سب آنے والے ہفتے کے دن عصر کے بعد پہنچ جائیے گا۔'' ہاشم بھائی نے خوشی سے بھرپور آواز میں ہمیں دعوت دی۔

''سرفراز بھائی، اب دوسری خوشخبریاں بھی جلدی سے سنا دیجئے۔ اب مزید صبر نہیں ہورہا۔'' ارسلان بھائی نے بڑی بے صبری سے سرفراز بھائی سے کہا۔

''ہاں..... ہاں بھائی، اسی طرف آرہا ہوں، حضرات دوسری خوشخبری یہ ہے کہ محمود بھائی اور عقیل بھائی بھی عنقریب فیملی والے ہورہے ہیں، آنے والے جمعہ کو ان کا نکاح ہے، عقیل بھائی کا ولیمہ اس کے اگلے دن ہفتے کو ہے اور محمود بھائی کی رخصتی اور ولیمہ عمرے سے واپسی کے فوراً بعد ہوگا۔''

سرفراز بھائی نے ایک اور دھماکا کیا۔ دھماکا اس لئے کہ مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ سارے بھائی لگ بھگ سلمان بھائی کی عمر ہی کے تھے۔ ان سب کے گھر بس رہے تھے اور سلمان بھائی..... سلمان بھائی..... ان کی شادی کون کرے گا۔ مجھے اچانک رونا آگیا اور ممی اور ڈیڈی یاد آنے لگے۔ میں نے مڑ کر سلمان بھائی کی طرف دیکھا، ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سرفراز بھائی اٹھ کر میرے پاس آگئے۔ شاید انہوں نے میری سوچیں پڑھ لی تھیں۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، بڑی محبت سے ہاتھ پھیرا۔

''تم نے تیسری خوشخبری تو ابھی تک نہیں سنی فرحان۔ ارے یہ میں کیا کہہ گیا۔ میں نے تیسری خوشخبری تو تم سب کو سنائی ہی نہیں۔ وہ یہ کہ ہمارے جناب ڈاکٹر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلمان صاحب بمعہ اپنے چھوٹے بھائی اور ساز و سامان کے اگلے ماہ یہ گھر تبدیل کررہے ہیں اور یہیں اسپتال کے پیچھے والی لائن میں ایک عدد منی بنگلے میں شفٹ ہورہے ہیں، پھر ہم سب دوست اور ہمارے والدین ان کی بھی شادی کریں گے۔'' میں دم بخود رہ گیا۔

''یہ بالکل بھی ٹھیک نہیں کیا آپ دونوں نے۔ مجھے کسی قسم کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی اور تمام معاملہ طے کرلیا۔ میں ٹھیک ٹھاک ناراض ہوں آپ دونوں سے۔'' میں منہ پھلا کر اٹھا اور ایک طرف جا کر بیٹھ گیا۔

''کم آن یار فرحان..... یار ایسی بہترین بہترین خوشخبریوں کے ساتھ ایسا سلوک! چلو اٹھو اور آکر پارٹی میں شامل ہوجاؤ۔'' عقیل بھائی میرے قریب آئے اور مجھے اٹھا کر میز کے پاس لا کھڑا کیا۔ انہوں نے میرے ہاتھ میں ایک پلیٹ پکڑائی۔

''چلو اب شروع ہوجاؤ۔ آیئے بھائیوں آپ سب بھی شروع ہوجایئے۔ ارے ان سب باتوں میں سات سے اوپر ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں مغرب ہوجائے گی۔''

عقیل بھائی کے الفاظ نے سب کو کھانے پر ایک طرح سے ٹوٹ پڑنے پر مجبور کردیا۔ لگ رہا تھا کہ سب ہی بھوکے تھے۔ منٹوں میں بھری بھری ڈشیں خالی ہوگئیں۔

''فرحان یار! ذرا اچھی سی چائے تو پلانا۔'' سلمان بھائی نے قالین پر لیٹتے ہوئے کہا۔

میں نے کچن میں پہنچ کر چائے کا پانی چولہے پر چڑھایا، دودھ اور پتی اس میں ڈالی، باہر آکر سرفراز بھائی سے اچانک ہی پوچھا: ''ارے سرفراز بھائی..... آپ لوگ سلمان بھائی کی شادی کہاں کررہے ہیں۔''

''سوچ رہے ہیں بھائی..... ابھی سوچ رہے ہیں۔ یہ اپنے سلمان نے کہا ہے کہ چھ ماہ بعد شادی کرے گا۔ چلو اس سے پہلے تو میں ہی دولہا بن جاؤں گا، مابدولت کی شادی دو ماہ بعد ہے۔ یار سلمان! کان کھول کر سن لو، چھ سے ساتواں مہینہ نہیں ہونا چاہئے۔'' سرفراز بھائی نے ایسے مزاحیہ انداز میں کہا کہ میرے ساتھ ساتھ سب ہنس پڑے۔

''اچھا بھائیوں، اب اجازت دیجئے، مجھے ذرا کام سے جانا ہے، ویسے ہی دیر ہوگئی ہے، ہاں یاد رہے کہ ہفتہ کو عصر کے بعد میرے گھر جمع ہوجایئے گا۔'' ہاشم بھائی نے اٹھ کر سب کو یاد دلایا۔

''ہاشم بھائی ہفتے کو تو عقیل بھائی کا ولیمہ ہے۔ آپ بیان کے بعد چائے مت رکھئے، وہاں سے اٹھ کر ہی لوگ نماز کے بعد عقیل بھائی کا ولیمہ اٹینڈ کرنے چلیں گے۔'' محمود بھائی نے ہاشم بھائی کو ایک اچھا مشورہ دیا۔

''جی..... جی..... محمود بھائی یہ ٹھیک رہے گا۔ اچھا بھائیوں، جمعہ کو عقیل بھائی اور محمود بھائی کے نکاح اور ہفتہ کو بیان میں ملاقات ہوگی۔'' ہاشم بھائی نے عجلت سے سب سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

میرے لئے دن گزارنے مشکل ہوگئے ہیں، روز کیلنڈر پر نظر ڈالتا کہ کب جمعہ آئے، پھر ہفتہ، اس کے بعد اور دن بھی گزر جائیں اور ہم کسی طرح پہلے مکہ اور پھر مدینہ پہنچ جائیں۔ جمعہ بھی آہی گیا۔ سلمان بھائی اور سرفراز بھائی نے مجھے گھر سے لے کر بھاگم بھاگ نکاح کی تقریب اٹینڈ کی اور واپس اسپتال پہنچ گئے۔ وہاں ایمرجنسی میں دو بڑے سیریس کیسز تھے۔ ایک صاحب پر دل کا دورہ پڑا تھا اور دوسرے کے پیٹ میں شدید درد تھا۔ پوری شام گزری..... رات ہوئی..... دوسرا دن بھی گزرنے لگا۔ دوپہر کے بعد کہیں جا کر ان دونوں مریضوں کی حالت خطرے سے باہر ہوئی۔ سہیل بھائی بھی مستقل مریضوں کے پاس ہی رہے۔ میں خود بھی اپنے آفس سے اٹھ اٹھ کر اندر باہر ہوتا رہا۔ ظہر کی نماز کے بعد سلمان بھائی میرے پاس آئے:

''فرحان، میرے دو ڈاکٹر دوست پہنچنے والے ہیں۔ جیسے ہی انہوں نے یہاں آکر ایمرجنسی سنبھالی، ہم لوگ گھر جا کر سوئیں گے۔ یار تھکن سے بری طرح گر رہے ہیں، پھر عصر کے بعد ہاشم بھائی کے گھر بھی پہنچنا ہے۔'' اسی وقت سرفراز بھائی بھی وہاں پہنچ گئے، ان کے ساتھ دو نئے ڈاکٹر تھے۔ میں انہیں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

''یار سلمان میں سونے جارہا ہوں، تم ان کو اٹینڈ کرلو۔''

''یہ ڈاکٹر حامد ہیں فرحان اور یہ ڈاکٹر عارف خان، آج تو یہ ایمرجنسی کے مریض دیکھیں گے، ہاں ڈاکٹر عارف نے ہمارا اسپتال جوائن کرلیا ہے، کل صبح سے یہ ڈیوٹی پر آئیں گے، ان شاء اللہ۔ ڈاکٹر حامد کے بھی ہم لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں کہ دوسری عمارت کا اسپتال آپ کے ذمے، مگر ابھی انہوں نے ہامی نہیں بھری۔ تم ان دونوں کو آج کی طے شدہ رقم کے لفافے دے دو۔''

ڈاکٹر حامد اور ڈاکٹر عارف دونوں نے حیرت سے سلمان بھائی کو دیکھا۔ حیرت تو انہیں ہونی ہی تھی، کوئی بڑے سے بڑا بزنس مین بھی کبھی انہیں ایڈوانس میں پیسے نہیں دیتا۔

''ایک بات اور ڈاکٹرز! میں نے کچھ اضافی نوٹ بھی ایک چھوٹے سے لفافے میں رکھ دیئے ہیں۔ آج رات ہمیں دیر ہوجائے گی تو وہ آپ کا اوور ٹائم ہے۔ ویسے ڈاکٹر سہیل وقت پر پہنچ جائیں گے۔'' سلمان بھائی نے دونوں ڈاکٹروں سے ہاتھ ملایا اور میرے ساتھ ہی باہر آگئے۔ جس وقت ہم دونوں گھر پہنچے، سرفراز بھائی وہاں پہلے سے سو رہے تھے۔ سلمان بھائی نے بھی جوتے اتارے اور لیٹتے ہی گہری نیند میں ڈوب گئے۔ میں نے عصر سے کچھ پہلے ہی انہیں اٹھا دیا۔ دونوں گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔

''یار فرحان، ذرا جلدی سے دو کڑک چائے تو بنالانا اور ہاں، اگر کچھ کھانے کو ہو تو وہ بھی لے آنا۔ اتنے میں ہم دونوں نہا دھو کر فریش ہوجاتے ہیں۔'' سرفراز بھائی کپڑے لے کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئے۔ میں نے جلدی سے ٹرے سیٹ کی۔ نجانے کیوں، مگر مجھے لگ رہا تھا کہ جب یہ دونوں سو کر اٹھیں گے تو شدید بھوک انہیں ستا رہی ہوگی۔ میں حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی محلے کی بیکری سے ڈھیر ساری چیزیں لے کر آگیا تھا۔ میں نے وہ سب رولز، منی پیزا، بسکٹ اور کیک پلیٹوں میں سجائے اور چائے کے ساتھ تمام لوازمات سے لدی ہوئی ٹرے کمرے میں لے کر پہنچا۔

''واؤ..... یار کیا سلیقہ مند بھائی سے واسطہ پڑا ہے۔ آج تو ہمارے فرحان بھائی کی ٹرے سلیقے اور طریقے کی منہ بولتی تصویر نظر آرہی ہے۔ چلو اب جلدی سے میز پر یہ ٹرے رکھو اور ہم بسم اللہ کرتے ہیں۔'' سرفراز بھائی نے اونچی آواز میں بسم اللہ کہتے ہوئے ایک رول اٹھایا۔ میں اور سلمان بھائی بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ وہ دونوں اتنے بھوکے تھے کہ ذرا سی دیر میں ساری چیزوں کا صفایا ہوگیا۔

''الحمدللہ، واہ مزا آگیا! آج تو ہمارے فرحان صاحب نے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا کہ پہلے سے ہی ہمارے کھانے کا انتظام کرکے رکھا۔ لو یہ عصر کی اذان ہوگئی۔ چلئے حضرات سامنے کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے ہاشم بھائی کے گھر چلتے ہیں۔'' ہم لوگ کمرے کو تالا لگا کر باہر نکل ہی رہے تھے کہ سہیل بھائی کی موٹر سائیکل گیٹ پر آکر رکی۔

''سلمان، ذرا ایک نظر نواز صاحب کو دیکھتے جاؤ۔ ویسے تو ٹھیک ہیں، مگر گھبرا بہت رہے ہیں۔ مجھے لگ رہا ہے کہ ان کا الٹرا ساؤنڈ جلد ہی کروانا پڑے گا۔ کہیں گردے میں پتھریاں نہ ہوں۔ سرجن سلیمان بھی آنے والے ہیں۔'' سہیل بھائی کی بات سنتے ہی سلمان بھائی نے میری اور سرفراز بھائی کی طرف دیکھا۔

''سرفراز تم فرحان کو لے کر ہاشم بھائی کے گھر چلے جانا، میں ذرا نواز صاحب کو دیکھتا ہوں۔ سلمان صاحب سے بھی ان کا معائنہ کروالوں گا، بلکہ ان کے سامنے ہی الٹرا ساؤنڈ بھی کرلیا جائے گا۔ شکر ہے کہ ڈاکٹر حامد نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الٹرا ساؤنڈ کا کورس کرلیا تھا۔ میں بھی عمرے سے آکر یہ کورس کرتا ہوں۔" سلمان بھائی بڑی فکر مندی سے یہ سب کہتے ہوئے ہمارے ساتھ مسجد پہنچے۔ نماز پڑھ کر میں اور سرفراز بھائی تو ہاشم بھائی کی طرف نکل گئے اور سلمان بھائی اسپتال، سرفراز بھائی راستے بھر کسی سوچ میں کھوئے رہے۔ میری بھی ہمت نہیں ہوئی کہ ان سے کچھ پوچھتا یا کہتا۔ پھر اچانک ہی وہ مجھ سے مخاطب ہوئے:

"یار فرحان!...... سمجھ میں نہیں آرہا کہ سلمان کو کیسے بتایا جائے کہ تمہارے ڈیڈی ہمارا اسپتال بند کروانے کے لئے سرگرم ہوگئے ہیں۔ وہ تو سلمان بھائی کے پاس ابھی تک فون نہیں آیا۔ میرے پاس تو وزارت صحت تک سے فون آرہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کیا...... کیا...... کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ یار سرفراز بھائی میں نے تو کبھی نہیں سنا کہ کوئی اسپتال بند ہوا ہو۔ یہاں تو ایک سے بڑھ کر ایک جعلی ڈاکٹر طبیب، عطائی، سب ہی بیٹھے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے اپنے اسپتال، کلینک اور مطب چلا رہے ہیں۔ آخر ہمارا ہی اسپتال کیوں، کیسے اور کس بنیاد پر بند کیا جائے گا۔ آپ سب باقاعدہ ڈگری ہولڈرز ہیں، ہاؤس جابز کی ہوئی ہیں، مختلف اسپتالوں میں نوکریاں کرتے رہے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔"

"سب ہوسکتا ہے یار، یہاں سب ہوسکتا ہے، یاد ہے ایک دفعہ تمہارے ڈیڈی نے کہا تھا کہ میرے ہاتھ بہت لمبے اور پہنچ بہت دور تک ہے۔ اب کی مرتبہ وہ واقعی بڑی اونچی ڈوریاں ہلا رہے ہیں۔" سرفراز بھائی کی آواز میں ایک تھکن سی تھی۔

"سرفراز بھائی آپ سلمان بھائی کو یہ سب کیوں نہیں بتا دیتے۔ آپ دونوں تو اتنے حوصلہ مند، اتنے بہادر ہیں۔ حیرت ہے کہ آپ نے سلمان بھائی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔" میری سمجھ میں واقعی نہیں آرہا تھا کہ سرفراز بھائی سلمان بھائی سے یہ چھپا کیوں رہے ہیں۔ سرفراز بھائی نے ایک لمبی سانس لی اور بولے:

"ہیں تو ہم بشر ہی یار۔ میری ہمت نہیں ہورہی سلمان سے کچھ کہنے کی۔ کس قدر خوش ہے وہ مکہ اور مدینہ کے سفر کا سوچ کر ہی، کیا کہوں اور کیسے کہوں، بس اب تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جاکر ہی سب کچھ کہوں گا۔" سرفراز بھائی بہت زیادہ اداس تھے۔

"سرفراز بھائی کتنے دن ہوگئے ہیں ان کالز کو؟"

"کوئی پانچ دن تو ہوگئے ہوں گے۔ پہلے تو میں نے جمشید کا مذاق سمجھا، پھر تمہارے ڈیڈی نے فون کئے، پھر اور اونچے لوگوں نے، چلو اب چھوڑو ان سب باتوں کو، اب تو رب کا در ہوگا اور ہمارا سر ہوگا۔ گڑگڑائیں گے تو کوئی راستہ خود ہی نکل آئے گا۔"

ہاشم بھائی کے گھر کی سڑک پر مڑتے ہی سرفراز بھائی یہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔ میرا تو سر گھوم رہا تھا، مگر اندر پہنچ کر میں ایک دم ہشاش بشاش ہوگیا۔

"آیئے، آیئے حضرات...... ارے آج سلمان اور ڈاکٹر سہیل نہیں آئے۔ کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہوگی۔ خیر...... خیر...... اندر آجائیں، سب ساتھی انتظار کررہے ہیں۔" ہاشم بھائی نے یہ کہتے ہوئے فوراً ہی مائیک سنبھال لیا۔

"السلام علیکم بھائیو اور ساتھیو! جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ آج رات عشاء کے بعد عقیل بھائی کے گھر دعوت ولیمہ ہے۔ انہوں نے درخواست کی ہے کہ جن ساتھیوں کو وقت کی کمی کی وجہ سے پہلے بلاوہ نہ دے سکے، وہ سب بھی ان کے اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ ان کے گھر پر دعوت میں شریک ہوں۔ آج ہمارے سلمان بھائی اور سہیل بھائی بھی ابھی تک نہیں پہنچ سکے کیونکہ ان کے اسپتال میں ایک مریض کی حالت کچھ تسلی بخش نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ دیر میں آئیں۔ آیئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کل مریضوں کو اپنے فضل سے شفائے کاملہ عطا فرمائے اور کل مسلمانوں کو عافیت سے رکھے۔ میرے بھائیو! عافیت اتنی بڑی چیز ہے کہ ایک

دفعہ ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کیا دعا مانگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ "تو عافیت مانگ، کیونکہ عافیت سے بڑھ کر کوئی شے نہیں۔" بھائیو! یہ حدیث کا مفہوم ہے، چلئے اب دوبارہ غزوات کی طرف آتے ہیں۔ پچھلی مرتبہ غزوہ خندق پر روشنی ڈالی گئی تھی، اب آتے ہیں غزوہ بنی قریظہ کی طرف، اب ہوا یہ کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد غزوہ خندق سے واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر کہا: "کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" اس پر جبرئیل امین نے کہا:

"فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے اور نہ ابھی واپس ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور میں خود بنی قریظہ کی طرف جارہا ہوں اور ان کو جاکر متزلزل کرتا ہوں۔" ہاشم بھائی نے ابھی بیان شروع کیا ہی تھا کہ اچانک ہی ان کا موبائل بج اٹھا۔ وہ شاید موبائل بند کرنا بھول گئے تھے۔ انہوں نے ایک منٹ ہی بات کی، پھر ہم سب کی طرف دیکھا۔

"سلمان اور سہیل پہنچ رہے ہیں۔ اب تو مریض کی حالت بہتر ہے، کل انہیں کسی اور اسپتال میں شفٹ کردیا جائے گا۔ دوپہر کو ان کا آپریشن ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مکمل صحت عطا کرے۔"

"ہاں تو میں آپ سب کو بتا رہا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہہ کر فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ بنی غنم جہاں سے حضرت جبرئیل اپنی جماعت کے ساتھ نکلے، پورا گرد و غبار سے بھر گیا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "وہ غبار جو حضرت جبرئیل کی سواری سے کوچۂ بنی غنم میں اٹھا تھا، وہ اب تک میری نظروں میں ہے، گویا کہ اس وقت بھی میں اس غبار کو اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو وہاں روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ جب وہاں پہنچے تو یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا گالیاں دیں، اسی اثنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس خود وہاں پہنچ گئے اور بنی قریظہ کا محاصرہ کرلیا۔ پھر پورے پچیس دن تک ان کو محاصرہ میں رکھا، یہاں تک کہ ایک دن ان کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا:

"میں تم پر تین باتیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کرلو، تاکہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔ اول یہ کہ ہم اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئیں اور اس کے پیروکار بن جائیں۔"

اس تجویز پر بنی قریظہ نے کہا کہ ہم کو یہ منظور نہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ کعب نے یہ سن کر دوسرا نکتہ پیش کیا:

"اچھا تو پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہوجاؤ اور تلوار ہی اٹھا کر پوری قوت سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرو۔ اگر ناکام رہے تو بچوں اور عورتوں کا کوئی غم نہ ہوگا۔ اگر کامیاب ہوئے تو اور عورتوں سے بچے بھی ہوجائیں گے۔"

اس نکتے پر بنی قریظہ بولے: "بلاوجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا لطف ہی کیا رہے گا۔"

"اچھا تو پھر یہ کرتے ہیں کہ آج ہفتے کی شب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ دن یہود کے نزدیک مقدس ہے اور وہ اس دن ہم پر حملہ نہ کریں گے، تو ہم ہی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھ کر خود مسلمانوں پر حملہ کردیتے ہیں۔ وہ ہماری طرف سے غافل اور بے خبر ہوں گے اور مارے جائیں گے۔"

بنی قریظہ نے اپنے سردار کی یہ بات بھی رد کردی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب میں کہا:

"تجھے معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سور بنائے گئے اور تو ہمیں پھر اسی بات کا حکم دیتا ہے۔"

غرض کعب بن اسد کی کسی بات پر بھی اس کے لوگوں نے ہاں نہیں کی، ابھی یہ سب اسی شش و پنج میں تھے کہ کیا کیا جائے کہ انہیں خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ سے ان کے حلیفانہ تعلقات ہیں، تو کیوں نہ وہ ان سے بات کریں، شاید کہ ابولبابہؓ اس مشکل وقت میں ان کے کام آجائیں، اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بنی قریظہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست بھجوائی کہ ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہؓ کو وہاں جانے کی اجازت دے دی۔ جس وقت ابولبابہؓ وہاں پہنچے تو سب انہیں دیکھ کر ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ وہاں موجود بچے اور عورتیں ابولبابہؓ کو اپنے درمیان پا کر رونے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابولبابہؓ بھی آبدیدہ ہو گئے، جس وقت بنی قریظہ نے ان سے پوچھا کہ "کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منظور کر لیں اور آپ کے فیصلے پر راضی ہو جائیں۔" (یعنی کہ باہر نکل آئیں اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیں)، اس پر ابولبابہؓ نے فرمایا: "ہاں بہتر ہے۔" پھر انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ذبح کئے جاؤ گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔"

حضرت ابولبابہؓ ابھی اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ انہیں خیال آیا کہ انہوں نے یہ اشارہ کر کے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اس بات کا دل میں آنا تھا کہ وہاں سے اٹھے، سیدھے مسجد نبویؐ میں پہنچے اور اپنے کو ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ "جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں فرمائے گا، میں اس وقت تک اس ستون سے نہ ہٹوں گا۔" اس کے علاوہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد بھی کیا کہ وہ اب کبھی بنی قریظہ میں قدم بھی نہ رکھیں گے اور جس شہر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی اس کو کبھی نہ دیکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر وہ سیدھا میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب وہ ایسا کر گزرا ہے تو میں اس کو اپنے ہاتھوں سے نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ نہ قبول کر لے۔"

حضرت ابولبابہؓ بیس دن تک ستون سے بندھے رہے، جس دن ان کی توبہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے اور ابولبابہؓ کو یہ خوشخبری سنا کر انہیں اپنے دست مبارک سے کھولا۔

ادھر جب بنی قریظہ محاصرے کی سختی سے مجبور ہوئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلایا کہ جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے وہ انہیں منظور ہے۔ بنی قریظہ کے قبیلہ اوس سے حلیفانہ تعلقات تھے، اس لئے اوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی درخواست پر بنی قریظہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزرج کے التماس پر بنی نضیر کے ساتھ فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا فیصلہ تم ہی میں کا ایک شخص کر دے۔" انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سعد بن معاذ جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔"

سعد بن معاذؓ جب غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مسجد نبویؐ میں

ایک خیمہ لگوا دیا تھا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے ان کی عیادت کر سکیں، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا تو وہ فوراً ہی ایک خچر پر سوار ہو کر آ گئے۔ ان کے وہاں پہنچنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تمہارے سپرد کیا ہے۔"

سعد بن معاذؓ نے جواب میں کہا:

"میں ان کی جانب یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے لڑنے والے یعنی مرد قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا لئے جائیں اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذؓ کی بات سن کر فرمایا:

"بیشک تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

"اے اللہ! تجھ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اس قوم سے جہاد کروں، جس قوم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور حرم سے نکالا۔ اے اللہ! میں گمان کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کو ختم کر دیا ہے۔ پس اگر قریش سے ابھی لڑنا باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھ، تاکہ تیری راہ میں ان سے جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اس کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔"

دعا کا ختم ہونا تھا کہ زخم سے خون جاری ہو گیا اور سعد بن معاذؓ نے اسی میں شہادت پائی۔ حضرت جابرؓ عرض کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"سعد بن معاذؓ کی موت سے عرش ہل گیا۔"

ایک روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے، آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے اور ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے جو اس سے پہلے کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

اس کے بعد تمام بنی قریظہ گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور ایک انصاری خاتون کے گھر ان کو قید میں رکھا گیا۔ وہیں بازار میں ان کے لئے خندقیں کھدوائی گئیں، پھر دو، دو، چار، چار کر کے ان کو مکان سے نکالا جاتا اور ان ہی خندقوں میں ان کی گردنیں ماردی جاتیں۔ حیی بن اخطب اور بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کی گردن بھی ماردی گئی۔ عورتوں میں سے ایک عورت قتل کی گئی کیونکہ اس نے چھت پر سے چکی کا پاٹ گرا کر خلاد بن سوید کو شہید کیا تھا۔ اس عورت کا نام "بنانہ" تھا اور وہ حکم قرضی کی بیوی تھی۔

بھائیو! یہ تھا غزوہ بنی قریظہ کا بیان، اب یہ محفل برخاست ہوتی ہے، اس سے پہلے کہ آپ سب تشریف لے جائیں، ایک بہت ہی خوشی کی خبر ہے، وہ یہ کہ ہمارے ڈاکٹر سلمان، ڈاکٹر سرفراز کے ساتھ ہمارے چھوٹے صاحب فرحان میاں اور محمود بھائی ان شاء اللہ آنے والے ہفتے میں عمرہ اور مدینہ منورہ حاضری کے لئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ محمود بھائی، سلمان اور سرفراز نے مجھے اس بات کا ذکر کرنے سے منع کیا تھا، مگر میں اپنی خوشی نہ چھپا سکا اور آپ سب کو بتا دیا۔ آیئے ان چاروں بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہاں پر ہم سب کے لئے بھی عافیت دارین اور ایمان کے ساتھ ختم نبوت کے عقیدے پر قائم رہنے کی خصوصی دعا کریں۔ اچھا بھائیوں پھر ملیں گے جب اللہ نے چاہا۔"

ہاشم بھائی مسکراتے ہوئے اٹھے اور مجھ سے بڑے پُرجوش طریقے سے گلے مل کر آگے بڑھ گئے۔ تمام ساتھیوں کی مبارکبادیں وصول کرتے ہی ہم بھی گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر وہ دن بھی آ گیا۔ محمود بھائی، فرحان بھائی، سرفراز بھائی اور مجھے زندگی کے اس اہم ترین سفر پر روانہ ہونا تھا۔ روانگی سے کوئی تین دن قبل سلمان بھائی نے یہ اطلاع دی کہ ہم پہلے مدینہ منورہ جائیں گے، پھر وہاں پانچ دن کے قیام کے بعد مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوں گے۔ واپسی ہماری جدہ سے ہوگی۔

ہاشم بھائی، ارسلان بھائی اور عقیل بھائی ہمیں ایئر پورٹ چھوڑنے آئے۔ جس وقت ہم اندر جانے لگے تو ہاشم بھائی نے بڑی محبت سے میرا کندھا تھپتھپایا۔

"ہمارے فرحان میاں کا جذبہ سب کو لے کر جا رہا ہے۔ بھائی میرا اسلام بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دینا۔ ہاں ہر قدم پر ہمیں بھی یاد رکھنا، خاص طور پر مدینہ منورہ کی زیارتیں کرتے وقت۔ چلو اب فلائٹ کا اعلان ہو گیا۔ سفر کی دعا پڑھ لو، خیریت سے جاؤ اور خیریت سے آؤ، فی امان اللہ۔"

کسٹم اور امیگریشن سے گزر کر جس وقت ہم لوگ جہاز میں داخل ہوئے، میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ میں نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کن انکھیوں سے سلمان بھائی، سرفراز بھائی اور محمود بھائی کو دیکھا۔ تینوں بھی عجیب گم سم سے تھے۔ ہمارا جہاز ایک گھنٹے کے لئے ریاض رکا، پھر ہم نے مدینہ منورہ کے لئے دوبارہ پرواز کی تو میں شاید اونگھ سا رہا تھا کہ اچانک ہی جہاز میں اعلان ہوا کہ تھوڑی دیر بعد ہی ہم ان شاء اللہ مدینہ منورہ کے محمد بن عبدالعزیز ایئر پورٹ پر اتر جائیں گے۔ میں نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالی، نجانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کسی کے شفیق ہاتھوں نے آگے بڑھ کر میرے سر پر شفقت سے تھپکی دی ہو۔ میری طرح سلمان بھائی، محمود بھائی اور سرفراز بھائی بھی بالکل خاموش تھے۔ جس وقت ہم بس سے اتر کر اندر لاؤنج میں پہنچے تو ٹھنڈک کی ایک لہر نے میرے قدم پکڑ لئے۔ میں کچھ ہچکچا کر آگے بڑھا۔ پاسپورٹوں پر مہریں لگوا کر جب ہم اپنے اپنے سامان کے ساتھ باہر نکلے تو سلمان بھائی اچانک ہی رو پڑے۔

"کیا ہوا سلمان بھائی۔"

"کیا ہوا سلمان۔"

میں اور سرفراز بھائی ایک ساتھ بولے۔ محمود بھائی بالکل خاموش تھے۔

"کچھ..... کچھ نہیں۔ یقین نہیں آ رہا ہے کہ ہم واقعی مدینہ پہنچ گئے ہیں۔ کیا تم لوگوں کو بھی ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے دل کے زخموں پر آسودگی کا مرہم لگ گیا ہو۔ تپتی دوپہر میں سر پر ٹھنڈی چھاؤں جیسا سائبان تان دیا گیا ہو۔ ہمارے جیسے دھتکارے ہوؤں کو ایک آغوش رحمت اپنی طرف بلا رہی ہو۔ کچھ سمجھ نہیں سکتا کہ اس فضا میں، ان ہواؤں میں کیا چیز ہے، کیا خاص بات ہے۔" مجھے لگا کہ فرحان بھائی نے ہم سب کے دل کی آواز کو الفاظ دے دیئے ہوں۔

"میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے، میرے بھائی۔" سرفراز بھائی نے آہستہ سے کہا۔ ایئر پورٹ سے ہوٹل تک ہم بار بار سامنے اور کھڑکی سے باہر دیکھتے رہے۔

"سرفراز بھائی یہ شہر ایک چپ سا کیوں لگ رہا ہے۔ میں اور سلمان بھائی کتنے ہی شہروں میں گئے ہیں۔ لندن، پیرس، نیویارک، دبئی، ابوظہبی، بینکاک، سنگاپور اور کوالالمپور، مگر مدینہ..... مجھے تو لگ رہا ہے کہ جیسے یہ شہر نور میں نہایا ہوا ہے، جیسے فرشتوں نے اسے دھویا ہے، جیسے..... جیسے....."

میں خاموش ہو گیا، میرے پاس کچھ اور کہنے ہی کو نہ رہا۔

"بالکل..... بالکل شاید سکینہ اسی کو کہتے ہیں، ہر طرف سکون ہی سکون ہے..... یاد ہے ایک بار ہمارے بیان میں ایک نعت پڑھی گئی تھی جن کا ایک شعر آج ہمارے سامنے حقیقت بن کر آ گیا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ سارے عالم میں شہرہ ہے
حضورؐ آپ کے صحرا کی خوش جمالی کا

لو شاید ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ چلو اترو اب جلدی سے سلام پیش کرنے چلنا ہے۔"

سرفراز بھائی نے گاڑی رکتے ہی بڑے اشتیاق سے سامنے لگے بورڈ پر ہوٹل کا نام پڑھتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں داخل ہو کر ہم نے سامان رکھا۔ نہا دھو کر نئے کپڑے پہن کر خوشبو لگائی اور حرم نبوی کی طرف پیدل چل دیئے۔ بمشکل پانچ منٹ کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مینار اور سبز گنبد ہمارے سامنے تھے۔ ہم بالکل پتھر کے بت بن گئے۔ ابھی ہم خاموش کھڑے تھے کہ میناروں سے عصر کی اذان بلند ہوئی۔

اللہ اکبر..... اللہ اکبر.....

"بیشک اللہ سب سے بڑا ہے، بیشک وہ سب سے بڑا ہے۔ اس کا کرم سب سے بڑا ہے، ورنہ ہم یہاں کیسے پہنچتے۔"

مجھے سلمان بھائی کی آواز ایک سرگوشی کے سے عالم میں سنائی دی۔ عصر کی نماز پڑھ کر جب ہم روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جالیوں کے پاس پہنچے تو جیسے سب کچھ بھول گئے۔ دعاؤں کے سارے دفتر ہوا ہو گئے۔ میری کیا حالت تھی، کیا بتایا جائے۔ سامنے سنہری جالیاں تھیں اور جالیوں سے نور کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ ان فواروں سے نکلنے والی خوشبو میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار مجھے بھگو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ سلمان بھائی اور سرفراز بھائی بھی بچوں کی طرح رو رہے تھے۔ محمود بھائی کی تو ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ مجھے پچھتاوؤں نے گھیر لیا۔ میں تو بالکل ہی خالی ہاتھ آیا تھا، نہ کوئی ہدیہ، نہ تحفہ، نہ پھول، نہ کوئی سوغات، لغزشوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا ایک بھاری گٹھر میرے سر اور کندھوں پر دھرا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا پیش کروں۔ پھر مجھے لگا کہ جیسے دوبارہ کسی شفیق سے لمس نے میرے دل کو تھام لیا ہو۔ میں اچانک ہی گڑگڑانے لگا۔ مجھے وہ سارے دوست یاد آ گئے جنہوں نے سلام عرض کرنے کے لئے کہا تھا۔ مجھے وہ ساری دعائیں یاد آ گئیں جو چلتے وقت ہر ملنے والے نے کرنے کے لئے کہی تھیں۔ اسی حالت میں نجانے کتنی دیر ہو گئی کہ اچانک ہی سلمان بھائی نے آہستہ سے میرا کندھا ہلایا۔ میں نے چونک کر ان کو دیکھا۔ انہوں نے مجھے اشارہ کیا، وہ ریاض الجنۃ کی طرف جا رہے تھے۔ سرفراز بھائی اور محمود بھائی ان کے ساتھ تھے۔ میں ادب سے پیچھے ہٹا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کو سلام کر کے ان سبز قالینوں کی طرف پہنچ گیا جو ریاض الجنۃ کی نشاندہی کر رہے تھے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے سبز قالین پر قدم رکھے۔ ایک عجیب سی روشنی، ایک عجیب سی سکینت ہر طرف برس رہی تھی۔ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ "میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔" میں، سلمان بھائی، محمود بھائی اور سرفراز بھائی نے نفلوں کی نیت باندھ لی۔ ہم نماز پڑھ کر دیر تک دعا مانگتے رہے۔ ہر طرف لوگ رو رہے تھے۔ کچھ گڑگڑا رہے تھے، کئی سسکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک صاحب بڑے جذب کے عالم میں نعت پڑھ رہے تھے۔ پوری فضا درود و سلام کی ہلکی ہلکی پرسوز آوازوں سے مہک رہی تھی۔ ہم بہت دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ پھر سرفراز بھائی کے اٹھتے ہی ہم بھی وہاں سے نکل کر باہر آ گئے۔

مسجد نبوی کے صحن میں ایک اور ہی منظر تھا۔ بڑا دلاویز، بڑا ایمان افروز ملک، ملک کے مسلمان ہر طرف تھے۔ سب حضور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے۔ ہم چاروں ایک ستون کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

"یار فرحان، وہ سامنے سڑک کے قریب ہی ایک چھوٹی سی دکان ہے، ذرا دوڑ کر جوس کے ڈبے اور کچھ کیک بسکٹ وغیرہ لے آؤ۔ جلدی آنا، تھوڑی دیر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مغرب ہونے والی ہے۔"

سلمان بھائی نے اپنا والٹ کھول پر مجھے پیسے دیتے ہوئے کہا۔

میں نے جلدی سے نوٹ ہاتھ میں لئے اور دکان کی طرف لپکا، ذرا سی دیر میں، میں دو تھیلوں سے لدا ہوا ان کے پاس واپس پہنچ گیا۔

سلمان بھائی نے جلدی سے وہیں بیٹھے بیٹھے تھیلوں میں سے سامان نکالا اور ہم سب ہی بڑی رغبت سے مدینہ منورہ سے خریدی گئی اشیاء کھانے لگے۔ کیا ذائقہ تھا..... کیا لطف آیا، ان چپس، بسکٹ اور کیکس کو کھا کر۔

"یار سلمان کیا ٹیسٹ ہے، ان چپس میں۔ یار مجھے ہی یہ اس دنیا سے باہر کے لگ رہے ہیں یا تم سب کو بھی یہی لگ رہا ہے۔"

سرفراز بھائی نے ہاتھ ٹشو سے صاف کئے اور ایک آسودہ سی سانس لی۔

"ہاں بھائی، لگ رہا ہے کہ یہ کہیں سے اسپیشل بن کر آئے ہیں۔"

سلمان بھائی نے ستون کے ساتھ ٹیک لگالی۔

ہم کافی دیر خاموش بیٹھے چاروں طرف دیکھتے رہے۔ آہستہ آہستہ مسجد نبوی کی روشنیاں جگمگانے لگیں۔ پورا صحن روشنیوں میں نہا گیا، مگر ان روشنیوں کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی کہ جیسے باادب ہوں۔

"سلمان ابھی ابھی مجھے ایک خیال آیا۔ تم سب نے بھی دیکھا ہوگا کہ اندر وہ آیت لکھی تھی کہ "اے ایمان والو! نبیؐ کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو۔" لگ رہا ہے کہ باہر بھی یہی کیفیت ہے کہ جیسے یہ تمام بلب، تمام لائٹس بھی سرنگوں ہیں، ان میں بھی ایک جھکاؤ کی سی کیفیت ہے، یار معلوم نہیں کہ تم میری بات سمجھ رہے ہو کہ نہیں۔"

سرفراز بھائی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ابھی سلمان بھائی کچھ کہہ بھی نہیں پائے تھے کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔ ہم نے جلدی سے سامنے لگے ہوئے کولر میں سے پانی پیا اور لپک کر اندر مسجد میں بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد ہم پھر باہر آکر صحن میں بیٹھ گئے۔

"سرفراز ایسا کرتے ہیں، عشاء کے بعد پھر سلام پیش کرنے چلتے ہیں۔ پھر باہر کہیں کھانا کھا کر ہوٹل جا کر سو جاتے ہیں۔ فجر کے لئے بھی وقت پر اٹھنا ہے۔"

سلمان بھائی بہت زیادہ خوش نظر آرہے تھے۔ وہ مستقل آتے جاتے، چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے، میں بھی اسی پر کیف منظر میں کھو گیا۔ ملک، ملک کے لوگ، شہر، شہر کے لوگ، ہر عمر، ہر طبقے، ہر رنگ کے لوگ کوئی تسبیح پڑھتا ہوا جا رہا تھا، کسی کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں، کوئی ہاتھ اٹھائے دعا مانگتا ہوا جا رہا تھا، تو کوئی آنسو پوچھتا ہوا، محمود بھائی بالکل خاموش تھے اتنے عرصے میں وہ ایک لفظ نہیں بولے۔ نجانے کیا سوچ رہے تھے، ان کے چہرے پر ایک ایسی کیفیت تھی جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

"یار محمود بھائی کیا سوچ رہے ہیں آپ۔"

سلمان بھائی نے بڑے غور سے ان کو دیکھا۔

"بس یار وہی دنیا بھر کے لٹے پٹے، کٹے پھٹے مسلمان میرے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی، کسی کا بازو کٹا ہوا، کوئی اپنے معصوم بچوں کے لئے بلبلاتا ہوا، کوئی اپنی ماؤں اور بہنوں کے لئے فریاد کرتا ہوا، بس بھائیوں انہی سب حرماں نصیبوں نے میرے اوپر ایک دکھ کی چادر تان لی ہے۔ اپنی کم مائیگی اور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں اور شفقتوں کی فراوانی کا احساس مجھے مارے ڈال رہا ہے۔"

حزن و ملال محمود بھائی کی آواز سے ٹپک رہا تھا۔ ہم سب ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

"بھائیوں کافی عرصے پہلے میں نے جناب عرفان صدیقی صاحب کی ایک نعت پڑھی تھی، دل چاہ رہا ہے کہ آج وہ آپ سب کو سناؤں۔"

"جی محمود بھائی ضرور سنائیں، اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی کہ سامنے سبز گنبد ہے اور یہاں آپ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نعت پیش کر رہے ہیں۔"

سرفراز بھائی یہ کہتے ہوئے کھسک کر ہمارے قریب ہو گئے۔

ابھی محمود بھائی خاموش ہی تھے کہ دو حضرات ہمارے قریب آکر رکے۔

"بھائی ہم گزر رہے تھے تو آپ کا جملہ کانوں میں پڑا، کیا ہم بھی بیٹھ جائیں، نعت سننے کا ہمیں بڑا ہی شوق ہے۔" ایک صاحب بڑے اشتیاق سے بولے۔

"ہم بھی پاکستان سے آئے ہیں۔ عمرے ویزے ابھی کھلے ہیں تو اتنا رش نہیں ہے، چند دن بعد جو رونق ہوگی بس دیکھنے والی ہوگی، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق کہاں کہاں سے لوگوں کو کھینچ کر لاتا ہے۔ ہاں بھائی اب نعت شروع کریئے۔" دوسرے صاحب نے محمود بھائی کا کندھا ہلایا۔

محمود بھائی نے نظر اٹھا کر ایک لمحے کے لئے سبز گنبد کو دیکھا، پھر سر جھکا کر بڑے سوز سے گویا ہوئے۔

مرا مقام کہ یثرب کی سرزمیں دیکھوں!
مرا نصیب کہ ارض رسولؐ تک پہنچوں!
یہ بات میرے تخیل سے ماوراء تھی کہ میں
نبیؐ کے شہر میں پہنچوں نبیؐ کی نعت کہوں
عجیب سادگی عشق کے تقاضے ہیں
کہ خاک ہو کے ثریا کو چومنا چاہوں
یہ داغ داغ جبیں اور یہ تیری دہلیز
ترے کرم کے کرشمے تری نظر کا فسوں
میں ایک بندۂ ناچیز راندۂ درگاہ
شکستہ پا و غریب و قتادہ و مخروں
خراب و بے کس و بے چارہ و تہی داماں
شکستہ حال و نحیف و نزار و خوار و زبوں
مرے گناہ شمار و حساب سے افزوں
یہ چاہتا ہوں کہ پہنچوں قریب تر لیکن
قدم اٹھاؤں تو سو بار ڈگمگا جاؤں
میں کس خیال سے لپٹوں ترے ستونوں سے؟
میں کس طرح ترے روضے کی جالیاں چوموں؟
دعا کو ہاتھ اٹھاؤں تو لفظ ہی نہ ملیں
یہ سوچتا ہوں کہ مانگوں تو کس طرح مانگوں
حضورؐ رحمت کون و مکاں ہے آپ کا نام
ہر ایک درخت کا سایہ ہر ایک درخت کا ستوں
ہر ایک درد کا درماں، ہر ایک غم کی دوا
ہر ایک آنکھ کی ٹھنڈک، ہر ایک دل کا سکوں
یہ تیرے دامن رحمت سے بعید ہے کہ میں
تیری گلی سے تہی دست لوٹ کر جاؤں
حضورؐ آپ کی دہلیز پر کھڑا ہوں میں
جو آپ سے نہ کہوں حال دل تو کس سے کہوں
حضورؐ کب سے ہوں نا آشنائے لذتِ عشق
نہ میری آنکھ میں آنسو نہ میرا دل پرخوں
نہ میں جنوں سے شناسا، نہ شوق آبلہ پا
نہ چشم نم، نہ تمنائے غم، نہ سوزِ دروں
حضورؐ میری نظر خوگرِ تماشا ہے
حضورؐ آتش خاموش کو ترستا ہوں
حضورؐ بارگہِ فیض سے عطا ہو مجھے
وہ کیف و درد کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں
وہ آگ دے کہ پگھل جاؤں موم کی صورت
حریم دل کو اجالوں مثال شمع جلوں
مرے وجود کی قاشیں بکھر بکھر جائیں
میں تیرے شہر کی گلیوں کی دھول بن جاؤں
عطا ہو دولت عرفان و آگہی مجھ کو
ہزار کوس پہ جا کر بھی تیرے پاس رہوں

محمود بھائی کو خاموش ہوئے کئی لمحے گزر گئے۔ ابھی ہم سب ان کی آواز اور نعت کے الفاظوں کے حسن میں ہی کھوئے ہوئے تھے کہ یکا یک میناروں سے اذان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی آواز بلند ہوئی۔ اللہ اکبر..... اللہ اکبر ..... واقعی اللہ کی بڑائی اور کبریائی زبان و بیان سے بالاتر ہے۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ہم ایک بار پھر سلام پیش کرنے اندر پہنچے، مجھے لگا کہ جیسے محبت و شفقت کی ایک ٹھنڈی پھوار موتیوں کی طرح میرے اوپر برس رہی ہو۔ مگر نہیں صرف میرے ہی اوپر کیوں، وہ تو ان تمام لوگوں پر برس رہی تھی، جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھیگے ہوئے، روتے ہوئے دعاؤں کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہوئے نگر نگر سے آ کر وہاں کھڑے تھے۔ ایک خوشبو تھی جو ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میری زبان بالکل گنگ تھی، الفاظ میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ میرے ساتھ ہی ایک ضعیف سے صاحب کھڑے تھے۔ آنسوان کے رخساروں سے بہہ بہہ کر ان کی داڑھی بھگو رہے تھے۔

نجانے میں کتنی دیر اسی طرح کھڑا رہا۔ اچانک ہی مجھے ایک بار پھر اسی شفیق سے لمس کا احساس ہوا۔ مجھے ایک جھٹکا لگا۔ شرمندگی کے بوجھ تلے میں نے سلام پیش کیا۔ دعاؤں کی پٹاری کھولی اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرضیاں پیش کرنے لگا۔ کتنا ہی وقت گزر گیا۔ سرفراز بھائی میرے برابر کھڑے تھے۔ ادب سے سر جھکائے پھر وہ ریاض الجنۃ کی طرف بڑھ گئے۔ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور سرفراز بھائی کے پیچھے پیچھے ریاض الجنۃ میں پہنچ کر نفل پڑھے۔ میں نے دیکھا کہ محمود بھائی نے بڑی طویل دعا مانگی۔ چاروں طرف لوگ بلک رہے تھے۔ رب کے حضور ہاتھ پھیلائے، میرے برابر ایک صاحب ہلکے ہلکے ایک شعر پڑھے جا رہے تھے۔ شاید میری حسیں اتنی تیز ہو گئی تھیں کہ میں نے ان کا وہ شعر نہ صرف سن لیا بلکہ مجھے وہ یاد بھی ہو گیا۔ معلوم نہیں کیوں میں بھی اسے دہرانے لگا۔

جو مانگنا ہے اسی در سے مانگ لے مسلم
خدا کے بعد اسی آستاں سے ملتا ہے

سلمان بھائی نے ایک بار پھر ہلکے سے میرا کندھا ہلایا۔ سرفراز بھائی اور محمود بھائی باہر نکل رہے تھے، ہم دونوں بھی ان کے پیچھے پیچھے صحن میں آ گئے۔ سب ہی خاموش تھے۔ اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے۔

ہم کھانا لے کر اپنے ہوٹل پہنچے اور کھانے سے فارغ ہو کر جو سوئے تو پھر فجر کی اذان پر ہی ہماری آنکھ کھلی۔

☆.....☆.....☆

ہمارا مدینہ منورہ کا دوسرا اور تیسرا دن بے حد مصروف گزرا۔ ہم نے پورا مدینہ منورہ دیکھ لیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہر جگہ سکون ہی سکون ہے۔ ہم احد کے میدان گئے۔ شہدائے احد کی قبروں پر ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے مجھے غزوۂ احد کا بیان یاد آ گیا۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور مکہ کے سب سے لاڈلے بیٹے حضرت مصعب بن عمیرؓ یہیں محو خواب ہیں۔ ہم اس پہاڑ پر بھی چڑھے، جس کے ایک غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی ہونے کی حالت میں پناہ لی تھی۔ بوڑھے بوڑھے خواتین و حضرات جوشِ عقیدت میں اس جگہ کی زیارت کرنے کے لئے بڑے جوش و خروش سے اس مشکل راستے کو طے کرتے ہوئے اوپر جا رہے تھے، ہمارے عثمان نامی ٹیکسی ڈرائیور بڑی رواں انگلش بول رہا تھا۔ انہیں مدینہ منورہ کی پوری تاریخ ازبر تھی۔ عثمان بھائی بڑے ہنس مکھ تھے، ذرا سی دیر میں وہ ہم سے ایسے گھل مل گئے جیسے برسوں سے ہمارے ساتھ ہوں۔ وہ ہمیں کہیں کہیں تفصیل سے اور کہیں کہیں مختصراً ہر مقام کی اہمیت بتاتے رہے۔ جس وقت ہم مسجد قبا کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے نفل پڑھ کر مسجد سے باہر آئے تو عثمان بھائی لپک کر سامنے دکان میں گئے اور ذرا سی دیر میں جوس کے ٹھنڈے یخ ڈبے خرید لائے۔

"آیئے یہیں بیٹھ جاتے ہیں برادرز، آپ کو تھوڑی سی تاریخ قباء کی بھی بتا دوں، آپ سب کو تاریخ سے اتنی دلچسپی ہے یہ بات میرے لئے بہت ہی خوشی کی ہے۔

لیجئے جوس پیجئے۔"

ہم سب وہیں بیٹھ کر جوس پینے لگے۔

"اب فرحان کہے گا کہ سرفراز بھائی میں نے اپنی زندگی میں ایسا لذیذ جوس نہیں پایا..... کیوں فرحان۔"

سرفراز بھائی نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے سرفراز بھائی، میں نے واقعی اپنی پوری زندگی میں ایسا delicious جوس نہیں پیا۔ ہاں تو عثمان بھائی آپ کچھ کہہ رہے تھے۔" میں نے عثمان بھائی کی طرف دیکھا۔

"بالکل..... بالکل..... میں آپ کو مسجد قباء کی مختصر تاریخ بتانا چاہ رہا تھا۔ وہ یہ کہ جب مدینہ منورہ کے صحابہؓ و صحابیاتؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ سب لوگ روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں مدینہ منورہ سے باہر نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے۔ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قرب و جوار میں قباء پہنچے تو اس دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر کے واپس ہو گئے تھے۔ جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے دیکھا وہ ایک یہودی تھا، اس نے زور سے آواز لگا کر سب کو بلایا کہ وہ آ گئے جن کی تمہیں تلاش تھی، یہ آواز سن کر تمام صحابہؓ اپنے گھروں سے نکل آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء کے مقام میں پیر، منگل، بدھ اور جمعرات رہے۔ یہاں آپ نے دنیا کی پہلی مسجد کی تعمیر اپنے ہاتھ سے کی، جس زمین پر یہ مسجد تعمیر ہوئی، وہ ایک صحابی حضرت کلثوم بن ہدم کی تھی، جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں، انہوں نے یہ قطعہ مسجد کے لئے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ "تم میں سے ایک شخص ہمارے ناقہ پر سوار ہو کر اس کی نکیل چھوڑ دے، یہ حکم کی گئی ہے، جس طرف یہ چاہے اسے گھومنے دو۔" اس طرح اونٹنی کے قدموں کے مطابق زمین پر حد بندی کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ مسجد کے صحن میں جو چبوترا ہے، اونٹنی وہاں جا کر بیٹھ گئی تھی۔"

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اہل قباء سے ارشاد ہوا۔ "حرہ سے پتھر لے آؤ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کے تعین کے لئے ایک لکیر کھینچی اور اپنے دست مبارک سے ایک پتھر رکھا، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم ہوا کہ اس کے دائیں جانب پتھر رکھیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے پتھر رکھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک جہاں چاہے، اس نشان پر پتھر لگائے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر میں مکمل حصہ لیا۔ حضرت شموس بنت نعمان فرماتی ہیں کہ "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ پتھروں کے وزن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک زخمی ہو جاتا تھا۔ "صحابہ کرام عرض کرتے: "ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اٹھا لیں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے اصرار پر وہ پتھر ان کے حوالے کر دیتے اور اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے، کبھی انکار کرتے ہوئے فرماتے، دوسرا پتھر اس جیسا اٹھا کر لے جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے کہ جبرئیل قبلہ رو ہو کر امامت کروا رہے ہیں۔"

عثمان بھائی نے مسکرا کر ہم سب کی طرف دیکھا۔

"برادرز اس مسجد کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ والے دن یہاں تشریف لاتے، کبھی پیدل اور کبھی سواری پر، پھر یہاں دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی پورا وضو کر کے مسجد قباء میں داخل ہو اور وہاں دو رکعت نفل نماز پڑھے تو اس کو ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔"

ابھی عثمان بھائی خاموش ہوئے ہی تھے کہ میں اچانک بول پڑا:

"میں نے تو چار نفل پڑھے، عثمان بھائی اب تو مجھے دو عمروں کا ثواب ملے گا، ان شاء اللہ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ان شاء اللہ برادر..... ان شاء اللہ، کیوں نہیں، ہمارا رب ہمارے گمانوں کے ساتھ ہے۔ اس کی کبریائی، اس کی شان کی وسعتوں کا تو ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ چلئے اٹھئے، اس مسجد قبلتین کی طرف چلتے ہیں۔"

جب ہم مسجد قبلتین پہنچے تو عصر کی نماز ہونے ہی والی تھی۔

"عجیب بات ہے بھائیوں، وہ بھی عصر ہی کی نماز تھی جب مسلمان یہ نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر انہیں اطلاع دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قبلے کا رخ تبدیل کرنے کی وحی نازل ہوئی ہے، چنانچہ نمازیوں نے نماز کے دوران ہی اپنا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو "مسجد قبلتین" یعنی دو قبلوں والی مسجد کہتے ہیں۔ ہاں یہ اتفاق تو نہیں، اللہ کی قدرت ہے کہ آج آپ لوگ یہاں پہنچے تو عصر کی جماعت کھڑی ہونے والی ہے۔ آیئے، جماعت میں شامل ہو جائیں۔"

عثمان بھائی، نے باہر ریک میں اپنے جوتے رکھے اور اندر داخل ہو گئے، ہم سب بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔

ہم مسجد قبلتین سے نکل کر گاڑی میں بیٹھے تو میں نے عثمان بھائی سے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو بڑی دیر سے میرے دماغ میں گردش کر رہا تھا۔

"عثمان بھائی آپ کو یہ پوری تاریخ کیسے یاد ہوئی۔ ہمارے ایک بھائی پاکستان میں ہیں، ہاشم بھائی، وہ غزوات ایسے بیان کرتے ہیں کہ جیسے سب ان کی اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو اور ہم بھی وہیں کہیں میدان کارزار میں موجود ہوں۔"

"سمپل..... ویری سمپل ڈیئر برادر فرحان، اپنی تاریخ سے لگاؤ۔ اپنے جانبازوں سے محبت ہو تو کیا مشکل ہے۔ تاریخ پڑھئے، دوبارہ پڑھئے اور پڑھتے ہی رہئے۔ آیئے اب آپ سب کو "بیئر رومہ" لے چلوں۔"

فرحان، غور سے سنئے اور یاد کر لیجئے کہ بیئر رومہ مدینہ منورہ سے شمال مغرب کی جانب ایک یہودی کا کنواں تھا، یہ کنواں اپنے پانی کی مٹھاس اور لذت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا جائے، حضرت عثمانؓ نے اسی وقت یہ کنواں اس کے یہودی مالک سے بیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ اسی لئے اس کنویں کو "بیئر عثمان" بھی کہتے ہیں۔ وہ دیکھئے، وہ سامنے آپ کو کنواں نظر آئے گا۔" آیئے اب آگے چلتے ہیں۔ ارے میرے بھائیوں! میں نے آپ کو بیئر رہیں کا تو بتایا ہی نہیں جو مسجد قبا سے کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر تھا، اب واپس جانا پڑے گا، اب تو خیر اس کی کوئی نشانی نہیں رہی، میں آپ کو اندازے سے جگہ بتا دوں گا۔ اس کنویں کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس کنویں کا پانی کھارا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا تو اس کی برکت سے کنویں کا کھارا پانی میٹھا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو انگوٹھی پہنا کرتے تھے، وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کو ملی تھی۔ ایک دن یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کنویں میں جا گری اور پھر تلاش کے باوجود بھی نہ مل سکی۔ کنویں کا پورا پانی نکال لیا گیا مگر انگوٹھی دستیاب نہ ہوئی۔ اس لئے اس کنویں کو بیئر خاتم بھی کہتے ہیں۔"

عثمان بھائی نے ہمیں وہ جگہ بتائی، پھر آگے بڑھ گئے۔

"چلئے اب بیئر معونہ چلتے ہیں، جو بنو سلیم کی ملکیت تھا۔ یہ کنواں بھی اب نہیں رہا، میں آپ کو اپنی اور آپ کی دلچسپی کے لئے وہ علاقہ دکھا دیتا ہوں، یہ کنواں بنو سلیم کی ملکیت تھا، یہ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان واقع ہے۔ اس کنویں کی اہمیت اس لئے ہے کہ اس کے قریب ہی ایک لڑائی میں کفار نے غداری اور سازش کے ذریعے

بہت سے بلند مرتبہ حفاظ اور قراء صحابہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۰ صفر ۴ھ کا ہے کہ بنو عامر کا ایک سردار ابو براء بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ وہ نہ تو اسلام لایا اور نہ ہی اس نے انکار کیا، البتہ اس نے یہ درخواست کی کہ چند صحابہؓ کو اس کے ساتھ اہل نجد کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ستر صحابہؓ کا ایک وفد بھیج دیا۔ جب یہ سب بیئر معونہ پہنچے تو صحابہؓ نے حضرت حرام بن ملحانؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی خط دے کر بنو عامر کے سردار کے پاس بھیجا۔ اس سردار عامر بن طفیل نے خط پڑھے بغیر حضرت حرامؓ کو شہید کر دیا اور اپنے قبیلے کو وفد پر حملہ کرنے کے لئے کہا، مگر انہوں نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ابو براء مسلمانوں کو اپنی حفاظت میں لایا تھا۔ پھر بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل نے بنو سلیم اور بنو ذکوان کے قبیلوں کو صحابہؓ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ عامر بن طفیل کی بات مان کر صحابہؓ کی طرف روانہ ہوئے اور چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا۔ صحابہ کرامؓ بھی تلواریں سونت کر مقابلے پر آ گئے اور بڑی دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس معرکے میں صرف کعب بن زیدؓ زندہ بچے، پھر صحت پا کر غزوہ خندق میں شہادت پائی۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے اور صحابہؓ کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی افسوس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک بیئر معونہ کے شہداء کے قاتلوں کے لئے بددعا کرتے رہے۔"

عثمان بھائی خاموش ہوئے تو ہم سب ہی چونک پڑے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔

"بردار فرحان! کیا خیال ہے کل بدر چلیں۔"

"بالکل..... بالکل..... عثمان بھائی نیکی اور پوچھ پوچھ، ہم سب تیار ہیں۔"

"میں خوشی سے اچھل پڑا۔"

تو کل فجر کے بعد تیار رہئے گا، وہی اسی ستون کے پاس ملتے ہیں۔ لیجئے آپ کا ہوٹل آ گیا۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد ہم چاروں اسی ستون کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، جہاں ہم سے عثمان بھائی نے ملنے کے لئے کہا تھا۔

"سلمان، کافی دیر ہو گئی ہے عثمان ابھی تک نہیں پہنچے، وہ تو وقت کے بڑے پابند ہیں، کہاں رہ گئے وہ..... مجھے تو فکر ہو گئی ہے، ذرا فون کرنا انہیں۔"

سرفراز بھائی نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہ..... وہ آ رہے ہیں عثمان بھائی..... وہ دیکھئے سرفراز بھائی، انہوں نے تو کافی تھیلے پکڑے ہوئے ہیں، ارے ان کے ساتھ تو دو اور لوگ بھی ہیں۔"

میں مارے خوشی کے دوڑ کر عثمان بھائی کے قریب گیا اور تھیلے ان کے ہاتھوں سے لے لئے۔

"السلام علیکم برادرز، معاف کیجئے ناشتہ لینے میں کچھ دیر ہو گئی، بڑا رش تھا، آیئے بیٹھتے ہیں، ان سے ملئے، یہ دو بھائی بھی پاکستان سے آئے ہیں، میں نے ان کو بھی دعوت دے دی ہے، برادر فرحان ڈبے کھولئے اور بسم اللہ کیجئے۔"

میں نے بڑی پھرتی سے سامان سجایا۔

"عثمان بھائی، آپ کی مہمان داری نے تو انصار کی یاد تازہ کر دی، آپ نے ہماری اتنی دعوتیں کی ہیں کہ ہم شرمندہ ہی ہو گئے ہیں۔" سلمان بھائی نے ایک رول اٹھاتے ہوئے کہا۔

"واہ کیا ناشتہ لائے ہیں آپ، یار عثمان بھائی آپ بھی پاکستان کا چکر لگائیں، کچھ ہم بھی آپ کی خدمت کریں۔" سرفراز بھائی نے عثمان بھائی سے بڑی خوشدلی سے کہا۔

"بھائیوں جب سے میں آپ سے ملا ہوں، میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے محمود بھائی کو بات کرتے ہوئے نہیں سنا۔ کیا بات ہے محمود بھائی، آپ بہت خاموش رہتے ہیں۔'' عثمان بھائی نے کیک کی پلیٹ محمود بھائی کی طرف بڑھائی۔

''کچھ نہیں برادر، بس ایسے ہی.....''

''نہیں بھائی، کوئی بات تو ہے، آپ بڑے افسردہ سے نظر آتے ہیں۔ آپ کے لہجے میں کچھ ہوتا ہے، کیسے سمجھاؤں آپ سب کو..... وہ..... وہ یہ سمجھ لیجئے کہ عربی میں ایک ہوتا ہے الم، جسے ہم انگلش میں پین (pain) کہتے ہیں اور ایک ہوتا ہے حزن، جسے شاید Sadness تو نہ سمجھا سکے۔ بس قریبی معنی یہی ہیں تو آپ کے لہجے میں حزن ہوتا ہے۔''

عثمان بھائی کی اس گہری بات پر سب ہی چونک پڑے، میں تو خیر اتنا کچھ سمجھ نہ سکا، مگر سرفراز بھائی نے فوراً ہی ان کے جملے سے مطلب نکال لیا۔

''جی..... آپ نے ٹھیک کہا ہے، عثمان بھائی، یہ حزن وہ غم ہوتا ہے جو انسان کے دل کے اندر اتر جاتا ہے، یہ ہمارے محمود بھائی ہیں نا، یہ ہر وقت امت کے غم میں رہتے ہیں، بلکہ کچھ ہفتوں سے تو یہ بالکل ہی خاموش ہو گئے ہیں، ہنستے ہوئے تو ہم نے انہیں کافی عرصے سے نہیں دیکھا، بولتے بھی ہیں تو جیسے زبردستی، ہاں کبھی کبھی مسکرا ضرور دیتے ہیں، وہ بھی میرے فضول سے لطیفوں پر۔''

سرفراز بھائی کے آخری جملے پر محمود بھائی بے ساختہ مسکرا دیئے۔ ہم سب بھی ہنس پڑے۔

''چلئے اب سب نے ناشتہ ختم کر لیا ہے اب چلتے ہیں۔''

ہماری بدر تک کی ڈرائیو ایک گھنٹے سے زیادہ کی تھی، عثمان بھائی نے ہمیں بتایا کہ بدر نام کے بارے میں کئی رائے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ اس علاقے میں جو چشمہ تھا، اس کا نام بدر تھا، اسی وجہ سے اس مقام کا نام بدر مشہور ہو گیا، بعض اس خیال کے ہیں کہ یہاں بدر بن نخلا بن النضر بن کنانہ آباد ہوا تھا، اسی لئے اس جگہ کو بدر کہنے لگے۔ کچھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ بدر بن حارث نے یہاں ایک کنواں کھدوایا تھا بیئر بدر، جس کی وجہ سے اس جگہ کو بدر کہنے لگے۔

''بھائیوں ذرا چاروں طرف دیکھئے اور تصور میں وہ سخت مشکل راستے لائیے کہ جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً نہتے جانباز صحابہؓ نے سفر کر کے اسلام کی پہلی جنگ اس سرفروشی سے لڑی اور اس میں اس طرح فتح یاب ہوئے کہ قیامت تک کے لئے تمام کفار و مشرکین پر اپنی دلیری اور بہادری کی دھاک بٹھا دی۔ آج ہم ان سپر ہائی ویز پر اتنی سبک رفتاری سے بدر جاتے ہوئے ان کٹھن پُر مشقت سفروں کا احساس بھی ذرا مشکل ہی سے کر سکتے ہیں۔ لیجئے وہ آ گیا بدر، پہلے بدر کے میدان چلتے ہیں، اس میدان کے چاروں طرف اب دیوار بنا دی گئی ہے اور اس پر شہدائے بدر کے نام لکھ دیئے گئے ہیں، آیئے اتریئے۔''

عثمان بھائی نے یہ کہتے ہوئے گاڑی پارک کی اور ہم سب اتر کر دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ مجھے رہ رہ کر ہاشم بھائی کا غزوہ بدر پر دیا گیا بیان یاد آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں چودہ سو بتیس صدیاں قبل کے بدر کے میدان میں کھڑا ہوں اور وہ عظیم معرکہ میرے سامنے ہو رہا ہے، فرشتے اتر رہے ہیں اور صحابہؓ کی تلواروں کی کوند سے کفار لرز رہے ہیں۔ ابھی میں تاریخ کے اس صفحے میں کھویا ہی ہوا تھا کہ سرفراز بھائی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''کہاں پہنچے ہوئے ہو چھوٹے میاں، میں خود ابھی ابھی بدر کے میدان سے واپس حال میں پلٹا ہوں۔ چلو آؤ مسجد عریش چلتا ہے، یاد ہے کہ عریش چھپر کو کہتے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے رسول اللہ کے لئے جس جگہ وہ چھپر ڈالا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہوئے تھے، مسجد عریش عین اسی جگہ بنائی گئی ہے۔ چلو وہاں نفل پڑھتے ہیں۔''

مسجد عریش میں نفل ادا کرنے کے بعد عثمان بھائی نے ہمیں پورا بدر دکھایا۔ یہ ایک بالکل چھوٹا سا قصبہ

ہے، گھروں کے علاوہ چند دکانیں بھی تھیں، عثمان بھائی ہمارے منع کرنے کے باوجود ہم سب کے لئے آئس کریم، چپس اور کولڈ ڈرنکس لے آئے۔''

''یہ کیا عثمان بھائی.....''

ابھی سلمان بھائی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ عثمان بھائی نے ان کا جملہ اچک لیا۔

''یہ کچھ نہیں سلمان بھائی، گاڑی میں کھانے کے لئے اسنیکس ہیں۔'' ہمارا واپسی کا سفر بڑا خوشگوار تھا۔ ہم چاروں ہی عثمان بھائی کی وسیع تاریخی معلومات پر حیران تھے۔ وہ تاریخ مدینہ ہی نہیں، تاریخ اسلام کا ایک چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شان ہے، جسے ہم خیالوں میں بھی نہیں لا سکتے۔ ان کی زبانی ہمیں پہلی بار معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن دنیا میں تشریف لائے۔ پیر ہی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں حجر اسود نصب کیا۔ مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف روانگی پیر کے دن ہوئی، مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے رخصتی بھی پیر کے دن ہوئی۔

عثمان بھائی نے ہمیں وہ تاریخی واقعہ بھی سنایا جو سرفراز بھائی اور محمود بھائی کو تو یقیناً معلوم ہوگا، مگر میں اور سلمان بھائی آج پہلی مرتبہ سن رہے تھے۔ واقعہ کی تفصیل یہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک سلطان نور الدین زنگی جس کی سلطنت کی وسعت آج کے شام سے لے کر افریقہ تک تھی، ایک نہایت متقی، پرہیزگار، بہادر اور شجاع حکمران تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ عدل اور شب بیداری اس کی شخصیت کا ایک روشن حصہ تھی۔ ایک رات جب وہ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر سویا تو خواب میں اسے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے سلطان سے فرمایا: ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔'' اس حکم کو سنتے ہی سلطان گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ فوراً ہی وضو کر کے اس نے نفل ادا کئے۔ کچھ دیر ذکر و اذکار کر کے وہ دوبارہ لیٹا ہی تھا کہ اس نے دوبارہ وہی خواب دیکھا۔ ایک بار پھر وہ عجلت میں اٹھا اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگا۔ نفلوں کی ادائیگی کے بعد اس پر پھر نیند غالب آ گئی اور وہ لیٹ کر سو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور وہی فرمایا کہ ان دو آدمیوں سے میری حفاظت کرو، تو سلطان کی نیند بالکل ہی غائب ہو گئی۔ اس نے فوراً ہی اپنے وزیر جمال الدین کو بلوا کر اسے خواب سے آگاہ کیا۔ جمال الدین نے سلطان کو مشورہ دیا کہ ان کو اسی وقت مدینہ منورہ روانہ ہو جانا چاہئے اور یہ کہ خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔ نور الدین زنگی اپنے اس قابل اعتماد وزیر اور بیس دوسرے خاص افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے نکل کھڑا ہوا اور شب و روز سفر کے بعد سولہویں دن شام کے وقت مصر سے مدینہ منورہ پہنچا۔ سلطان نے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی مسجد نبوی کا رخ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کر کے ریاض الجنۃ میں نفل ادا کئے، پھر وہیں اپنے معتمدین کے ساتھ بیٹھ کر غور و خوض کرنے لگا کہ کیا تدبیر کی جائے کہ وہ دو شخص اس کے سامنے آ جائیں جن کا حلیہ اسے خواب میں دکھایا گیا تھا۔ آخر بڑے فکر و تدابیر کے بعد یہ طے پایا کہ مدینہ منورہ کے تمام لوگوں کی ایک دعوت عام کی جائے اور ہر شخص کو سلطان خود ایک ہدیہ دے، تاکہ آنے والوں میں سے مطلوبہ آدمیوں کو وہ پہچان لے۔ اس مشورے کے بعد جمال الدین نے شہر بھر میں اعلان کروا دیا کہ لوگ آئیں اور سلطان کی میزبانی اور دعوت و انعام سے لطف اندوز ہوں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد جس وقت لوگ فرداً فرداً سلطان سے شاہی تحفہ وصول کرنے آتے، وہ ہر شخص کو بڑے غور سے دیکھتا۔ اس قدر گہری نظر سے ہر ایک کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھنے کے باوجود نورالدین کو وہ شخص نظر نہ آئے جن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان دو آدمیوں سے میری حفاظت کرو۔

جب دن ڈھلنے لگا تو نورالدین نے ایک بار پھر اعلان کروایا کہ اگر کوئی آدمی رہ گئے ہوں تو انہیں بھی بلایا جائے۔ پہلے تو لوگوں نے کہا کہ سب آچکے ہیں، کوئی نہیں بچا۔ جب یہ اعلان بار بار ہوا تو معلوم ہوا کہ دو آدمی باہر سے مدینہ منورہ آئے ہیں۔ وہ بالکل تارک الدنیا اور گوشہ نشین ہیں، بس اپنے کچے سے گھر میں عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ سلطان نے حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی بلایا جائے۔ پہلے تو اس حکم پر پس وپیش ہوئی کہ وہ دونوں تو خود کثرت سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں، انہیں کسی ہدیے کی کیا ضرورت، مگر شاہی فرمان کی وجہ سے ان کو سلطان کے سامنے حاضر ہونا ہی پڑا۔

نورالدین نے انہیں ایک نظر میں ہی پہچان لیا کہ یہ وہی آدمی ہیں جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔ جب ان دونوں سے تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ حج کے لئے آئے تھے، حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ زیارت نبویؐ کو حاضر ہوئے اور یہاں رہنے کی تمنا نے انہیں روضہ اقدس کے قریب ہی ایک گھر میں مقیم کروادیا۔ اب ان کا کام صرف عبادت کرنا اور صدقات وخیرات کے ذریعے لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ سلطان یہ سب سننے کے باوجود خود ان کی رہائش گاہ پر گیا، مگر بہت تلاش و بسیار کے باوجود اسے وہاں کوئی ایسی مشتبہ چیز نظر نہ آئی کہ جس سے خواب کی تعبیر پایہ تکمیل کو پہنچتی۔

ان تمام باتوں کی وجہ سے نورالدین کی پریشانی بڑھتی ہی جارہی تھی، ادھر تو..... تھی اور ادھر اہل مدینہ مستقل ان دونوں کی سفارشیں کررہے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں، دن بھر روزہ رکھنا، ہر نماز مسجد نبویؐ میں ادا کرنا، روزانہ جنت البقیع کی زیارت کرنا اور لوگوں سے ہمدردی کا سلوک کرنا۔ ان دونوں آدمیوں کی خصوصیت ہے، لہٰذا انہیں ان کے گھر، ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ان حالات نے سلطان کو بے حد متفکر کردیا۔ پریشانی کے عالم میں وہ بار بار یہی کہتا: ''یارسول اللہ! سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔'' اچانک ہی اسے خیال آیا کہ ان دونوں کے مصلے والی جگہ دیکھی جائے۔ سلطان کے حکم پر جیسے ہی ایک بوریے پر بچھی جائے نماز الٹی گئی تو ایک پتھر نظر آیا۔ پتھر ہٹایا گیا تو ایک سرنگ نمودار ہوئی جو بہت گہری تھی جس وقت سلطان اور اس کے ساتھیوں نے اس سرنگ میں داخل ہوکر چلنا شروع کیا تو وہ قبر اطہر تک پہنچی ہوئی تھی۔

سلطان نے ان دونوں آدمیوں سے سختی سے دریافت کیا کہ اس مذموم حرکت کا سبب کیا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں عیسائی تھے اور عیسائی بادشاہوں نے بے اندازہ مال و دولت دے کر انہیں بھیجا تھا کہ کسی طرح حجرہ مبارک میں داخل ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کے ساتھ گستاخی کریں اور وہاں سے نکال کر لے جائیں۔ وہ دونوں رات بھر کھدائی کرتے اور سرنگ سے نکلنے والی مٹی مشکوں میں بھر بھر کر بقیع کے اطراف میں ڈال دیتے۔

نورالدین کو ان کی یہ باتیں سن کر شدید غصہ آیا اور اس نے ان کو قتل کرکے کیفر کردار تک پہنچادیا۔ اسی شام لوگوں نے ان کی لاشوں کو جلا کر خاک کردیا۔ ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد سلطان نے آرام گاہ سرور کونینؐ کے چاروں طرف زمین کو اتنا گہرا کھدوایا کہ پانی نکل آیا، پھر سیسہ پلائی ہوئی دیوار سطح زمین تک بنوادی۔

اللہ تعالیٰ نے اس جری اور متقی سلطان کو اس خدمت کے لئے چنا اور اس نے اپنی پوری ہمت سے ان دو خبیث الباطنوں کو ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچایا۔ کاش کہ ہمارے آج کے حکمران بھی مغرب اور یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا اسی دلیری سے سامنا کرکے انہیں ان کے انجام تک پہنچائیں۔''

عثمان بھائی خاموش ہوئے اور ہم چاروں چونک پڑے۔ میں ایک بار پھر تاریخ اسلام کے ان روشن کرداروں کی عظمتوں میں کھو گیا۔ ہمارا بدر سے مدینہ منورہ کی طرف کا باقی سفر خاموشی میں گزرا۔ عثمان بھائی نے ہمیں ہوٹل کے قریب اتارا۔ ہم سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے ہمیں رات کا کھانا ساتھ کھانے کی دعوت دی۔

''عشاء کے بعد ملتے ہیں باب جبرئیل کے قریب ہی کھڑے ہوجایئے گا۔''

''بالکل..... بالکل..... ہم آپ کو جماعت ختم ہونے کے کوئی بیس منٹ بعد ملیں گے۔''

سرفراز بھائی نے بڑی خوشی سے ان کی دعوت قبول کرلی۔

مجھے عثمان بھائی پر بہت رشک آرہا تھا، بلکہ میں ہر اس شخص پر بڑا رشک کررہا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں رہنے کے لئے چن لیا تھا۔ عشاء کے بعد جب ہم عثمان بھائی سے ملے تو وہ بڑے خوش تھے۔

''کیا بات ہے عثمان بڑے خوش نظر آرہے ہیں۔'' سلمان بھائی نے بے تکلفی سے ان سے پوچھا۔

''ہاں بھائی، آج عرصے بعد ایسے ہم فکر و خیال لوگ ملے ہیں جنہیں اپنی تاریخ سے ایسی گہری دلچسپی ہے۔ میں واقعی بہت خوش ہوا ہوں آپ سب سے مل کر۔ میں سامنے سے بروسٹ لے کر آجاتا ہوں پھر یہیں ادھر بیٹھ کر کھالیں گے۔ آپ سب اس سامنے والے ستون کے پاس بیٹھیں، میں ابھی آیا۔''

عثمان بھائی واقعی ذرا سی دیر میں ہاتھوں میں تھیلے لئے آگئے۔

''چلئے شروع ہوجایئے آپ سب بہت بھوکے ہوں گے۔ بسم اللہ کیجئے۔''

عثمان بھائی نے سارے ڈبے کھولے ایک چھوٹا سا پلاسٹک کا دسترخوان بچھایا، ڈبے اور پلاسٹک کی پلیٹیں اس پر رکھیں، ساتھ کولڈ ڈرنک کے کین سجائے اور مسکرا کر ہماری طرف دیکھا۔

''واہ کیا دعوت کی ہے ہمارے بھائی نے، آیئے عثمان آپ ہی شروع کیجئے۔'' سلمان بھائی نے یہ کہتے ہوئے عثمان بھائی کی پلیٹ میں بروسٹ کا پیس اور فرائز رکھے اور خود بھی کھانا شروع کردیا۔

ہم سب نے منٹوں میں تمام ڈبے خالی کردیئے۔ مدینہ کے کھانے میں واقعی ایک عجیب لذت تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ میں ہر کھانے کے بعد یہی کہتا ہوں کہ کیا ٹیسٹ ہے۔ سلمان بھائی سچ بتائیں ایسا ذائقہ دار بروسٹ آپ نے کہیں بھی کسی بھی شہر میں کھایا ہے۔''

میں نے کولڈ ڈرنک کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے سلمان بھائی سے پوچھا۔

''ہاں یار، میں خود حیران ہوں کہ ایسی لذت کو کیا نام دیا جاسکتا ہے۔''

سلمان بھائی نے میری تائید کی۔

''بھائیوں یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کا اعجاز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کے لئے دعاؤں کا ثمر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کی آب و ہوا اکثر صحابہؓ کو موافق نہیں آئی اور وہ بیمار ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ کو تیز بخار آگیا، میں ان دونوں کے پاس آئی اور پوچھا کہ ابا جان آپ کا کیا حال ہے اور اے بلالؓ آپ کا کیا حال ہے؟ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بخار چڑھتا تو یہ شعر پڑھتے ''اور ہر شخص اپنے گھر والوں کو صبح بخیر کہتا ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' اسی طرح جب بلالؓ کو بخار میں افاقہ ہوتا تو وہ بھی مکہ مکرمہ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یاد کر کے شعر پڑھتے:

"کاش، مجھے معلوم ہو جائے کہ کیا میں کوئی رات گزار سکوں

وادی (مکہ) میں اس حال میں کہ اذخر اور جلیل گھاس میرے اردگرد ہو

اور کیا میں پہنچ سکوں گا، مقام مجنہ کے پانیوں پر اور کیا مجھے شامہ اور طفیل نظر آئیں گے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سب عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! آپ مدینہ کو ہمارے لئے اتنا ہی محبوب بنا دیجئے جتنا کہ مکہ مکرمہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دیجئے اور صاع میں ہمارے لئے برکت فرما دیجئے اور اس کے بخار کو مقام جحفہ منتقل فرما دیجئے۔"

عثمان بھائی یہ سب کہہ کر رکے اور اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی۔ اس تھیلی میں کھجوریں تھیں۔ ابھی ہم ان کی باتوں کے فسوں سے ہی نہ نکلے تھے کہ وہ بولے: "لیجئے بھائیوں یہ سوئٹ ڈش ہے کھائیے اور پھر کہئے کہ ہم نے اپنی زندگی میں ایسی لذیذ کھجوریں نہیں کھائیں۔" میں نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈالی۔

"یہ تو بالکل ٹھیک کہا آپ نے عثمان بھائی، میں نے واقعی اپنی زندگی میں ایسی کھجور نہیں کھائی، کیا ٹیسٹ ہے اور ہیں آپ کے پاس۔"

"بالکل، بالکل اصل میں بھائیوں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور مدینہ منورہ کی آب و ہوا بہترین ہو گئی۔ آپ دیکھیں کہ اس کی ہوا اور اس کی مٹی میں شفا ہے۔ آپ سب نے بھی محسوس کیا ہو گا بلکہ ہر آنے والا کہتا ہے کہ مدینہ کی ہوا کے اثر سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے دل پر شبنم کے قطرے گر رہے ہیں، اس کی گلیوں میں ایک عجیب ٹھنڈک کی سی کیفیت ہے، اس کے در و دیوار میں عجیب بہار ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد صحابہ کرامؓ کو مدینہ ایسا ہی محبوب ہو گیا کہ جیسے مکہ معظمہ تھا بلکہ ان کو اس سے زیادہ محبت ہو گئی۔ آپ سب دوستوں کو یہ بھی بتا دوں کہ صاع اور مُد مدینہ منورہ کے ناپ تول کے پیمانوں کے نام تھے، جن سے خرید و فروخت ہوتی تھی، ابھی بھی یہ دو پیمانے ان ناموں سے جانے جاتے ہیں اور آج بھی یہاں کے ناپ تول اور چیزوں میں بے حد و حساب برکت ہے۔ بلکہ تجربہ ہے کہ یہاں ذرا سے کھانے میں کئی لوگ پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں، کم پیسوں میں پورا خاندان مہمان داری کے ساتھ ٹھاٹھ سے رہتا ہے۔ آخر میں، میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ جحفہ مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک بستی تھی اس زمانے میں وہاں یہودی رہتے تھے، اس لئے مدینہ منورہ کے بخار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھیجنے کی دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بال بکھیرے ہوئے ایک سیاہ عورت مدینہ سے نکل کر جحفہ میں داخل ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر دی کہ مدینہ کی وبا منتقل ہو کر جحفہ چلی گئی ہے۔"

عثمان بھائی نے یہ سب کہہ کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں تو مائی فرینڈ اینڈ برادر فرحان اور بتاؤں آپ کو مدینہ کی برکت کے بارے میں؟ بس بھائی اس شہر خوباں کا ذکر ہی ایسا دل فریب ہے کہ اس کے بارے میں سنتے اور سناتے دل ہی نہیں بھرتا، ایک روایت میں ہے، جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مدینہ کے در و دیوار پر پڑتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی محبت کی وجہ سے سواری کو تیز فرما لیتے۔" یہ اس لئے ہوتا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی مدینہ پہنچ جائیں۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن سنا اور اس وقت آپ صلی اللہ

علیہ وسلم ملک شام کی طرف نظر فرما رہے تھے:

"اے اللہ! اہل شام کے قلوب متوجہ فرما دیجئے، پھر ملک عراق کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے اللہ! عراقیوں کے دل متوجہ فرما دیجئے، پھر ہر طرف دیکھ کر یہی ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا: اے اللہ! زمین کے پھلوں میں ہمارے لئے برکت عطا فرمائیے اور ہمارے مد اور صاع میں برکت فرمائیے۔"

ابھی عثمان بھائی سانس لینے کے لئے رکے ہی تھے کہ سرفراز بھائی نے ایک دم سے کہا:

"عثمان، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ثمرات و برکات ہیں کہ ہر مسلمان کا دل مدینہ منورہ کی طرف کھنچتا ہے اور وہ مدینہ منورہ کا نام سن کر بے چین ہو جاتا ہے، اسی لئے مدینہ منورہ اور اہل مدینہ سے سب کو ایک عجیب سی والہانہ محبت ہے۔"

"جی ٹھیک کہا آپ نے برادر سرفراز، آیئے ایک اور حدیث سنتے ہیں، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مدینہ کے لوگ موسم کا نیا پھل لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پھل ہاتھ میں لے کر دعا فرماتے: "اے اللہ! ہمارے پھل، ہمارے شہر اور ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) آپ کے بندے نبی اور خلیل ہیں۔ میں بھی آپ کا بندہ اور نبی ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کے لئے دعا کی، میں مدینہ کے لئے ویسی دعا کرتا ہوں اور مزید اس جیسی (برکت کی) دعا کرتا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل عنایت فرما دیتے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لئے مکہ مکرمہ کی برکتوں سے دوگنی برکت کی دعا کی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! مدینہ میں مکہ کی برکت سے دوگنی برکت عطا فرما۔"

ہم سب عثمان بھائی کی زبانی مدینہ منورہ کے فضائل سننے میں اتنے محو تھے کہ ہمیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ عثمان بھائی نے ہی ہمیں وقت کی طرف متوجہ کیا۔

"بھائیوں دیکھئے تو، کتنی رات گزرتی جا رہی ہے، چلئے اب چلتے ہیں، ایسا کرتے ہیں کل فجر کے بعد ملتے ہیں، میں آپ سب کو حضرت سلمان فارسیؓ کا کھجور کا باغ اور چند اور مقامات دکھاؤں گا۔" سب سے پہلے سلمان بھائی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"واقعی بہت دیر ہو گئی ہے۔ عثمان بھائی فجر کے بعد ناشتہ میری طرف سے، اب آپ کی دعوت ہو گی۔ آپ نے ہماری بہت خاطریں کر دیں۔"

"آپ سب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہے وہ میرا مہمان ہے، خیر چلئے، آپ ہی کی طرف سے دعوت سہی آپ کا بھی دل خوش ہو جائے گا۔" عثمان بھائی مسکراتے ہوئے اٹھے۔

"عثمان بھائی اور باقی سب بھائی لنچ میری طرف سے، میں بھی اپنی تنخواہ کے پیسے لایا ہوں، پھر یہاں کھجوریں بھی لوگوں میں تقسیم کروں گا، وہ دیکھیں وہ صاحب کھجوریں سب کو دے رہے ہیں اور وہ آنٹی ٹوفیاں بانٹ رہی ہیں۔" میں بہت جذباتی ہو گیا۔

"ٹھیک ہے بھائی فرحان..... ٹھیک ہے لنچ آپ کی طرف سے، ہم سب قبول کرتے ہیں۔" عثمان بھائی ایک بار پھر مسکرائے۔

"تو پھر بھائیوں ڈنر میری اور محمود کی طرف سے اور وہ جو دو حضرات یہاں ہمارے پاس بیٹھ کر نعت سن رہے تھے، ایک جہانگیر صاحب تھے دوسرے ان کے ساتھی، انہوں نے مجھے اپنا موبائل نمبر دے دیا تھا انہیں بھی بلا لیتے ہیں، ایک بات اور، ہم بھی اپنے چھوٹے صاحب فرحان کے ساتھ مل کر ٹوفیاں اور کھجوریں بانٹیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے کیوں فرحان ٹھیک ہے۔'' سرفراز بھائی یہ کہتے ہوئے اٹھے تو ان کے اٹھتے ہی ہم سب بھی اٹھ گئے۔

☆.....☆.....☆

فجر کی اذان سے چند منٹ پہلے ہم لوگ حرم نبویؐ پہنچ گئے، جماعت ختم ہونے کے بعد سرفراز بھائی نے ہم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کر کے ہی عثمان سے ملیں گے، ہم لوگ اندر پہنچے تو وہاں کافی لوگ تھے، میں جالیوں کے قریب پہنچا تو ایک بار پھر گنگ ہوگیا، میں ہر وہ بات اور ہر وہ دعا بھول گیا جو مجھے یہاں کہنی اور مانگنی تھی، مجھے برابر میں کھڑے محمود بھائی کی سسکیاں سنائی دیں، پھر وہ ایک شعر پڑھنے لگے، وہ بار بار اس شعر کو ایسے درد بھرے لہجے میں دھرا رہے تھے کہ وہ مجھے بھی یاد ہوگیا۔

حضورؐ آپ کی دہلیز پر کھڑا ہوں میں
جو آپ سے نہ کہوں حال دل تو کس سے کہوں

نجانے کیا بات تھی کہ وہی شعر جو باہر سنا گیا، یہاں پہنچ کر ایک الگ ہی لو دینے لگا، مجھے پھر محمود بھائی کی آواز آئی، آہستہ سے، ادب میں ڈوبی ہوئی۔

یہ چاہتا ہوں کہ پہنچوں قریب تر لیکن
قدم اٹھاؤں تو سو بار ڈگمگا جاؤں

مجھے اچانک لگا کہ ایک بار پھر اسی ٹھنڈی شفیق سی لمس نے میرا دل تھام لیا ہو، میں سسکنے بلکہ بلکنے لگا، نجانے میں نے وہاں کھڑے ہوئے کیا کیا کہا، کیا کیا مانگا، مجھے محمود بھائی کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

دعا کو ہاتھ اٹھاؤں تو لفظ ہی نہ ملیں
یہ سوچتا ہوں کہ مانگوں تو کس طرح مانگوں

میں نے نم آنکھوں سے محمود بھائی کی طرف دیکھا، وہ سر جھکائے کھڑے تھے، کافی دیر وہ یوں ہی کھڑے رہے، پھر نفل ادا کرنے ریاض الجنۃ کی طرف بڑھ گئے، میں بھی ان کے قریب جا کر نفل پڑھنے لگا، ہم دونوں ہی سلام پھیر کر کافی دیر دعا مانگتے رہے، پھر باہر نکل آئے، وہاں سرفراز بھائی اور سلمان بھائی کے ساتھ عثمان بھائی کھڑے تھے۔

''السلام علیکم برادرز محمود اینڈ فرحان۔'' عثمان بھائی نے مسکرا کر ہم دونوں کو سلام کیا، مجھے ان کا عربی لہجے میں محمود اور فرحان کہنا بہت اچھا لگتا تھا۔

''الحمدللہ، تو بھائیوں چلئے ناشتہ ہو جائے، پھر بقیہ زیارتیں اور کھجور مارکیٹ سے کھجوروں کی شاپنگ، کل آپ کی کسی وقت روانگی ہے۔''

''ظہر کے بعد کوئی تین بجے تک ان شاء اللہ مکہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔'' محمود بھائی نے عثمان بھائی کو پروگرام بتایا۔

''آپ لوگ بذریعہ بس جائیں گے یا پھر ٹیکسی کریں گے، اگر کسی پرائیویٹ کار کریں تو میں حاضر ہوں۔''

عثمان بھائی نے آگے بڑھتے ہوئے سرفراز بھائی سے پوچھا۔

''کیوں محمود بھائی، سلمان کیا خیال ہے۔'' سرفراز بھائی نے بڑے اشتیاق سے دونوں سے پوچھا۔

''بالکل، بالکل..... مگر ایک شرط ہے برادر عثمان آپ ہم سے بھی وہی کرایہ لیں گے جو آپ اوروں سے لیتے ہیں، یہ آپ کا روزگار ہے، اس لئے اس میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔''

سلمان بھائی نے عثمان بھائی کی طرف دیکھا۔

''او کے، ڈن، چلئے..... سب ناشتہ کر لیں پھر نکلتے ہیں۔''

ہم سارا دن عثمان بھائی کے ساتھ رہے، سب سے پہلے وہ ہمیں حضرت سلمان فارسیؓ کے باغ لے کر گئے، یہ کھجوروں کا ایک گھنا اور وسیع باغ تھا۔

''بھائیوں یہاں میں آپ کو مختصراً حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں بتا دیتا ہوں کہ ان کا اصل نام مابہ تھا، ان کے والد آتش پرست اور ایک آتش کدے کے منتظم تھے، یہ ایرانی النسل تھے، حضرت سلمان فارسی

شروع ہی سے حق کو پانے کی تلاش میں رہتے تھے۔ پہلے انہوں نے عیسائی مذہب قبول کیا اور عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اسی دوران انہیں معلوم ہوا کہ ارض حجاز میں اللہ کے ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائیں گے، اس بات کا معلوم ہونا تھا کہ سلمان فارسیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں حجاز آ گئے۔ حجاز پہنچ کر وہ ہر شخص کو غور سے دیکھتے کہ شاید ان میں کوئی نبی ہو، آخر ایک دن جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے کچھ صدقے کی کھجوریں لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے، جب یہ کھجوریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے سے احتراز فرمایا، حضرت سلمان فارسیؓ کو نبوت کی یہ نشانی مل گئی تو وہ دوسرے دن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوبارہ کچھ کھجوریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ یہ صدقے کی نہیں ہیں، انہیں تناول فرمالیا۔ اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں نبوت کی اور نشانیاں بھی نظر آئیں تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ غزوۂ خندق پر انہیں کے مشورے پر مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں کافروں سے مقابلہ کرنے کے لئے خندق کھودی تھی۔ اسی کھدائی کے دوران انصار کہتے تھے کہ سلمان فارسیؓ ان میں سے ہیں جبکہ مہاجرین کا کہنا تھا کہ وہ ان کے ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سلمان میرے اہل بیت سے ہیں۔'' حضرت سلمان فارسیؓ ہر غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حضرت سلمان فارسیؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور جہاد کا شوق دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت تین آدمیوں کا اشتیاق رکھتی ہے، علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ۔'' حضرت سلمان فارسیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کافی عرصہ مدینہ منورہ میں رہے، پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں عراق چلے گئے۔

''برادر، اب کھجور مارکیٹ چلتے ہیں، وہاں سے مدینہ منورہ کا ایک ٹور کر لیں گے، آپ کو رہائشی علاقے، پارکس اور اسکول وغیرہ بھی دکھا دوں، مگر پہلے کھجور مارکیٹ۔''

جس وقت ہم کھجور مارکیٹ پہنچے، وہاں کافی رش تھا، دکانیں ہر قسم کی کھجوروں سے بھری ہوئی تھیں، سلمان بھائی، سرفراز بھائی اور محمود بھائی نے ڈھیروں ڈھیر کھجوریں خریدیں، میں نے بھی خوشی خوشی اپنے پیسے نکالے اور حرم میں لوگوں کو ہدیہ دینے کے لئے کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے ڈبے خریدے۔

''ہمیں کھجوریں خریدنے میں کافی دیر لگی، وہاں سے نکلے تو سب ہی کو بڑی بھوک لگ رہی تھی۔''

''آیئے بھائیوں وہ سامنے ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں، یاد ہے کہ لنچ میری طرف سے ہے۔'' میں نے عثمان بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ عثمان بھائی ہنس پڑے۔

''محمود بھائی، آپ نے جو عجوہ کھجوریں خریدی ہیں، کیا آپ کو ان کا بیک گراؤنڈ معلوم ہے کہ ان کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے۔''

عثمان بھائی نے اپنی جیب سے ایک پیکٹ نکالا اور اسے کھول کر ہم سب کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ پیکٹ میں عجوہ کھجوریں تھیں۔

''لیجئے عجوہ کھایئے۔ اس سے اچھا اور کون سا ڈیزرٹ ہوگا۔'' عثمان بھائی نے یہ کہتے ہوئے ہم سب کی طرف دیکھا اور ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈالی، میں نے بھی بڑے شوق سے چند کھجوریں اٹھالیں۔

''ہاں تو بھائیوں عجوہ وہ کھجور ہے کہ جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح سویرے سات عدد عجوہ کھالے اس پر اس دن زہر اور جادو اثر نہیں کرے گا، اس بارے میں ایک واقعہ بھی سن لیں کہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سینے میں شدید درد اٹھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا کہ ''طبیب کو چاہئے کہ مریض کو مدینہ کی عجوہ کھجور کوٹ کر گٹھلیوں سمیت کھلائے۔'' یہ حدیث کا مفہوم ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے لمس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے کے اندر محسوس کی۔

مائی برادرز یہ اسی عجوہ کھجور کی گٹھلیوں سمیت کھانے کا اعجاز تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ دل کے اس دورے یا تکلیف سے ایسے صحت مند ہوئے کہ اس کے بعد گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر تین ہزار میل دور ایران پہنچے اور اس وقت کی اس سپر پاور کو فتح کیا۔''

عثمان بھائی کی بات ابھی ختم ہوئی تھی کہ میں اچانک ہی بھول پڑا۔

''عثمان بھائی، آپ کو تو کسی کالج یا یونیورسٹی میں ہسٹری کا ٹیچر ہونا چاہئے تھا۔ کیا زبردست حافظہ ہے آپ کا، یار آپ کو یہ سب کیسے یاد رہتا ہے، میں تو آج کچھ پڑھوں تو کل بھول جاتا ہوں۔'' عثمان بھائی مسکرانے لگے۔

''آیئے اب اٹھئے مدینہ منورہ کا ایک ''سٹی ٹور'' ہو جائے۔ آیئے برادرز آپ سب بھی کھجوروں سے لطف اندوز ہو چکے ہیں چلئے چلتے ہیں۔''

ہم نے مدینہ منورہ کا ایک مکمل اور بھرپور ٹور کیا۔ عثمان بھائی ہمیں ان گلیوں میں بھی لے گئے جہاں برسوں سے مدینہ کے اصل شہری رہ رہے تھے، انہوں نے ہمیں مختلف قبیلوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ ان کی زبانی ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کے کس محلے میں پہلے کون سا قبیلہ رہتا تھا۔

''یہ دیکھئے بھائیوں، یہ حیٔ سحمان ہے، یعنی محلہ سحمان، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنو عبدالاشہل رہتے تھے، اگر آپ آج بھی یہاں کی عمارتوں میں رہنے والے کسی شخص سے بجلی کا بل لے کر دیکھیں تو اس پر حیٔ سحمان بنو عبدالاشہل لکھا ہوگا۔''

''عثمان بھائی کیا یہ سب کتابوں میں لکھا ہے۔'' میں نے بڑے اشتیاق سے ان سے پوچھا۔ عثمان بھائی پھر مسکرانے لگے۔

''یس برادر کچھ کتابوں میں بھی لکھا ہے، کچھ میں نے اپنے طور پر یہاں کے بڑوں سے بھی تحقیق کی ہے۔''

''اور کچھ ہمارے عثمان بھائی نے اپنی بھی ریسرچ کی ہے۔''

سرفراز بھائی نے ہنستے ہوئے عثمان بھائی کی بات مکمل کی۔

ہمارا سارا دن ہی بے حد خوشگوار گزرا، ہم نے نمازیں مختلف مسجدوں میں پڑھیں، مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ یہاں مسجدوں میں ہر نماز میں محلے کے لوگ کثرت سے ہوتے، نوجوانوں اور جوانوں کی بھی بڑی تعداد ہوتی۔

''عثمان بھائی اب تو کافی رات ہوگئی ہے، چلئے ڈنر کرتے ہیں، پھر صبح سلام کے بعد ملتے ہیں، میں سوچ رہا تھا کہ اگر اور سب بھی راضی ہوں تو بجائے دوپہر کے فجر کے بعد روضۂ اقدس پر سلام پیش کر کے مکہ معظمہ کے لئے نکل جائیں، کیا خیال ہے آپ سب کا۔''

سرفراز بھائی کی اس بات سے سب ہی نے اتفاق کیا۔

''یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے آپ کا، ہم ظہر کے اریب قریب مکہ پہنچ جائیں گے، پھر عصر تک عمرہ سے فارغ ہو کر میں آپ کو منیٰ، مزدلفہ اور عرفات دکھا دوں گا۔''

عثمان بھائی نے یہ کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک ریسٹورنٹ کے سامنے جا کر روک دی۔

.....(جاری ہے)

وادیٔ طائف کا پیغام

دین کی دعوت دینے والوں کے لئے طائف کا واقعہ سب سے بڑی مثال اور نمونہ ہے

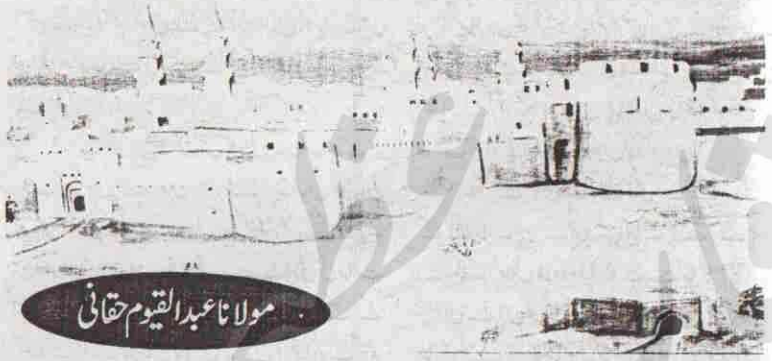

مولانا عبدالقیوم حقانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دس سال کی محنت کے بعد بھی مکہ مکرمہ کے سردار اور عوام اس بات کے لئے تیار نہیں ہوئے تھے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی اختیار کریں، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور مکہ کو دعوت الٰہی کا مرکز بنائیں، بلکہ اب تو وہ داعی حق کو ہی ختم کر دینے کا سوچ رہے تھے، شفیق چچا ابوطالب کا سہارا تھا وہ رخصت ہو چکے تھے، پچیس سالہ رفاقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تھی وہ بھی اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں۔

اب کدھر کا رخ کریں؟ حضور علیہ السلام طائف کا سوچتے ہیں اور وہاں کا رخ کرتے ہیں، مکہ سے قریب یہی شہر ہے، زمین زرخیز، پانی وافر مقدار میں، باغات سے مالا مال، شاید کہ وہاں کے سردار اور امراء اس دعوت کو قبول کر لیں۔

راستہ دشوار گزار پہاڑوں اور وادیوں سے بھرا ہوا ہے، سخت گرمی کا موسم ہے اور اوپر سے سرزمین عرب کی تپتی ہوئی ریت اور چٹیل میدان، 50 سال کی عمر ہے، جوانی کا زمانہ نہیں کہ دشوار گزار سفر آسان ہو جائے، سفر کے لئے سواری کا بندوبست بھی اب ممکن نہیں کہ ساری دولت تو دعوت میں صرف ہو چکی ہے، چنانچہ پیادہ پا دو چپلوں پر سارا راستہ طے ہو رہا ہے، ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں، منہ بولے بیٹے اور راہ حق کے نوجوان ساتھی، طائف پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو ثقیف کے تین سرداروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے سامنے دعوت پیش کرتے ہیں، دس سال مکہ میں ٹھکرائے جانے کے بعد بھی جو امید کی ہلکی سی کرن طائف والوں سے ہو سکتی تھی وہ چکنا چور ہو جاتی ہے، جب امارت و دولت اور اقتدار و کبر کے نشے میں مست یہ تین سردار بھی اس دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

سرداروں کی محفل سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آتے ہیں تو طائف کے سردار شہر کے لچے لفنگے بچوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیتے ہیں، طائف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے یہ شریر بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں کی بارش کردیتے ہیں، تاک تاک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارتے ہیں، جب چوٹوں کی تکلیف سے مجبور ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر کھڑا کردیتے ہیں، دو میل تک مسلسل اسی طرح سنگ باری کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور اور لہولہان ہوجاتے ہیں اور بل آخر طائف کی بستی سے نکل کر ایک باغ میں پناہ لیتے ہیں۔

ذرا یہ منظر دیکھئے کہ کس کا دل ہے کہ پھٹ نہ جائے، زخموں سے بدن چور ہے، پنڈلیاں لہولہان ہوگئیں، کپڑے خون سے لال ہوگئے، نوعمر رفیق سفر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے سڑک سے بے ہوشی کی حالت میں جس طرح بن پڑا اٹھایا، پانی کے کسی گڑھے کے کنارے لائے جوتیاں اتارنی چاہئیں تو خون کے گوند سے وہ تلوے کے ساتھ اس طرح چمٹ گئی تھیں کہ ان کا چھڑانا دشوار تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس دلسوز منظر کو دیکھ کر عرض کیا: ”یارسول اللہ! ان ظالموں کے واسطے بددعا کیجئے۔“

رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں ان لوگوں کے لئے کیوں بددعا کروں، اگر یہ لوگ خدا کے اوپر ایمان نہیں لائے تو مجھے امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی۔“

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت تھی، خلق خدا پر لامتناہی شفقت اور صبر واستقامت کی حیرت انگیز مثال تھی، مخلوق کے لئے بے پناہ تڑپ، پیغام حق پر انتہائی یقین اور اس پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا جنون نادر نمونہ اس واقعہ میں ملتا ہے، عالم میں اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔

باغ سے نکل کر آپ صل اللہ علیہ وسلم مکہ کی راہ لیتے ہیں اور اس مقام تک پہنچتے ہیں، جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے، یہاں جبریل امین علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں، اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اور آپ کی دعوت کا جو جواب دیا: ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ نے آپ کے پاس یہ پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے جو چاہیں اسے حکم دیں۔“

پہاڑوں کا فرشتہ سلام عرض کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے: ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو پورا اختیار ہے، ارشاد ہو تو ان پہاڑوں کو اٹھا کر جن میں طائف محصور ہے، اس شہر کو پیس کر رکھ دوں؟“

ذرا دیکھئے! جن کے گھٹنے زخمی کئے گئے، ٹخنے چور کئے گئے، اب ان کے قابو میں کیا نہیں ہے؟ جسے جبال ملے، ملک الجبال ملا، وہ اپنی قوت سے کیا کام لیتا ہے، جنہوں نے اس کو زخمی کیا تھا، کیا ان پر ان کی زندگی وہ بھاری کرے گا، چاہتا تو یہ کرسکتا تھا اور ان کو حق تھا کہ جنہوں نے اس پر پتھراؤ کیا تھا، ان کو سنگسار کرے، لیکن وہی تاریخ جس نے قوم نوح کے طوفان، قوم عاد کی آندھی، قوم ثمود کی چنگھاڑ اور کڑک، قوم لوط پر پتھروں کی بارش اور قوم موسیٰ کے دریا برد ہونے کے واقعات کو ریکارڈ کیا ہے، اسی تاریخ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب بھی محفوظ رکھا ہے، پہاڑوں کے فرشتے سے فرمایا جارہا ہے: ”میں مایوس نہیں ہوں، شاید ان کی پشتوں سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے جو اللہ واحد لاشریک بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائیں۔“

کتنی خوبصورت و دلربا ہے طائف کی یہ پوری متحرک تصویر! اس پر دل کیوں نہ آئے! محبت کا کیسا ابلتا ہوا چشمہ ہے! کیسی فراوانی ہے رحمت کی!

اپنوں سے تو سب ہی محبت کرتے ہیں، دشمنوں سے کتنے محبت کرتے ہیں؟ اچھی بات کا تو سب اچھا جواب دیتے ہیں، کتنے ہیں جو گالیوں اور پتھروں کا جواب دعاؤں سے دیتے ہیں؟ جذبہ انتقام نہیں، نفرت

نہیں، غیظ وغضب نہیں، گالیاں نہیں، اپنے اوپر زعم نہیں، طاقت کے ہوتے ہوئے طاقت کا استعمال نہیں بلکہ دلسوزی ہے، ہمدردی ہے، شفقت ہے، رحمت ہے، زندگی کا پیغام ہے۔

یہ تصویر مجھے بار بار یاد آتی ہے، کشمکش اور مخالفت میں، بحث اور جلال میں، ہنگاموں اور لڑائیوں میں ہم اکثر اس تصویر کو بالکل ہی بھول جاتے ہیں، ہم یہ فراموش کردیتے ہیں کہ ہماری لڑائی مرض سے ہے، مریض سے نہیں، ہمیں نفرت، برائی اور بدی سے ہے، برے انسان سے نہیں، برے عضو اور انسان کو اسی وقت کاٹ کر پھینکا جاتا ہے، جب شفا کی امید ختم ہوچکی ہو۔

اس تصویر کو دیکھئے اور خود کو دیکھئے!..... کیا آپ کے اندر اتنی محبت، نرمی، شفقت، دلسوزی، حوصلہ اور صبر وہمت ہے کہ گالیاں اور پتھر کھائیں اور ان کا جواب دعاؤں سے دیں؟ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جائیں اور آپ پھول برسائیں؟ آپ کو ٹھکرایا جائے اور آپ امیدیں باندھے رکھیں؟ آپ کو کاٹا جائے اور آپ جُویں؟ آپ پر ظلم کیا جائے اور آپ معاف کردیں؟.....

یہ ضرور ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دینا کوئی آسان کام نہیں (اور نہ ہر کسی کے بس میں ہے) یہ قیمتی دولت اسی کو ملتی ہے جو بڑا قسمت والا ہو، قسمت والا وہ ہے جو صبر کی صفت سے مزین ہو، سچی بات آپ سے کہہ دوں جب تک آپ کے اندر وہی عزم وحوصلہ ہوگا، وہی محبت وشفقت نہ ہوگی، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں جوموجزن تھی اور وہ اخلاق عالیہ نہ ہوں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے، اس وقت تک آپ لوگوں کے دل جیتنے میں کامیاب نہ ہوں گے، دعوت دین کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے طائف کا واقعہ سب سے اہم نمونہ اور مثال ہے، آج اسی جذبے اور حوصلے کی ضرورت ہے۔

☆.....☆.....☆

قرآن پاک کا حسابی نظام

☆.....قرآن پاک میں حیات وموت کا ذکر 145-145 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....دنیا اور آخرت کا ذکر 115-115 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....قرآن پاک میں ملائکہ کا ذکر 88 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....قرآن پاک میں شیطانوں کا ذکر 88 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....قرآن پاک میں سردی اور گرمی کا ذکر 40-40 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....قرآن پاک میں آسمانوں کا ذکر 7 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....قرآن پاک میں حسابی نظام کی بنیادی اکائی کا انحصار 19 کے ہندسے پر ہے۔

☆.....اس کی دریافت 1976ء میں امریکا میں کمپیوٹر کی مدد سے ہوئی۔

☆.....قرآن پاک میں اسم قرآن 19 مرتبہ آیا ہے۔

☆.....بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں 19 حروف ہیں۔

☆.....بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن میں 113 مرتبہ ہے۔

(انتخاب:.....شفاء النساء، لارنس کالج، مری)

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولانا محمد صدیق ارکانی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے، محمد میں حمد مادہ ثلاثی مجرد میں باب سمع یسمع سے آتا ہے اور محمد باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، تحمید مصدر ہے، تاج المصادر کے مطابق یہ صیغہ تو مفعول کا ہے لیکن معنی میں مبالغہ کا ہے اور مبالغہ بھی دونوں ہیں، یعنی مبالغہ فی الکم اور مبالغہ فی الکیف، مبالغہ فی الکم کی صورت میں محمد کا ترجمہ یہ ہوگا "جس کی بہت زیادہ تعریفیں بیان کی جاتی ہیں اور مبالغہ فی الکیف یہ ہے کہ جس کی مکمل اور اکمل تعریف کی جاتی ہے، محمد میں دونوں معانی مطلوب ہیں، علماء صرف ونحو کے مطابق محمد مضاعف کی وجہ سے حمد وثنا میں محمود سے زیادہ اعلیٰ وارفع ہے حالانکہ دونوں مفعول کے صیغے ہیں، بعضوں نے کہا کہ محمد اسم ظرف مکان ہے بمعنی جائے حمد کما و کیفا (کما فی شرح الشرح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کی تعداد اور لفظ محمد کی وجہ تسمیہ:..... علماء کا اس پر اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کتنے ہیں، شیخ ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار نام ہیں، ایک قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو نام ہیں، لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی نام ننانوے ہیں، ان میں سے محمد اور احمد بھی ہیں، ابن عباسؓ کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ کا کہنا ہے کہ حمل کے چھ مہینے گزرنے کے بعد خواب میں ایک بزرگ نظر آئے اور انہوں نے فرمایا کہ تمہارے پیٹ میں سید الاولین والآخرین امام الانبیاء ہیں، جب وضع حمل ہو تو ان کا نام نامی محمد رکھنا (النعمة الکبریٰ علی العالم فی ولد سید ولد آدم لعلامه شهاب الدین احمد بن حجر الهیتمی الشافعی ص ۲۵)

شرح التحریر میں ہے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اللہ اور اہل ارض وسماء کے نزدیک محبوب ہے، اس لئے محمد نام رکھا گیا ہے، بعض نے کہا کہ چونکہ ان کے اوصاف حمیدہ زیادہ ہیں اس لئے محمد نام رکھا گیا، کما قاله ابن فارس، عوارف المعارف میں ہے کہ چونکہ یہ نام قرآن میں بھی (ما کان محمد ابا احد من رجالکم) آیا ہے، اس لئے یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ناموں سے زیادہ بہتر ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کائنات کی حمد وثنا زیادہ بیان کرتے ہیں، اس لئے یہ نام رکھا گیا ہے اور

اور بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف زیادہ کرتے ہیں، فهو ﷺ احمد المحمودین و احمد الحامدین، کما فی البهجة السنیه فی الاسماء النبویة للعلامه جلال الدین السیوطیؒ

روض الانف جلد ا صفحہ ۱۰۵ اور زرقانی جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ پر ہے کہ عبدالمطلب نے خواب میں بشارت پاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمد رکھا، عیون الاثر جلد ا صفحہ ۱۳۰ اور خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۴۲ پر ہے کہ کسی بزرگ نے حکم دیا کہ تم نومولود مسعود کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم واحمد رکھنا، عبدالمطلب کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے خاندان کے تمام مروجہ ناموں کو چھوڑ کر اپنے پوتے کا نام محمد رکھا کیونکہ معبرین نے میرے خواب کی یہی تعبیر بتائی تھی۔

حافظ علی ابن احمد زیٹیؒ سے منقول ہے کہ آسمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہے، دنیا میں محمد ہے، توراۃ میں ابوالقاسم ہے اور انجیل میں بھی احمد ہے، ولنعم ما در القائل.

بانجیل عیسی من اسامیه احمد
بتوراة موسیٰ حامد یتحمد
ومحمود اسم فی الزبور بمجد
ختام جمیع الانبیاء محمد

مزمل، مدثر اور سراج منیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں، ان ناموں کی وجہ تسمیہ کتاب "فلسفۂ سیرت خاتم الانبیاء" میں درج ہے، روایت میں آتا ہے کہ عبدالمطلب نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی جس کی ایک جانب آسمان میں، ایک جانب زمین میں ایک جانب مشرق میں ایک جانب مغرب میں ہے، کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتے پر نور ہے جو نور آفتاب سے ستر گنا زائد ہے، مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں، قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں اور قریش میں سے کچھ لوگ اس درخت کو کاٹنے کے لئے جب درخت کے قریب آتے ہیں تو ایک نہایت حسین وجمیل جوان آکر ہٹا دیتا ہے۔

معبر نے اس کی تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی اتباع مشرق اور مغرب کے لوگ کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی حمد وثنا بیان کریں گے، اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بھی خواب دیکھا، کوئی آکر کہہ رہا ہے کہ اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا (سیرت مصطفیٰ، روض الانف، زرقانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دس نام اور وجہ تسمیہ:..... (۱) محمد، کیونکہ آسمان و زمین میں ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ (۲) احمد، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تعریف کثرت سے کرتے ہیں۔ (۳) بشیر، کیونکہ وہ مؤمنین کو جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ (۴) نذیر، کیونکہ وہ کفار کو نار جہنم سے ڈرتے ہیں۔ (۵) وحید، کیونکہ وہ مخلوقات میں فرد کامل ہیں۔ (۶) ثابت، کیونکہ اللہ نے ان کے ذریعے دین اسلام کو ثابت اور ظاہر کیا۔ (۷) قاسم، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کردیں گے، جنتی و جہنمی، (۸) حاشر، کیونکہ روز محشر سب لوگوں (مخلوق) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جمع کیا جائے گا۔ (۹) ماحی، کیونکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط اور سفارش سے تائبین کے گناہوں کو مٹا دیں گے۔ (۱۰) مبیض، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مؤمنین کو روشن منور کردیں گے۔ (قلیوبی صفحہ ۲۸۱۔ نیرنگ عالم)

کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نام سے پکارا گیا:..... مؤرخین کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف مقامات میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے، مثلاً قرآن کریم نے "احمد" اور "محمد" کے نام سے یاد کیا، زبور میں "عاقب" تورات میں "معاذ" بائبل میں "فارقلیط"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آسمان میں ''عبدالکریم'' خلا اور فضا میں ''مجتبیٰ'' زمین میں ''معظم'' انبیاء کے درمیان ''عبدالوہاب'' ملائیکہ کے درمیان ''عبدالحمید'' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ''یاسین'' ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے یہ نام نہیں رکھا:..... عیون الاثر میں مکتوب ہے کہ کتب سماویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نام مذکور تھے، لیکن حق تعالیٰ نے عرب وعجم کے دلوں اور زبانوں پر ایسی مہر لگادی کہ کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یہ نام نہیں رکھا، یوں یہ مبارک نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محفوظ ہوگیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی اور کا یہ نام (محمد یا احمد) ہوتا تو ممکن تھا کہ نبی آخر الزماں کے متعلق جو پیش گوئیاں اور بشارتیں کتب سماویہ (سابقہ) میں تھیں کوئی اپنے آپ کو ان کا دعویدار قرار دیتا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

حافظ یعمریؒ نے شیخ ابوالقاسم سہیلیؒ سے نقل کیا ہے کہ معدودے چند کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں تھا، مگر چند حضرات نے اہل کتاب سے آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا نام محمد رکھ دیا تھا۔

زصد ہزار محمد کہ در جہاں آید
یکے بمنزلت و فضل مصطفی نرسد

(اس دنیا میں لاکھوں محمد آئے لیکن ان میں سے کوئی بھی مصطفیٰ کے بلند مقام کو نہ چھو سکا)

محمد نام کب رکھا گیا ہے اور کہاں کہاں یہ نام مکتوب ہے؟:..... تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام (محمد) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت پہلے ہی رکھا ہوا تھا، امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو وہ بہت نادم ہوئے اور جب عرش پر نگاہ ڈالی تو وہاں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' مکتوب نظر آیا اور دل میں خیال آیا کہ محمد (نامی شخص یا مخلوق) عظیم ہستی ہوگی، تب ہی تو یہ نام اللہ کے نام کے ساتھ مکتوب ہے، چنانچہ انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی ''اسئلک بحا محمد الاغفرت لی'' اللہ نے کہا، اے آدم کیا تمہیں معلوم ہے کہ محمد کون ہیں؟ حضرت آدمؑ نے لاعلمی اظہار کیا، رب کائنات نے کہا کہ اے آدم! تیری اولا میں یہ آخری نبی ہوں گے اور میری مخلوق میں ان فضیلت کو کوئی نہیں پہنچے گا (رواہ طبرانی وابونعیم وحاکم)

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

چونکہ اللہ تعالیٰ کو محمد نام بہت پسند ہے، اس لئے اپنے محبوب بندوں میں سے چند حضرات کو اس مبارک نام کا کچھ حصہ عطا کیا، جیسے آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور سلیمانؑ کو میم محمد عطا کیا، نوحؑ، صالحؑ اور اسحاقؑ کو حائے محمد عطا کیا، ہودؑ، داؤدؑ، آدمؑ اور ادریسؑ کو دال محمدؐ سے نوازا۔

میرے لفظوں کو دیئے اسم محمد سے جلے
میری سوچوں پہ عنایت کی نظر ہوتی گئی

تکبیروں میں، کلمہ میں، نمازوں میں، اذان میں ہے نام الٰہی سے ملا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ادھر لاکھوں ستاروں سے ہے بزم کہکشاں روشن
ادھر ایک شمع روشن ہے کہ ہیں دونوں جہاں روشن

کعب بن احبارؒ سے منقول ہے کہ اسم محمد عرش الٰہی کی پنڈلی میں مکتوب ہے، سات آسمانوں میں مکتوب ہے، جنت کے کمروں میں مکتوب ہے، حور کی آنکھوں میں مکتوب ہے، طوبیٰ کے اوراق پر مکتوب ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر مکتوب ہے، ملائیکہ کی آنکھوں میں مکتوب ہے اور اطراف الحجب میں مکتوب ہے (زرقانی، روض الانف، سیرت مصطفیٰ)

لفظ محمد لفظ اللہ کی طرح ہر حال میں بامعنی رہتا ہے:..... یہ عجیب بات ہے کہ اعلام اور اسماء میں سے اگر کسی حرف کو حذف کردیا جائے تو بقیہ کلمہ بے معنی ہو جاتا ہے جیسے ''ارنب'' میں سے ہمزہ کو نکالا جائے، رنب بے معنی ہے، لیکن لفظ اللہ کی طرح لفظ محمد ایسا نہیں ہے کہ جس حرف کو جدھر سے بھی حذف کردو تو بقیہ حصہ بامعنی رہتا ہے، جیسے لفظ اللہ کے شروع سے ہمزہ کو حذف کردیا جائے تو للہ بچ جائے گا۔ للہ بمعنی (ہر چیز) اللہ ہی کے لئے، اگر دوسرا حرف (لام اول) حذف کردیا جائے تو الہ (یعنی معبود حق) رہ جائے گا اور اگر ہمزہ بھی حذف کردیں تو ''لہ'' رہ جائے گا بمعنی (ہر چیز) اللہ ہی کے لئے، اور لام بھی حذف کردیں تو ''ہ'' رہ جائے گا بمعنی اللہ، بالکل یہی حال لفظ محمد کا ہے، میم ہٹا دیا جائے تو حمد (بمعنی تعریف) ح بھی ہٹا دیا جائے تو مد (بمعنی مدد کرنے والا) میم اول بھی حذف کیا جائے تو مد (بمعنی دراز اور بلند) اور اگر دوسرے میم کو بھی ہٹا دیا جائے تو ''د'' رہ جاتا ہے جو دال علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دا رند تو تنہا داری

بعض کا کہنا ہے کہ محمد کے ''میم اول'' سے مراد ماحی (شرک و باطل کو مٹانے والا) ''ح'' سے مراد احکام الٰہی، میم ثانی سے مراد مقام محمود (عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا) اور مغفرت ہے اور دال سے مراد دعوت الی اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ میم بمعنی مامون، ح سے مراد حبیب، میم ثانی سے مراد معلم ومربی اور دال سے مراد داعی کبیر ہے۔ غرض اسم محمد اسرار ورموز کا مجموعہ اور علوم ومعارف کا منبع ہے، وہ فخر آدمؑ، معرفت شیثؑ، شجاعت نوحؑ، دعائے خلیلؑ، زبان اسماعیلؑ، رضاء اسحاقؑ، حکمت لوطؑ، لحن داؤدؑ، فصاحت صالحؑ، صبر ایوبؑ، امید یعقوبؑ، حسن یوسفؑ، سطوت سلیمانؑ، جہاد یوشعؑ، محبت دانیالؑ، طاعت یونسؑ، وقار الیاسؑ، طہارت یحییٰؑ اور یقین عیسیٰؑ کا خلاصہ ہے۔

لم ار مثلہ فی الناس حسنا
ولیس لہ من الموتی عدیل

لفظ اللہ اور لفظ محمد مناسبت خصوصیات:..... یہ بھی کم عجیب نہیں کہ لفظ اللہ میں چار حروف ہیں، محمد میں بھی چار حروف، لفظ اللہ میں ایک تشدید، لفظ محمد میں بھی ایک تشدید، لفظ اللہ میں ایک سکون، لفظ محمد میں بھی ایک سکون اور لفظ اللہ نقطوں سے خالی ہے اس طرح لفظ محمد بھی نقطوں سے خالی ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا ہے کہ اللہ کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے عیب ہے۔

انسان کو لفظ محمد شکل میں بنایا گیا ہے:..... بعض حضرات کا کہنا ہے کہ رب کریم نے انسان کو نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں بنایا ہے، جیسے انسان کا سر میم محمد کی طرح گول، دونوں ہاتھ حمد محمد کی طرح، پیٹ میم ثانی کی طرح اور دونوں پیر دال محمد کی طرح ہیں، اس لئے کسی بھی کافر کو انسانی شکل میں حوالۂ جہنم نہیں کیا جائیگا بلکہ خنزیر کی شکل میں تبدیل کرکے جہنم میں ڈالا جائے گا، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بارے میں روایت منقول ہے۔ یہ سب کچھ اسم محمد کی برکت ہے۔ (البنیان المرصوص فی شرح المولد المنقوص للشیخ زین الدین المخدوم والشیخ عباس ابن محمد ص ۳۳)

محمد نام رکھنے کے فضائل وبرکات:..... حدیث میں محمد نام رکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری محبت اور میرے نام کی برکت کے پیش نظر اپنے بیٹے کا نام محمد رکھے گا تو وہ اور اس کا بچہ جنت میں ہوں گے، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس کے تین لڑکے ہو، ان میں سے ایک کا نام بھی محمد نہ ہو تو وہ ناواقف ہے، ایک اور روایت میں ہے، اس نے جفا کی، ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی، ماہرین فن کا کہنا ہے کہ جو شخص اپنا ہاتھ اپنی بیوی کے پیٹ (حاملہ پیٹ) پر رکھ کر یوں کہے کہ اگر یہ لڑکا ہو تو اس کا نام محمد رکھوں گا، تو وہ لڑکا پیدا ہوگا، ھکذا ذکر ابن الجوزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فی الموضوعات، اسی نام محمد کے صدقے بروز حشر امت محمد کا لقب ''حمادون'' ہوگا، امت محمدیہ کے جھنڈے کا نام ''لواء الحمد'' ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بروز قیامت جس جگہ بٹھادیا جائے گا اس کا نام ''مقام محمود'' ہوگا۔

علماء نے فرمایا کہ اگر چند حضرات مشورے کے لئے جمع ہوجائیں اور ان میں محمد نام کا کوئی شخص موجود ہو تو اس مشورے میں خیر و برکت ہوتی ہے اور پریشانی کافور ہوجاتی ہے، علماء نے فرمایا کہ حلال کھانے میں لوگ جمع ہوجائیں اور کھانا شروع کردیں اور کھانے والوں میں محمد نام کا آدمی موجود ہو تو وہ کھانا بڑھ جائے گا۔

امام بوصیریؒ نے سچ کہا:

فان لی ذمة منه بتسمیتی
محمد اوهو او فی الخلق بالذمم

بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ محمد میں پانچ حروف ہیں، ہر حروف تین حروف پر مشتمل ہے، مثلاً میم میں تین حروف اس طرح دیگر حروف، اس طرح پانچ حروف تین سے ضرب دینے کی صورت میں پندرہ حروف ہوں گے، اس کے بعد ہر حروف کو ابجد کے اعتبار سے نمبر نکالیں مثلاً میم کے لئے ۴۰، ح کے لئے ۸ اور د کے لئے ۴۔ اس طرح تمام حروف کے، تو کل نمبرات ۳۱۳ ہوں گے، یہ تین سو تیرہ عدد رسولوں کا ہے، بدر بین کا ہے اور طالوت کے لشکر کا ہے۔

فاق النبیین فی خلق و فی خلق
ولم یدانوا ہ فی علم ولا کرم
(فلیر جع للتفصیل الی، البنیان المرصوص)

☆.....☆.....☆

قیمتی اقوال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہؓ نے ایک پلیٹ میں شہد رکھ کر اس کے اوپر ایک بال رکھا اور پلیٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پلیٹ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ایمان اس پلیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے اور ایمان کا یکھنا شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور ایمان پر قائم رہنا اس بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ حکومت اس پلیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے، حکومت پر بیٹھ کر حکم چلانا شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور حکومت پر بیٹھ کر انصاف کرنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ دین اس پلیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے اور دین کو حاصل کرنا شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور دین پر قائم رہنا بال سے زیادہ باریک ہے، پھر حضرت عثمانؓ نے وہ پلیٹ حضرت علیؓ کو دی، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مہمان اس پلیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے اور مہمان نوازی کرنا شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے اور مہمان کو راضی رکھنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پلیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرنا شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت پر قائم رہنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ پھر حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ عورت کی حیا اس پلیٹ سے زیادہ خوبصورت ہے، عورت کا پردے میں رہنا شہد سے زیادہ میٹھ ہے، عورت کا پردے میں رہ کر نظروں کی حفاظت کرنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ کا راستہ اس پلیٹ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے کی تکلیف برداشت کرنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: جنت اس پلیٹ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے اور جنت کی نعمتیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں اور جنت کو حاصل کرنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔

(انتخاب:.....امامہ زینب، کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ)

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

قسط نمبر 35

پروفیسر خیال آفاقی

حیان، مسجد نبویؐ میں اپنی تعلیمی مصروفیات سے فارغ ہوکر، ابورافع کی طرف گیا اور وہاں سے خطاطی کا نیا سبق لے کر، بیت ام صاعقہ پر آیا ہے۔ اس نے جیسے ہی، دروازہ پیچھے دھکیل کر اندر قدم رکھا، یہاں کے ''اصل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکین" حسب عادت پھڑ پھڑا کر اُڑے اور اسامہ کچھ ہی لمحوں بعد دوڑتا ہوا حاضر ہو گیا۔ دادی صاحبہ نے اس کو علم سے جتنی رغبت دلائی ہے، اس سے کہیں زیادہ اسے اپنے استاد سے اُنیت ہو چلی ہے۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!!"

شاگرد اور استاد کے درمیان تحیہ کا تبادلہ ہوا، ایک دوسرے کی مزاج پُرسی کی اور پھر تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ حیان، اسامہ کی پڑھائی سے خاصا مطمئن نظر آتا ہے، اسے یہ دیکھ کر خوشی ہے کہ اس کا اکلوتا شاگرد، نہایت شوق اور دلچسپی کے ساتھ اپنا سبق یاد کرتا ہے اور لکھائی کی مشق میں بھی خاصا نکھار پیدا ہونے لگا ہے۔

تدریس کے اختتام پر، ایک بار پھر حیان نے اپنے شاگرد کو شاباشی دی اور رخصت ہوتے وقت دادی صاحبہ کی خدمت میں سلام کہلوایا، جواب میں اسامہ اپنے "نئے دوست" کو سلام کہلوانا نہ بھولا۔

O

"برادر زہیر کے بارے میں کچھ معلوم ہوا، کب تک واپس ہو رہے ہیں؟" زید نے دریافت کیا اور حیان نے بتایا۔

متولی صاحب فرما رہے تھے، انہیں کسی سرکاری ہر کارے سے معلوم ہوا ہے کہ ان کی اہلیہ صاحبہ کچھ علیل ہو گئی تھیں، اب ان شاءاللہ آئندہ جمعہ تک واپس آسکیں گے۔"

"اچھا کیا زہیر نے، علامت کے دوران سفر کرنا درست نہیں ہوتا۔" زید نے یونہی کہا، لیکن حیان کو یکا یک اپنے گزشتہ ایام یاد آ گئے، جب وہ اپنے علیل والد صاحب کے ہمراہ سفرِ حج کے لئے روانہ ہوا تھا۔

"کیا بات ہے برادر، تم کس خیال میں گم ہو گئے، ان شاءاللہ، کسی روز تم بھی اسی طرح اپنی شریک حیات کے ساتھ زیارت بیت اللہ کے لئے جاؤ گے؟" حیان، زید کی شوخی کو زیادہ محسوس نہیں کر سکا، اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ایسا لگتا ہے اخی محترم کہ جب تک برادر زہیر نہیں آجاتے، آپ اپنے تازہ کلام کی سماعت سے اس خاکسار کو محروم رکھیں گے؟"

"نہیں حیان، اصل وجہ دوسری ہے۔" زید کسی قدر سنجیدگی سے بولا۔ "ابا محترم نے گویا مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

"یعنی.....؟" حیان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور زید بتانے لگا۔

"کل امی حضور نے بتایا کہ فرما رہے تھے برخوردار سے کہو کبھی اپنی شاعری ہمیں بھی سنائے، دیکھیں تو سہی کیا کہتا ہے تمہارا بیٹا۔" یقین جانو، تب سے دم ہوا ہے، اس پر خود امی حضور مصر ہیں کہ مجھے والد صاحب کی خواہش کے احترام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔"

"مرحبا، یہ تو بہت اچھی بات ہے، اس میں کیا تردد ہے آپ کو.....؟"

"تردد یہ ہے میرے بھائی کہ پہلی بار ان کے سامنے سخن سرا ہونے کی جسارت کرنے چلا ہوں تو کلام کا انتخاب نہیں ہو پا رہا، ڈرتا ہوں مبادا کوئی ایسی بات منہ سے خطا ہو جائے جس سے انہیں کوفت ہو اور خیال فرمائیں کہ بیٹے کو کلام کا سلیقہ نہیں اور چلا ہے خود کو شاعر کہلانے، حالانکہ مجھے شعر گوئی کا کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے۔"

"خیر یہ آپ کی کسر نفسی ہے ورنہ شاعر تو آپ ہیں، البتہ یہ بجا ہے کہ استاد محترم کے سامنے لب کشائی میں احتیاط لازم ہے، ہزار بار سوچنا پڑتا ہے کوئی بات منہ سے نکالتے وقت؟"

"بس اسی وجہ سے نمونۂ کلام خصوصاً اپنا نیا قصیدہ جو ان کی سماعت کرنا چاہتا ہوں، مکرر تحریر کر رہا ہوں، بلکہ نظر ثانی کرتے وقت تم سے بھی معاونت چاہوں گا!"

"سبحان اللہ، یہ آپ نے کیا کہہ دیا، اس خاکسار کو تو باوجود کوشش کے مصرع موزوں کرنا نہیں آتا۔"

"بس جانے دو میرے پیارے بھائی، میں نے

تمہاری چوری پکڑ لی ہے، گزشتہ کئی روز قبل زرگر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، بتایا حیان ابھی ابھی اپنے تازہ شعر سنا کر گیا ہے۔" زید نے ثبوت پیش کیا اور وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"دراصل اخی معظم، اس روز بس یونہی ایک خیال ذہن میں آ گیا تھا، گنگناتا جا رہا تھا کہ خلاف توقع زرگر صاحب نے عقب سے آ کر چونکا دیا، نہیں معلوم کہاں سے آ رہے تھے وہ پھر بہ اصرار اپنی دکان پر لے گئے اور یوں بات سے بات نکلی تو الٹے سیدھے انداز میں ان کی سمع خراشی کرنی پڑی۔"

"بس تو آج ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہماری سماعت بھی شرمندۂ احسان ہو اپنے چھوٹے بھائی کے شاعرانہ خیالات سے۔"

حیان نے بہت طرح دینی چاہی لیکن زید کے اصرار نے آخر اسے مغلوب کر ہی لیا۔

"بس اخی محترم یونہی ابا صاحب مرحوم کی یاد کو موزوں کرنے کی کوشش کی ہے، پیش کر دیتا ہوں، لیکن براہ کرم میری اس چوری کا تذکرہ استاد محترم سے نہ کیجئے گا۔"

زید مسکرا دیا اور حیان سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

وہ ایک نخل تھا سر سبز اور سایہ دار
میں جس کی شاخ کو چھونا ہی چاہتا تھا مگر
اک ایسی صرصر نادیدہ آئی جس نے اسے
مری نگاہ، مری دسترس سے دور کیا
نہ وہ شجر ہی رہا اور نہ وہ رہا سایہ
کہ جس میں رہتا تھا ایسے کہ جیسے جنت میں
مگر اب ایسا لگا جیسے دشت تنہائی
جلائے گا مجھے اک عمر، جو بھی عمر ہوئی
یونہی رہوں گا میں بے سائبان آخر تک
ملے گا اب نہ کوئی پیار، جیسا ہوتا ہے
ملے گی اب نہ محبت کہ جیسی ہوتی ہے
ابھی چلا ہی تھا یہ سوچ کر کہ رستے میں
مرے خدا نے مجھے پیار سے نواز دیا
بجھا دیا مری تنہائی کا بھڑکتا الاؤ
کھلا دیئے مری عمر عزیز میں وہ گلاب
کہ جن کو باپ کہوں ماں کہوں کہ بھائی کہوں
کہ جن میں رہ کے کبھی یاد آتا ہے مجھے کوئی
اور آنکھ نم اگر ہوتی ہیں تو مرے محسن
خود اپنی چادر الفت میں جذب کر کے مجھے،
سکون بخشتے ہیں، مجھ کو قرار دیتے ہیں۔۔۔"

وہ گلوگیر سا ہو گیا، لگتا ہے آنکھیں آنسوؤں سے بھر جائیں گی کہ یکا یک ادارہ کے کارکن نے آ کر ماحول کو بدل دیا، اس نے اطلاع دی کہ دستر خوان بچھا دیا گیا ہے۔

"حیان، ماشاءاللہ، تمہیں اللہ تعالیٰ نے خوب خوب نوازا ہے۔" زید پر اس وقت دو طرح کے تاثرات غالب ہیں، ایک اس بات کا کہ حیان کے اندر مستقبل کا ایک اچھا شاعر پوشیدہ ہے، دوسری یہ کہ اس نے اپنے والد مرحوم سے اپنی محبت کا اظہار نہایت ہی متاثر کن انداز میں کیا ہے۔

حیان، اسامہ کو تعلیم دینے کے بعد، سیدھا، یہاں زید کے پاس چلا آیا ہے، دونوں دوست، ظہرانے سے فارغ ہو کر، نماز ظہر ادا کرنے مسجد غمامہ گئے۔ پھر واپسی پر کچھ دیر اور یہاں بیٹھے، مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ اور اب، مسجد نبویؐ کے لئے روانہ ہو گئے ہیں تاکہ عصر کی نماز میں شامل ہو سکیں۔

O

نماز عصر کے بعد، حسب دستور، قاری معمر اسعدی کی مجلس قرأت منعقد ہو رہی ہے، حفظ و قرأت کے دیگر طلباء کے ساتھ اب حیان نے اپنی مشق دہرائی ہے تو لگتا ہے اس کے انداز قرأت نے ماحول کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ حتیٰ کہ خود قاری اسعدی پر ایک طرح کی رقت طاری ہونے لگی ہے۔ ان کی بینائی سے محروم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی ہیں۔ واقعی، بلاشبہ حیان پر، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے سب ہی استادوں کی شاباشی اور دعائیں وصول کرتا رہتا ہے۔ اور اب، حسب معمول استاد عبدالرحمٰن کے سامنے ان کے حجرے میں سیرت النبیؐ کی مجلس میں بیٹھا ہے تو استاد صاحب بغیر کسی تمہید کے اس کی تحسین کرنے لگے ہیں۔

''حیان! تم جس پابندی اور ذوق وشوق کے ساتھ، ماشاءاللہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کرتے ہو اور بیان کے دوران واقعات کی جزئیات تک کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے ہو، یہ بجائے خود لائق تحسین ہے۔''

''شکریہ استاد محترم! یہ سب آپ کی خصوصی توجہ کا ثمرہ اور والد مرحوم کی دعاؤں اور تمناؤں کا نتیجہ ہے اور سب سے زیادہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کرم اور سیدنا رسول کریمؐ کا فیض ہے، ورنہ ہرگز ہرگز میں خود کو اس قابل نہیں گردانتا کہ مجھ سے کچھ ایسا ہوسکتا ہے جس کی داد اور تعریف سے آپ مجھے نواز رہے ہیں۔''

''مرحبا! واقعی تم بہت سعادت مند ہو حیان! یہی وجہ ہے کہ تمہارے سامنے سیرت رسولؐ کا بیان کرتے ہوئے میں اپنی دلی مسرت اور روحانی آسودگی اور راحت میں کئی چند اضافہ محسوس کرتا ہوں۔''

''جزکم اللہ خیرا!'' حیان نے سرخیدہ ہو کر اظہار تشکر کیا، استاد عبدالرحمٰن کے انداز سے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آنا چاہتے ہیں، اسی لئے حیان بھی اب ان کی طرف منتظر نظروں سے دیکھنے لگا ہے۔

''کل ہم حدیبیہ کے مقام پر موجود تھے، جہاں مشرکین قریش اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین وہ صلح نامہ لکھا گیا جس کو قریش نے اپنی فتح اور حضورؐ کے ہمراہیوں میں سے کئی مسلمانوں نے اس کو اپنی شکست خیال کیا ہے، وہ اس صلح نامہ کو اپنی سرفروشی اور مجاہدانہ جذبات کے خلاف سمجھ رہے ہیں، اسی وجہ سے ان کے دل شکستہ اور جذبات مجروح ہیں اور غم واندوہ ان کے چہروں سے عیاں ہے۔''

''استاد محترم! خود میں بھی رات کافی دیر تک کروٹیں بدلتا رہا، خصوصاً حضرت ابوجندلؓ کی بے چارگی کا منظر یاد کر کے تو دل پھٹنے لگتا ہے، اللہ اللہ کیا عالم ہوگا اس وقت۔'' حیان کی آواز بیٹھ گئی۔

''تم نے درست کہا۔'' استاد صاحب کہنے لگے۔'' اسی بات کو دیکھ کر تو حضرت عمرؓ جیسے فدائے رسول بھی جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور دوسرے کچھ حضرات بھی ایسے ہی جذبات سے مغلوب ہوگئے اور ایک لمحے کے لئے ان کا ذہن اس بات کو فراموش کر بیٹھا کہ اس روئے زمین پر نبی سے زیادہ مدبر اور فیصل کوئی نہیں ہوتا۔''

''بلاشبہ استاد محترم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کون یہ جان سکتا ہے کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے، یقیناً آپ کے فیصلے سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔''

''ظاہر ہے بیٹا! کسی کا یہ سوچنا کہ صلح حدیبیہ کسی دباؤ یا کمزوری کے سبب کی گئی، قطعی غلط اور غیر حقیقی ہے، اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ تصور بھی حقیقت کے خلاف اور کمزور فی ایمان کی دلیل ہے کہ آپ کسی دباؤ پر یا ڈر کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اللہ کے کسی سے ڈرنے اور دبنے والے نہیں، بلکہ آپ کی بہادری اور شجاعت کا اعتراف اور برملا اظہار کئے بغیر تو خود قریش کے بڑے بڑے بہادر اور جاں باز بھی نہ رہ سکے۔ کیا کوئی اس منظر کو بھول سکتا ہے کہ قریش کا ایک غصے میں بھرا ہوا گروہ، حضور نبی علیہ السلام کو حرم شریف میں گھیر لیتا ہے، اور آپ سے کہتا ہے: ''تم وہ ہو جو یہ کہتے ہو اور تم وہ ہو جو یہ کہتے ہو!'' تو قربان جائیے آپ کی پامردی کے، آپؐ بلا خوف و تردد ان کی ساری باتوں کا اثبات میں جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں، اور ہاں

میں یہ بھی کہتا ہوں۔''

''اللہ اکبر!'' حیان تکبیر کہے بغیر نہ رہ سکا۔

''اور کیا غار ثور کے اس منظر کو فراموش کیا جاسکتا ہے کہ قریش کا لالچی گروہ جو حق دشمنی اور آپ کی گرفتاری کا انعام پانے کے لالچ میں غار کے عین منہ تک پہنچ جاتا ہے، لیکن آپؐ اس وقت بھی نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ کے آگے سربسجود رہتے ہیں، اور جب آپ کے رفیق سفر حضرت صدیقؓ آپ کی توجہ، دشمن کی طرف دلاتے ہیں تو آپ کو ذرہ برابر بھی پریشانی خاطر نہیں ہوتی، نہایت اطمینان سے فرماتے ہیں۔'' اے ابوبکر! لاتحزن ان اللہ معنا، کوئی فکر و تردد کی بات نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' بلکہ اس سے بھی پہلے کا منظر تو اور بھی زیادہ پُرتشویش اور حیرت ناک ہے، کہ مکہ کے بہادر ترین جاں بازوں نے آپؐ کے خانۂ اقدس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، برہنہ تلواریں لئے منتظر ہیں کہ آپؐ جیسے ہی باہر آتے ہیں، ایک ساتھ حملہ کر کے آپ کی شمع حیات بجھا دیں گے، لیکن آپؐ ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، جو نظام العمل آپ نے وضع کر رکھا ہے، ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لئے، بلا خوف وخطر، نہایت اطمینان قلب کے ساتھ، کلام ربانی کا ورد فرماتے ہوئے، اپنے خون کے پیاسوں کے درمیان سے گزرے چلے جاتے ہیں۔ آپ کی بے خوفی کا عالم یہ ہے کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کہ مبادا دشمن نے آپ کو دیکھ لیا ہو اور عقب سے آکر آپ پر حملہ کر دے، پھر ایسا شجاع اور بہادر انسان کہ تب وہ اکیلا تھا، نہ گھبرایا، تو جبکہ جاں نثاروں، سرفروشوں کی پوری ایک جماعت اس کے ساتھ ہے، تو کیونکر کسی ڈر اور دباؤ میں آکر دشمن سے معاہدہ کر سکتا ہے؟''.....

کہتے وقت استاد عبدالرحمٰن کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے جذبات نے سرخی سی پھیلا دی، پھر وہ اپنی آواز کو پہلے کی طرح اعتدال میں لاتے ہوئے بولے۔''

تاہم آپ کے چودہ سو اہل ایمان ساتھیوں میں یقیناً کچھ ایسے افراد بھی شامل ہیں جو ابھی غالباً آپ کی ذات کے اس پہلو سے کما حقہ، واقف نہیں ہو سکے ہیں، لہٰذا انہیں یہ معاہدہ، بظاہر کسی کمزوری پر محمول محسوس ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اس غیر متوقع صلح نامہ پر ششدر اور گم سم ہو کر رہ گئے ہیں، تو آؤ پھر حدیبیہ کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا منظر ہے۔'' استاد صاحب نے کہا اور اپنی مخصوص عادت کے مطابق دیوار سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں اور کہنے لگے۔

''قریش کا سفیر اعلیٰ اپنے دیگر دونوں ارکان کے ساتھ بیٹے ابوجندلؓ اور معاہدہ کا نوشتہ لئے قریش کی طرف لوٹ چکا ہے، اور مسلمان شکست خوردہ اور رنج والم کی تصویر بنے بیٹھے ہیں کہ رسول اللہ، ہدی کے جانوروں کو قربان کرنے، حلق کرانے اور احرام اتارنے کا اعلان فرماتے ہیں، لیکن حدیبیہ پر موجود مسلمان جیسے سماعت کھو چکے ہیں، ان پر اعلان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ایسا لگتا ہے جیسے وہ خود کو اس اعلان کی تعمیل سے قاصر نظر آتے ہیں، دراصل غم کا ایک پہاڑ ہے جو ان پر آن پڑا ہے، اور وہ اس کے بوجھ تلے اس طرح دبے ہوئے ہیں کہ اس سے نکلنے کی ان کے اندر سکت ہی ختم ہو چکی ہے، اگر دماغ میں کوئی سوچ باقی ہے تو یہ کہ یہ امور تو انہیں زیارت کعبہ کے بعد انجام دینے تھے، آخر کس دل سے وہ زیارت وطواف کعبہ کے بغیر جانور ذبح کریں، بال منڈوائیں اور احرام اتاریں!؟ نبی کریم علیہ السلام، مکرر اور پھر تیسری بار اعلان فرماتے ہیں، تب بھی ان میں کوئی تحریک عمل پیدا نہیں ہوتی، وہ سمجھ ہی نہیں پا رہے کہ عمرہ کئے بغیر قربانی اور حلق کا کیا مطلب ہے؟ تاہم اس عدم تعمیل کو حضور نبی کریمؐ شدت سے محسوس فرماتے ہیں اور مزید کچھ ارشاد کئے واپس اپنے خیمے کے اندر تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ کی شریک حیات ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جو اس وقت آپ کے شریک سفر ہیں، آپ کے چہرۂ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مبارک پر تغیر محسوس کر کے عرض کرتی ہیں۔ ”یارسول اللہ، کوئی بات ناگوار خاطر گزری ہے؟“ آپ انہیں فرماتے ہیں کہ یہ بات ہے، ام المومنین عرض گزار ہوتی ہیں۔ ”یقیناً اپنی دیرینہ آرزو کی عدم تکمیل پر دل شکستہ ہیں، رفتہ رفتہ سنبھل جائیں گے، آپ کسی سے کچھ نہ کہئے، خود پہل فرمائیے، اپنا جانور نحر کیجئے اور حلق کروا دیجئے!“ آپ نے اس مشورے کو پسند فرمایا، باہر تشریف لائے، جانور ذبح کیا اور حضرت خراش کو حلق کرنے کے لئے فرمایا۔ یہ دیکھ کر تمام مسلمانوں کی جیسے آنکھیں کھل گئیں، یقین آ گیا کہ فیصلہ اٹل ہے، اب ردوبدل اور تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ لہٰذا فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے اپنے جانور ذبح کرنے لگے۔ تاہم شدت غم اب بھی ان پر اس قدر غالب ہے کہ سر مونڈتے ہوئے ہاتھ کام نہیں کر رہے اور کئی افراد اپنے سر زخمی کر بیٹھے ہیں۔“ استاد عبدالرحمٰن، یکا یک خاموش ہو گئے۔ کئی لمحوں کے بعد آنکھیں کھول کر حیان کی طرف دیکھا۔

”حیان! تم ضرور یہ بات سوچ رہے ہو گے کہ مسلمانوں نے حضور نبی کریمؐ کے اعلان پر فوراً لبیک نہیں کہا تو کیا یہ نافرمانی اور حکم عدولی کے زمرے میں نہیں آتا؟“ اس سے قبل کہ حیان کچھ کہتا، وہ خود ہی کہنے لگے۔ ”نہیں، بلکہ بعض مواقع پر، تعمیل ارشاد میں کسی طرح کا تساہل نافرمانی کے زمرے میں نہیں آتا، دراصل اس پورے واقعے کا اگر بشری تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ لوگ جنہوں نے اپنے جس آبائی شہر میں آنکھیں کھولی ہیں، اس سے جدا ہوئے سالوں بیت چکے ہیں، بہت سوں کے بیوی بچے اور خاندان کے دیگر افراد ابھی تک مکہ میں ہی ہیں، اس سے بھی زیادہ جو روحانی وابستگی ان سب کی کعبۃ اللہ سے ہے، وہ محتاج بیان نہیں، زیارت اور طواف کعبہ کئے انہیں عرصہ ہو چکا ہے اور اب ایک مدت کے بعد، نبی کریمؐ سے مکہ میں داخل ہونے اور طواف بیت اللہ کا مژدہ سنا تو خوشی سے بے قابو ہو گئے، نہایت امنگ اور سرشاری کے عالم میں، گھروں سے نکل کر اپنی اس آرزو کو پورا کرنے یہاں تک آئے، لیکن لب بام پہنچ کر انہیں روک دیا گیا تو اس اچانک صدمہ سے ان کے دل و دماغ نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا اور کچھ سمجھ ہی نہیں پائے کہ یہ کیا ہوا؟ لیکن جیسے جیسے ہوش و حواس بحال ہوئے تو اس بات نے انہیں چونکا دیا کہ کہیں رسول اللہ کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہو جائیں تو فوراً سنبھل گئے اور آپؐ کے ارشاد کے عین مطابق قربانی بھی کی، حلق بھی کرایا اور اب حضور نبی کریمؐ کے ساتھ دعا میں شریک ہیں جو بارگاہ ایزدی میں ہاتھ کو پھیلائے عرض گزار ہیں کہ ”اے اللہ مخلقین پر رحم فرما!

”یارسول اللہ، بال کتروانے والوں کے حق میں بھی دعا فرمائیے!“ ان حضرات نے عرض کی جنہوں نے حلق کرانے کی بجائے صرف بال ترشوائے ہیں لیکن آپؐ نے پھر مخلقین کے حق میں ہی دعا فرمائی تو غیر مخلقین نے پھر درخواست کی، اس بار بھی اپنی دعا کو صرف مخلقین تک ہی محدود رکھا، بلکہ تیسری بار بھی، لیکن چوتھی بار پھر انہوں نے اپنے حق میں دعا کے لئے عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ ”یا اللہ بال کتروانے والوں پر بھی اپنا رحم فرما!“

”استاد محترم! اس فرق اور امتیاز کی کیا وجہ تھی؟“ حیان نے دریافت کیا اور استاد صاحب اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے بتانے لگے۔

”بیٹا، یہی سوال جب کچھ صحابہ نے آپ سے کیا کہ یارسول اللہ آپ نے مخلقین کے لئے تین بار اور غیر مخلقین کے حق میں صرف ایک بار دعا فرمائی تو اس میں کیا بات مضمر ہے؟“ فرمایا، حلق کرانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی تردد، مناسک عمرہ کی تکمیل کی اور بال کتروانے والے وہ ہیں جنہیں آخر تک شک اور تردد درپیش رہا، اس اعتبار سے دعا کے زیادہ مستحق وہی حلق

کرانے والے ہیں۔“

”سبحان اللہ! استاد محترم واقعی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات خوب ہے۔“

”ہاں بیٹا، آپ کا کوئی بھی عمل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔“

”بے شک..... بے شک..... بے شک!“ حیان مضبوط لہجے میں کہتا چلا گیا اور استاد صاحب خاموش ہو کر جیسے سوچنے لگے، پھر چند لمحوں کے بعد بولے۔

”اب دیکھو آپؐ کے اس فیصلے، یعنی صلح حدیبیہ پر آپ کی رضا مندی کی توثیق خود اللہ تعالیٰ کس طرح فرماتے ہیں۔“

حیان غور سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”مناسک عمرہ ادا کرنے کے بعد، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، یہاں تین روز مزید مقیم رہے، چوتھے روز آپؐ نے مدینہ کے لئے مراجعت فرمائی، اور جب آپ صہبان کے مقام پر پہنچے تو جبرئیل آمین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سورہ فتح پیش کی، جس کی شروع آیات تمہاری نظر سے ضرور گزری ہوں گی، فرمایا گیا۔

”انا فتحنالک فتحامبینا“ ”یقیناً ہم نے آپ کو فتح دی وہ بھی شاندار فتح عطا فرمائی ہے۔ تاکہ آپ کے سبب آپ کے اگلے اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تم کو سیدھے راستے پر چلائے، اور اللہ تمہاری ہر ممکن اور بہتر سے بہتر مدد کرے“ اور جہاں تک ان مسلمانوں کی سعادت کا تعلق ہے تو بیعت رضوان کے موقع پر جس جاں نثاری کا اس گروہ نے مظاہرہ کیا، اللہ نے ان کے اس فعل کو اس پسندیدگی سے دیکھا کہ جو کچھ ان کے متعلق فرمایا، اس پر جتنا بھی فخر و ناز کریں کم ہے، فرمایا، ”بے شک راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ مومنین سے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے دست حق پرست پر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بیعت کر رہے تھے۔ سبحان اللہ، کیا کہنا ان حضرات کا جن سے اللہ راضی ہونے کا اعلان فرما رہا ہے۔“

”ہاں اور اب فتح مبین کا مژدہ سنا کر ان کا وہ حزن و ملال دور فرما دیا جو اس وجہ سے محسوس کر رہے ہیں کہ مشرکین قریش نے انہیں شکست خوردہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس سورہ مبارکہ کی نزول شب کی صبح کو حضور کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو طلب فرما کر یہ بشارت سنائی، فرمایا، رات مجھ پر ایک ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ پھر آپ نے سورہ فتح تلاوت فرمائی، بلکہ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور ان کے درمیان تشریف فرما ہو کر اس سورہ مبارک کو دہرایا۔ سامعین پر حیرت طاری ہے، دل ہی دل میں کہتے ہیں، ”یا اللہ! یہ کیسی فتح ہے، ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آتی، بعض کے تو لبوں تک یہ بات آ گئی ہے، یہاں تک کہ ایک شخص سے نہ رہا گیا اور مدینہ پہنچ کر بول اٹھا، یہ کیسی فتح ہے کہ ہم بیت اللہ جانے سے روک دیئے گئے، مظلوم بھائیوں کو ظالموں سے نہ بچا سکے۔“ جب یہ بات حضورؐ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا، بہت غلط بات کہی گئی ہے، حقیقت یہ عظیم فتح ہے، تم مشرکین کے عین گھر تک پہنچ گئے تھے، انہوں نے آئندہ سال کی درخواست پر تمہیں واپس جانے پر راضی کیا، خود جنگ بند کرنے اور صلح کرنے کی خواہش کی، ان کے دلوں میں جیسا بغض ہے تم اس سے بخوبی واقف ہو، اللہ نے تم کو ان پر غلبہ عطا کر دیا۔ کیا وہ دن بھول گئے جب احد میں تم بھاگے جا رہے تھے؟ احزاب میں دشمن تم پر چڑھ آیا تھا، اور تمہارا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔“

”اللہ اکبر، استاد محترم، کیا دلائل ہیں میرے نبی علیہ السلام کے!“ حیان کا بس نہیں، وہ رسول اللہ کی ایک ایک بات پر سو سو بار قربان ہونے کو کرتا ہے۔

”حدیبیہ میں قیام اور صلح نامہ کے حوالے سے میں ایک اور نکتے کی طرف تمہاری توجہ دلاتا ہوں۔ استاد صاحب بھی اپنے شاگرد کے ذوق و شوق کی پرورش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے میں نہایت مستعد ہیں۔''

''جی استادِ محترم ارشاد!'' حیان سراپا انہماک بن گیا۔ استاد صاحب کہنے لگے۔

''دیکھو! نبی کریمؐ کے خلفا جو خلفائے راشدین کہلاتے ہیں، یعنی ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اپنی اپنی شانِ خصوصیت، نہایت واضح ہو کر سامنے آتی ہے، یعنی سب سے اول تو مزاج شناسِ رسول، حضرت صدیق کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر و فیصلے پر صدق دل سے سرِ تسلیم خم کرنا، حضرت عمرؓ کی جرأت اظہارِ حق گوئی، حضرت عثمانؓ کی نگاہ رسولؐ میں قدر و منزلت اور حضرت علیؓ کا حضور نبی کریمؐ کے لئے انتہائی ادب کا جذبۂ اظہار، اس کے ساتھ ہی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی شخصیت کا بھی یہ پہلو لائقِ تحسین ہے کہ آپ کس قدر معاملہ فہم اور اصابت رائے کی حامل تھیں۔ تو تم نے دیکھا کہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکین سمجھ رہے ہیں، وہ فائدے میں رہے، جیت ان کی ہوئی ہے، اور مسلمان اسے اپنی شکست خیال کر رہے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی تائید فرما رہا ہے، بلکہ اسے آپ کی کھلی فتح قرار دے رہا ہے، تو ایسا کیوں ہے، اس کو کیوں فتح کہا گیا ہے، تو اس پر ہم گزشتہ نشست میں کچھ روشنی ڈال چکے ہیں کہ سب سے بڑی فتح تو یہی ہے کہ قریش نے مسلمانوں سے معاہدہ کر کے، ان کی ایک آزاد حیثیت اور مدینہ کی خود مختار ریاست کو تسلیم کر لیا ہے، اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ نبی علیہ السلام کی دلی خواہش اور کوشش تھی کہ اس موقع پر کوئی مسلح تصادم نہ ہونے پائے، جبکہ قریش خون خرابے پر تلے ہوئے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دونوں کا ہاتھ روکے رکھا اور جنگ کی نوبت نہ آسکی، نیز اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں کی فتح مبین قرار دیا تو اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس معاہدے کے بعد مسلمان اور اہل مکہ کے درمیان حالات جنگ ختم ہو گئی اور وہ مسلمان جو آپ کے ہمرکاب تھے، بے خطر مکہ جانے آنے لگے اِدھر سے بھی آنا جانا شروع ہوا اور یوں بہت سے کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا اور دوریوں نے جو بدگمانیاں پیدا کر رکھی تھیں، وہ رفع ہونے لگیں مخالفین نے اسلام اور مسلمانوں پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا اور شاید ہی کوئی صاحب عقل و شعور ایسا ہو جو مسلمانوں سے ان کے دین کے بارے میں باتیں سن کر اسلام کی جانب رغبت نہ کرتا اور اسلام قبول نہ کر لیتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اولین خواہش ہی یہ تھی کہ لوگ آپ کی دعوت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں، قرآن کے پیغام کو سمجھیں اور اس بات کا یقین کریں کہ اسلام کسی کا دشمن نہیں بلکہ تمام انسانیت کی فلاح چاہتا ہے، اس کی بنیاد میں ہی جنگ سے نفرت اور دین سے محبت رکھی گئی ہے، مختصر یہ کہ آنے والے دو سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جو اس سے قبل برسوں پہلے کی دعوت میں اسلام نہیں لائے تھے۔ ان کی تعداد کس قدر تھی، ہم آنے والے اہم ترین واقعہ فتح مکہ کے موقع پر بتائیں گے۔ تاہم، حضور علیہ السلام مدینہ واپس تشریف لائے تو منافقین جی کھول کر مسلمانوں کو قائل کرنے اور طعنے دینے لگے کہ ہم نہ کہتے تھے اس طرح مکہ جانا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اسی وجہ سے ہم نے ساتھ جانے سے انکار کیا تھا، کیا حاصل ہوا، ذلت آمیز صلح نامہ لکھنا پڑا، چلو خیر جان بچی یہی بہت ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ یہ مسلمانوں پر ہنس رہے ہیں لیکن وقت ان پر خندہ زن ہے۔ ان عاقبت نااندیشوں کو کیا پتا کہ مستقبل مسلمانوں کا ہے اور ان دغاباز اور دوغلوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے، انہیں عنقریب پتا چل جائے گا کہ ذلیل و خوار کون ہوتا ہے، رسوائی اور ناکامی کس کا مقدر ہے۔''

استاد عبدالرحمٰن پُرجوش انداز میں بولنے کے بعد خاموش ہو گئے اور اپنی پیشانی کو اس طرح دبانے لگے، گویا کسی

خاص بات پر غور کرنے لگے ہوں۔

''حیان! ابھی ہم صلح حدیبیہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کچھ واقعات کی بات کریں گے، اس سے قبل تمہیں اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے ہوئے آپ کو چھ سال مکمل ہو رہے ہیں اور اس عرصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک بہت بڑی خواہش پوری ہوئی ہے کہ قریش کی طرف سے آپ کو اطمینان مل گیا ہے، تو اب آپ مکمل یک سوئی کے ساتھ کارِ نبوت کو وسعت دینے کا ارادہ فرمانا چاہتے ہیں، خصوصاً ان علاقوں کے استحکام پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس فرما رہے ہیں، جہاں اسلام کی شعاعیں پہنچ چکی ہیں، نیز اس سے بھی بڑھ کر آپ کے عزائم میں اسلام کی عالمگیریت کا اظہار شامل ہے، چنانچہ آپ خطۂ عرب اور اس سے باہر کی ریاستوں اور سلطنتوں کو خطوط لکھواتے ہیں، جن میں انہیں اسلام کی باقاعدہ دعوت دی جاتی ہے، لیکن اس سے قبل میں ان دو تین واقعات کا ذکر کر دوں جو صلح حدیبیہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، مثلاً، مکہ میں مقیم ان مسلمانوں میں سے جنہیں مشرکین نے اپنی حراست میں رکھا ہوا ہے اور وہ مجبور و محبوس روز و شب گزار رہے ہیں، جبکہ مدینہ کی ریاست کے پاس ابھی اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ بزور بازو اپنے ان دینی برادران کو مشرکین مکہ کے جبر و استبداد سے آزاد کرا سکے، اور اب تو صلح نامہ کے اندر یہ شق بھی شامل کر لی گئی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی فرار ہو کر، مدینہ یا کسی اور جگہ مسلمانوں کے پاس پہنچ جائے تو اسے پناہ نہیں دی جائے گی اور واپس کرنا ہوگا، جیسا کہ تم نے دیکھا ابوجندلؓ کے ساتھ ہوا، چنانچہ اس صورت حال میں ایک دن یکایک مکہ میں اسیر دو مسلمان، ابوبصیرؓ اور منبہؓ بن اسید فرار ہو کر مدینہ پہنچ گئے، ادھر کفار مکہ حرکت میں آ گئے، فوراً خط لکھ کر قاصد کو مدینہ کی طرف روانہ کرتے ہیں، جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ معاہدے کی رُو سے مدینہ پہنچنے والے مفروروں کو واپس کیا جائے۔ نبی کریمؐ نے ابوبصیرؓ کو طلب کر کے فرمایا، ''ہمارے اور قریش کے مابین معاہدہ ہے، جس کی رو سے ہم یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ وعدہ خلافی ہماری طرف ہو، تمہیں واپس جانا ہوگا، اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے دوسرے رفیقوں کو جو مکہ میں محبوس ہیں، آزادی سے ہمکنار فرمائے۔'' ابوبصیرؓ درخواست کرتے ہیں۔ ''یا رسول اللہ! مجھے کافروں میں نہ بھیجئے!'' لیکن یہ کس طرح ممکن ہے کہ رسول اللہ عہد و پیمان کی پابندی نہ فرمائیں۔ آپ کو ایک طرف عہد کی پاسداری کا خیال ہے، دوسری طرف ایک مظلوم کی دلجوئی بھی مقصود ہے، ابوبصیرؓ کی فریاد پر انہیں تسلی دیتے ہوئے یقین دلاتے ہیں۔ ''اے ابوبصیر اطمینان رکھو، اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی بھی رہائی کے اسباب پیدا فرمائے گا۔'' ابوبصیر فرمانِ رسول کی تعمیل میں سر جھکا دیتے ہیں۔''

حیان بے قرار سا نظر آنے لگا ہے، لیکن خاموش ہے، استاد عبدالرحمٰن بیان جاری رکھتے ہیں۔ ''چنانچہ وہ، رسول اللہ اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں سے جدا ہو کر، ان دو افراد کے ساتھ روانہ ہو جاتے ہیں جو مکہ سے انہیں لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔'' استاد صاحب ایک لمحے کے لئے رکے، حیان کی طرف دیکھا، لیکن اس سے کچھ بولے بغیر کہتے ہیں۔ ''اب تم دیکھو قدرت کیا معجزہ دکھاتی ہے، جب یہ مختصر سا قافلہ، مدینہ سے باہر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا تو ستانے بیٹھ گئے۔ یکایک ابوبصیرؓ نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔ ''یہ تمہاری تلوار کیسی ہے؟'' یہ سنتے ہی وہ شخص اپنی تلوار کی تعریف میں گویا قصیدہ پڑھنے لگا، ایسی ہے، ایسی ہے، یہ خوبی ہے، وہ خوبی ہے۔''

تو کیا ان خوبیوں والی تلوار کو تم مجھے نہیں دکھا سکتے؟''

''کیوں نہیں؟'' اس نے خوش ہو کر اور اس توقع پر کہ اس کی تلوار کا مداح مزید اس کی تعریف کرے گا، تلوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابوبصیرؓ کی طرف بڑھادی، ابوبصیر تلوار ہاتھ میں لے کر ایک نظر اس کا پسندیدہ نظروں سے جائزہ لیتے ہیں اور پھر تلوار کو نیام سے کھینچ کر، نہایت برق رفتاری سے اپنے بالمقابل بیٹھے شخص کے سر پر دے مارتے ہیں، دوسرے شخص نے جو غلام تھا، اپنے ساتھی کو دیکھا کہ اسی کی تلوار اور اسی کا سر کردیا گیا ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا اور سیدھا مدینہ پہنچ کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کردیا۔ اس عرصہ میں ابوبصیرؓ بھی پہنچ جاتے ہیں، عرض کرتے ہیں۔ ''یارسول اللہ آپ نے اپنا عہد پورا فرمادیا ہے، اور جو کچھ یہ بتارہا ہے، یہ میرا ذاتی فعل ہے، میں دوبارہ کافروں کے پاس نہیں جانا چاہتا، لہٰذا مجھے اپنے دفاع میں یہ سب کچھ کرنا پڑا۔'' یہ سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابوبصیر کی ماں پر افسوس کہ اس کا بیٹا بہادر اور جنگجو تو ہے لیکن جنگ کو ہوا دینے والا بھی ہے'' پھر خود ابوبصیر کو مخاطب کیا۔ ''اگر تیرے ساتھ کچھ اور لوگ ہوتے تو فریقین ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوجاتے، فریقین سے آپ کی مراد مسلمان اور قریش تھے۔ ابوبصیر نے اس ارشاد کو یہ معنی دیئے کہ رسول اللہ کا منشا یہ ہے کہ معاہدے کی رو سے آپ انہیں مدینہ میں تو پناہ نہیں دے سکتے، البتہ مکہ واپس نہ جانے کا عندیہ بھی پوشیدہ ہے، چنانچہ انہوں نے خاموشی سے مدینہ چھوڑ دیا اور مکہ جانے کی بجائے ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور عیص کے مقام کو اپنا ٹھکانا بنالیا۔ اسی دوران یہ ہوا کہ رئیس مکہ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی جو ایمان لاچکی ہیں، ام کلثومؓ ہجرت کرکے مدینہ آگئیں، انہیں واپس لینے کے لئے ان کے بھائی عمارہ اور ولید مدینہ پہنچے اور نبی کریمؐ کی خدمت میں آکر درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کی بہن کو واپس مکہ جانے کی اجازت دیجئے۔'' لیکن حضور نبی کریمؐ ان کے مطالبے کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کی توجہ معاہدے کے مضمون کی طرف دلاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''معاہدہ مردوں سے متعلق ہے، خواتین اس سے مستثنا ہیں۔'' چنانچہ ام کلثومؓ کے یہ برادران ناکام وا... لوٹ جاتے ہیں اور اسی اثنا میں سورۃ الممتحنہ کی دس آیا... کا نزول ہوتا ہے، جس میں حضور نبی علیہ السلام کے ا... اقدام کو درست قرار دے دیا گیا، فرمایا گیا۔ ''مومنو! ج... مومن عورتیں ہجرت کرکے تمہارے پاس آئیں تو تم ا... کی جانچ پرکھ کرلو، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جا... ہی ہے، چنانچہ اگر تمہیں ان کے بارے میں معل... ہوجائے، یعنی تحقیق کرنے پر ان کے ایمان کی تصد... ہوجائے تو انہیں نہ کفار کے پاس واپس نہ کرو، اس ... کہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ ہی وہ ... کافر مومنات کے لئے حلال ہیں۔'' چنانچہ اس حکم ... بعد جن حضرات کی ازدواج مکہ میں رہ گئی ہیں اور اب تک اسلام نہیں لائی ہیں، ان کو صحابہ نے طلاق دے دی۔

''سبحان اللہ!'' حیان کے منہ سے بے ساختہ نکا... لیکن کسی قدر اضطراب کے سے انداز میں استاد صاحب... کی طرف دیکھا اور استاد صاحب گویا اس کی بے قراری سمجھ گئے اور بولے۔

''خواتین کا مسئلہ تو اس طرح حل فرمادیا گیا، لیکن مرد حضرات کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری سبیل پ... فرمائی، اور وہ اس طرح کہ'' استاد صاحب نے پہلو ب... اور حیان منتظر نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم سن چکے ہو کہ حضرت ابوبصیرؓ مدینہ سے ... جانے کی بجائے، ساحلی خطے کی طرف نکل گئے اور عیص کو اپنا ٹھکانا بنالیا، ادھر مکہ میں حضرت ابوجندلؓ کو خبر ہو... تو وہ بھی کفار کے چنگل سے نکل کر کسی طرح عیص ... ان سے جاملے، اور اس طرح مکہ میں اسیر مسلمانوں ... لئے اللہ نے یہ وسیلہ بنادیا کہ وہ وہاں سے فرار ہو ... یہاں ساحلی علاقے میں جمع ہونے شروع ہوگئے۔ ا... طرح کوئی ستر افراد کا ایک گروہ بن گیا جنہوں نے قری... کا ناک میں دم کردیا کہ جب بھی ان کا قافلہ ادھر ... گزرتا، یہ اس پر شب خون مارتے اور جو قریشی ان ... ملتا تو قتل کرڈالتے اور ان کا مال و اسباب پر قبضہ کرلیتے۔ اب تو قریش کو الٹا لینے کے دینے پڑ گئے، یہ آخر خود ہی انہوں نے نبی علیہ السلام کو خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس واسطے سے آپ سے درخواست کرتے ہیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان رحم کا رشتہ ہے کہ آپ عیص میں مقیم مسلمانوں کو بصد شوق مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دیجئے کہ ہمیں ان افراد کی ضرورت نہیں، ہم معاہدۂ حدیبیہ کی اس قرار داد سے دستبردار ہوتے ہیں۔'' تو میرے بیٹے حیان تم نے دیکھا کہ یہ ہے وہ منظر جس کو نبی علیہ السلام کی دور اں نظریں پہلے ہی ملاحظہ کرچکی تھیں اور آپؐ نے حضرت ابوجندلؓ اور بعد میں ابوبصیرؓ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ہی تمہاری اور مکہ میں مقیم دیگر مظلوم مسلمانوں کی رہائی کا کوئی وسیلہ پیدا فرمادے گا۔''

''بے شک، استاد محترم! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچ کر دکھائی۔''

''ہاں، اور جیسے ہی معاہدے کی تنسیخ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آوارہ وطن مسلمانوں کو اطلاع کرادی کہ وہ دارالسلام آجائیں، چنانچہ وہ مدینہ میں آکر آباد ہوگئے۔''

سردی نے بالکل ہی دم توڑ دیا ہے، حجرے کے ماحول میں تو لگتا ہی نہیں کہ سردی ہے، تاہم کبھی کبھی باہر سے ہوا کا جھونکا آکر یاد دلاتا ہے کہ ابھی موسم سرما کے کچھ ایام باقی ہیں، لیکن یہ جھونکا برا نہیں لگتا، بلکہ استاد و شاگرد دونوں کو یہ نرم و خشک ہوا خوشگوار محسوس ہوتی ہے، غالباً اسی بدلتے ہوئے موسم کا اثر ہے کہ استاد صاحب کو ایک پانی کی یاد آگئی ہے۔

''عزیزی حیان! کیا ہی اچھا ہے کہ حلق تر کرلیا جائے!''

''جی بہتر ہے استاد محترم!'' حیان فوراً اٹھا، ئیں طرف ...ور مٹی کے چھوٹے سے آبدان میں سے، پانی انڈیلا اور آبخورہ استاد صاحب کو پیش کردیا اور اس روایت کو برقرار رکھا کہ سعادت مند شاگرد نے استاد صاحب کا بچا ہوا پانی پینا نہ بھولا۔

''حیان! اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں، جس کا شروع میں ہم نے تذکرہ کیا تھا، یعنی حضور نبی کریمؐ نے اس اطمینان کے بعد کہ اب قریش کے ساتھ جنگ بندی ہوچکی ہے، دعوت اسلامی کو عام کیا جائے، یعنی جیسا کہ تمہیں میں نے بتایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں وہ علاقائی اور کسی مخصوص خطے تک محدود نہیں، بلکہ اسلام ایک عالمگیر پیغام اور دین فطرت ہے، پوری انسانیت کو زندگی گزارنے کے اصول اور خوبصورت قانون اور طریقہ سکھاتا ہے اور یہ بھی کہ خالق کائنات کی طرف سے، بنی نوع انسان کے لئے یہ آخری دین ہے جو ابد آباد تک کے لئے ہے، یعنی قرآن اللہ کی آخری کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں، جیسا کہ فرمایا گیا، **ما کان محمدٌ ابا احد من رجالکم و لٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین،** محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کردی کہ آپ کی نبوت و رسالت پوری نسل انسانی کے لئے ہے، جیسا کہ سورۂ سبا کی آٹھویں آیت کا مفہوم ہے، فرمایا گیا، ''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری پہنچانے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' اس کی تائید میں اس وقت مجھے خود نبی علیہ السلام کی ایک حدیث مبارک کا مفہوم یاد آیا ہے، آپ کا ارشاد ہے کہ'' مجھے تمام عالم انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے'' لہٰذا اس بات کا تقاضا ہے کہ اسلام کے پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچایا جائے، چنانچہ صلح حدیبیہ نے آپ کو یہ موقع فراہم کیا ہے، یعنی آپ قریش کی طرف سے مطمئن ہو کر اس وقفۂ امن میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہوسکتے ہیں، لہٰذا آپ نے اپنے گردوپیش کے درمیان ریاست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بادشاہان مملکت کو مراسلات کے ذریعے اسلام کی دعوت دینے کا منصوبہ طے فرمایا، اور اولاً اپنے صحابہ کو طلب فرما کر انہیں خطبہ دیا، فرمایا، ''اے لوگو! اللہ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور ہادی بنا کر بھیجا ہے، تو میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بادشاہوں اور سلاطین کے پاس دعوت اسلام دے کر بھیجوں۔'' صحابہ نے فوراً سر تسلیم خم کر کے عرض کرتے ہیں، ''یا رسول اللہ آپ جہاں چاہیں بھیجئے، ہم آپ کا حکم بجانے کو تیار ہیں!'' چنانچہ آپ اولاً چھ فرماں رواؤں کے نام خطوط لکھواتے ہیں، میں کوشش کرتا ہوں کہ ان سلاطین کے نام اور جو حضرات بطور قاصد، آپ کے نامہ ہائے مبارک لے کر گئے ان کے اسمائے گرامی تمہارے سامنے دہراؤں۔'' یہ کہہ کر استاد صاحب نے آنکھیں بند کرلیں اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بتانے لگے۔ ''اس کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ شاہ حبش، جو نجاشی کہلاتا تھا اس کی طرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری، روم کا بادشاہ جو ہرقل پکارا جاتا تھا، اس کی طرف حضرت وحیہ کلبیؓ، عجم یعنی ایران کا والی جو کسریٰ کہلاتا تھا، اس کی طرف حضرت عبداؓ بن حذافہ، مصر کا بادشاہ صریح بن امتی مقوقس جسے عزیز مصر کہا جاتا ہے، اس کی طرف حضرت حاطبؓ بن بلتعہ، شاہ دمشق حارث بن ابی ثمر غسانی کی طرف حضرت شجاعؓ بن وہب اسدی اور والی یمامہ ہوذہ بن علی حنفی کی طرف جانے کے لئے حضرت سلیطؓ بن عمرو عماری کا انتخاب کیا گیا۔'' استاد عبدالرحمٰن کہتے چلے گئے اور حیان ہمیشہ کی طرح پھر ان کی قوت یادداشت پر حیران رہ گیا۔

''بیٹا! ان حضرات کے اسماء بیان کرنے کا مقصد ان جرأت و ہمت کے پیکروں کو خراج تحسین پیش کرنا ہے جو نہ صرف اللہ اور رسول پر ایمان لائے بلکہ ترویج اسلام کی کوششوں میں نبی علیہ السلام کے معاون اور سپاہی بنے۔''

''بے شک، جزاکم اللہ خیرا۔'' استاد صاحب کی تائید میں حیان نے ان پاک ہستیوں کے لئے کلمۂ خیر ادا کیا، استاد صاحب بتانے لگے۔

''یہاں تمہارے علم میں یہ بات بھی لاؤں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوبات کو کس طرح لکھوایا۔''

''جی استاد محترم ضرور فرمائیے!'' حیان دلچسپی سے بولا اور استاد صاحب نے کہا۔ ''قریش، جیسا کہ تمہیں علم ہوگیا ہوگا، اپنی کسی بھی تحریر کی ابتداء باسمک اللھم، یعنی اے اللہ شروع تیرے نام سے کیا کرتے تھے، تو حضور نبی کریمؐ نے بھی اسے ناپسند نہیں فرمایا، اور آپؐ خود بھی اسی طرح لکھوایا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے پسندیدہ دین اسلام کا تشخص و امتیاز منظور ہے اس لئے سورہ نحل کے نزول میں تیسویں آیت مذکور کر کے اہل ایمان کو پابند کردیا کہ وہ اپنے ہر عمل کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کلمۂ مبارکہ سے کیا کریں، یعنی جب حضرت سلیمانؑ نے ملکۂ سبا، بلقیس کی طرف مکتوب روانہ کیا تو شروع میں لکھوایا، انہ من سلیمٰن وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ کہ اس کی ابتداء اللہ کے نام سے کی جاتی ہے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔''

''جی ہاں استاد محترم، استاذی علامہ ابو زبیر نے گزشتہ تین روز قبل ہی سورہ نحل کی تفسیر میں حضرت سلیمان کے حوالے سے مکتوب الیہ ملکۂ بلقیس اور پیغمبر سلیمان کی قاصد ہدہد کا بھی تذکرہ فرمایا تھا۔ کیا ہی دلچسپ اور چشم کشا واقعہ ہے۔''

''ہاں، یہ قرآن کے احسن القصائص میں شمار ہوتا ہے۔'' استاد صاحب نے حیان کی رائے کی تصدیق کی اور اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہنے لگے۔

''ایک اور بات اس موقع پر یہ ہوئی کہ جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطوط لکھوا چکے تو حضرت سلمانؓ فارسی نے جو اس وقت حاضر مجلس ہیں، عرض کی، ''یارسول اللہ! میری رائے ہے کہ آپ ان خطوط پر اپنی

کوئی مہر بھی ثبت فرما دیجئے، کیونکہ میں ان سلاطین کے مزاج سے واقف ہوں، بغیر مہر کے خط کو معتبر بلکہ درخور اعتنا نہیں سمجھتے، اکثر بغیر پڑھے ہی واپس کر دیتے ہیں۔'' دوسرے صحابہ نے بھی ان کی تائید کی اور خود رسول اللہ نے بھی ان کے مشورے کو رد نہیں کیا۔ چنانچہ ختم کی صورت میں مہر تیار کی گئی جو سونے سے بنائی گئی تھی، لیکن آپؐ نے اسے اپنی انگشت مبارک میں پہنا ہی تھا کہ جبرئیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے مردوں پر سونا پہننا حرام قرار دیا ہے، آپ نے فوراً انگشتری کو اتار دیا اور اس کی جگہ چاندی کی ختم تیار کرائی گئی جس پر نگینہ کی جگہ بھی چاندی ہی کا استعمال کیا گیا، یہ انگشتری حبشی صفت کا نمونہ ہے، مجھے الحمدللہ ایک موقع پر دمشق میں اس ختم مبارک کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔'' استاد صاحب نے نہایت مسرت سے بتایا۔ ''اس پر تین الفاظ محمد رسول اللہ، اس طرح لکھے گئے ہیں کہ لفظ اللہ سب سے اوپر، درمیان میں رسول اور آخر میں آپ کا اسم گرامی، محمد گندہ ہے، آپ اس انگشتری کو دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگشت میں پہنتے اور اس کا سرنامہ جس پر الفاظ لکھے گئے ہیں، ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے، مختصر یہ کہ تمام خطوط پر جو مرق یعنی جھلی پر تحریر کئے گئے ہیں، مہر ثبت کی گئی اور انہیں مذکورہ حضرات کے حوالے کر کے ان کی منزلوں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔'' استاد صاحب خاموش ہوگئے اور حیان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آہستہ سے بولا۔

''استاد محترم، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان خطوط کی تحریر سے بھی آپ اپنے اس شاگرد کو واقف فرما دیتے؟'' استاد صاحب نے آنکھیں کھول کر حیان کی طرف دیکھا اور عجیب سا مسکرا دیئے۔

''مرحبا! لاریب کہ تم حصول علم کے معاملے میں بہت حریص ہو!'' حیان محجوب سا ہوگیا، ''یہ دیکھو! میرے پاس ان تمام نامہ ہائے مبارک کی نقول موجود ہیں۔'' استاد صاحب نے کہا اور ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

استاد عبدالرحمٰن اپنے دائیں طرف بنے ہوئے چوبی خانے میں اپنی کتب اور مخطوطات کو الٹنے پلٹنے لگے، جلد ہی انہوں نے ایک چرمی محفظہ میں سے کچھ وسلیاں نکالیں اور حیان سے مخاطب ہوئے۔ ''لیکن بیٹے حیان! ان خطوط کے مطالعہ سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جن فرماں رواؤں کی طرف یہ خطوط لکھے جا رہے ہیں، وہ اپنے اپنے علاقے کے طاقتور حکمران ہیں، خصوصاً روم اور فارس یعنی ایران کا شمار تو دنیا کی عظیم سلطنتوں میں ہوتا ہے، لیکن یہ صرف نبی کی ہی شان ہے کہ وہ اس نوع کے مقتدر حکمرانوں سے بے محابا مخاطب ہوئے، اب اگر ہم ان ممالک جن کی طرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوبات روانہ کئے، اس ترتیب سے دیکھیں تو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوگی کہ حبشہ تو وہی ہے جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، جس کی طرف پانچ ہجری میں مسلمانوں نے ہجرت کی تھی اور بادشاہ حبش جس کو قریش کے لوگ نجاشی کہہ کر پکارتے تھے، اس وقت اصحمہ نامی نیک دل اور خدا ترس انسان تھا اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نامہ مبارک حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کے ہاتھوں ارسال کیا تھا جس میں آپؐ نے اس سے اپنا تعارف کرایا تھا، تو سب سے پہلے میں وہی مکتوب تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔''

''جی عنایت ہو استاد گرامی!'' حیان اور بھی زیادہ ادب کی تصویر بن گیا، استاد صاحب وسلیوں کو لے کر چراغ کی طرف جھک گئے، یہ اب تک ہونے والی سیرت کی مجالس میں پہلا موقع ہے کہ استاد عبدالرحمٰن نے اپنے بیان میں کسی تحریری مواد کا سہارا لیا ہے۔ انہوں نے ایک وسلی پر چہرہ جھکا کر پڑھنا شروع کیا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے، نجاشی بادشاہ حبشہ اصحمہ کے نام۔ میں اس خدا تعالیٰ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعریف لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، جو تقدس مآب بادشاہ اور صاحب سلامتی ہے، جو امن دہندہ اور سلامتی عطا کرنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ ابن مریم عیسیٰ، روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، جنہیں مریم بتول کی طرف القا کیا گیا جو برائی سے محفوظ اور خدا تعالیٰ کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا، میں تجھے الٰہ واحد ولاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور مجھ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور میں تجھے اور تیرے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، میں نے بھلائی کا پیام پہنچا دیا، اب تم میری بہی خواہانہ نصیحت قبول کرو۔ میں اپنے عم زاد جعفر کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں جس کے ہمراہ چند دیگر مسلمان بھی ہیں، تو جب وہ تیرے پاس آئیں، ان کی مہمان نوازی کرا اور تکبر کو ترک کردے، سلامت رہے وہ جو ہدایت پر عمل پیرا ہو۔"

استاد صاحب نے وسلی پر سے چہرہ اٹھایا اور بولے۔ "کہا جاتا ہے جب یہ نامہ مبارک دربار میں پڑھا گیا تو نجاشی سنتے ہی احتراماً تخت سے اٹھا اور نیچے زمین پر بیٹھ گیا اس نے نامہ مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر آنکھوں سے لگالیا، کہنے لگا۔ "میں گواہی دیتا ہوں، بے شک اللہ، واحد اور معبود برحق ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

"مرحبا!" حیان نے تحسین کی اور استاد صاحب نے بیان جاری رکھا۔

"کہتے ہیں، اصحمہ نے اسی وقت حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام کے لئے بیعت کرلی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جوابی مراسلہ تحریر کرایا۔"

"سبحان اللہ، استاد محترم، کیا لکھا تھا نجاشی نے؟" حیان نے پُرشوق لہجے میں پوچھا اور استاد عبدالرحمٰن دوبارہ وسلیوں پر جھک گئے۔ کہنے لگے۔

اس نے لکھا، "محمد رسول اللہ کے نام، اصحمہ شاہ حبش کی طرف سے، یا رسول اللہ! آپ پر اس اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی، اما بعد! یا رسول اللہ! آپ کا مکتوب میرے پاس پہنچا، آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کا جو ذکر فرمایا ہے، تو قسم ہے ارض السمٰوات کے رب کی، عیسیٰ مسیح نے بھی اس سے زیادہ اس بارے میں ذرہ برابر کچھ نہیں کہا، واقعتاً وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا۔" نجاشی مزید لکھتا ہے۔ "آپؐ نے جو دعوت ارسال فرمائی ہے، وہ ہم نے سمجھ لی ہے، آپؐ کے عم زاد اور ان کے رفقاء آئے ہیں، میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ آپؐ لاریب اللہ کے رسول ہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپؐ فرمارہے ہیں وہ حق ہے، میں اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں، اور اگر حکم فرمائیں تو میں خود بھی حاضر ہوسکتا ہوں، والسلام۔" استاد عبدالرحمٰن نے ایک بار پھر وسلی پر سے چہرہ اٹھایا اور حیان کی طرف دیکھ کر بولے۔ "یہ بھی روایت ہے کہ نجاشی نے حضور نبی کریمؐ کے نامہ مبارک کو ہاتھی دانت سے بنائے گئے ایک قیمتی صندق میں محفوظ کرادیا اور کہا کہ جب تک یہ ہمارے درمیان ہے، حبشہ ہر طرح کی آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا۔"

"سبحان اللہ، مرحبا!" حیان تحسین کے انداز میں بولا اور استاد صاحب وسلیوں میں سے پھر انتخاب کرنے لگے۔ انہوں نے ایک وسلی اٹھاتے ہوئے حیان سے کہا۔

"اب ہم جن خطوط کی بات کررہے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سلاطین و الیان کو لکھوائے اور اس میں شاہ حبشہ بھی شامل ہے، تو یہ نجاشی وہ نہیں جو ایمان لاچکے تھے، بلکہ یہ ان کا کوئی جانشین ہے، کیونکہ خط کی تحریر سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ مکتوب پڑھنے لگے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، از طرف

محمد رسول اللہ، نجاشی حبشہ کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت قبول کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور گواہی دے کہ اللہ واحد اور لاشریک ہے، وہ زوج و اولاد سے بے نیاز ہے اور گواہی دے کہ محمد، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں تجھے اللہ کی دعوت دیتا ہوں یقین کر میں اللہ کا رسول ہوں، اسلام قبول کر، اسی میں تیری سلامتی ہے۔" اس کے بعد نبی علیہ السلام نے بحوالہ قرآن لکھوایا۔ "اے اہل کتاب! آؤ ایک صاف اور سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین تسلیم شدہ ہے، وہ یہ کہ اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ایک دوسرے کا رب قرار دیں، پس اگر روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلمان اور اللہ کا حکم ماننے والے ہیں۔" استاد صاحب نے ایک لمحہ وقفہ کیا اور بولے۔

"اس قرآنی حوالے کے بعد، نبی علیہ السلام نے اس مکتوب میں لکھوایا کہ: اے نجاشی! اگر تو نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو تیری قوم کے تمام نصاریٰ کا گناہ تجھ پر ہی ہوگا۔"

"جی ہاں استاد گرامی، خط کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ خطاب نجاشی اصحمہ سے نہیں، کیونکہ وہ تو بہت پہلے ہی ایمان لاچکے تھے!"

"ہاں تمہاری بات درست ہے، جناب اصحمہ کا انتقال نو ہجری میں ہوا اور حضورؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرائی۔"

"سبحان اللہ، لیکن یہ مکتوبات جن کا آپ ذکر فرما رہے ہیں، سات ہجری میں لکھے جارہے ہیں جبکہ آپ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ جناب اصحمہ کا انتقال نو ہجری کو ہوا۔"

"دراصل لگتا یوں ہے کہ نجاشی اصحمہ کی زندگی میں ہی ان کے جانشین نے اختیارات سنبھال لئے ہوں گے جو اپنے آبائی مذہب نصرانیت پر قائم تھا، ورنہ آپؐ اسے دعوت اسلام کیوں دیتے؟ تاہم تم نے محسوس کیا کہ نبوت کا جاہ و جلال کیا ہوتا ہے، جو مکتوب ابھی پڑھا گیا اس کا ایک ایک لفظ یہ ثابت کررہا ہے کہ دعوت حق میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ مخاطب کون اور کیا ہے؟ کتنا صاحب حیثیت اور صاحب اقتدار ہے، اللہ کے نبی اسے حق کی طرف بلانے میں ذرا تردد سے کام نہیں لیتے، حضور نبی کریمؐ کے ان تمام مکتوبات سے یہ بات مترشح ہے کہ آپ مکتوب الیہ کی حیثیت اور اس کے اقتدار سے بے نیاز ہوکر اسے مخاطب فرمارہے ہیں، البتہ لب ولہجہ بہی خواہانہ ہے، تو ظاہر ہے، محمد رسول اللہ رحمت عالم ہیں، آپ سے زیادہ انسانوں کا بہی خواہ کون ہوسکتا ہے۔"

"بے شک استاد محترم نبی علیہ السلام کی خواہش اور کوشش تو ہمیشہ یہی رہی کہ لوگ گمراہی سے نکل کر، جہاں نقصان ہی نقصان ہے، سیدھے راستے پر آجائیں جہاں دونوں جہان کا بھلا ہے۔"

"بے شک آپ انسانیت کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں جو اس وقت ظلم و جبر کا شکار ہے، آمریت اور ملوکیت نے لوگوں کو غلام کے شکنجے میں لے رکھا ہے، عام انسانوں کی مجال نہیں کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف آہ بھی بھر سکیں، ایسے عالم میں محمد عربیؐ کا ان مغرور و متکبر حکمرانوں کو اس انداز میں مخاطب کرنا اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دینا بجائے خود ایک حیرت ناک بات ہے۔

"جی ہاں، استاد محترم سنتے ہیں اکثر سلاطین تو اتنے مغرور و متکبر تھے کہ خود کو لوگوں سے سجدہ کراتے تھے؟ بلکہ نجاشی بھی؟"

"ہاں بیٹا، لیکن تم نے سنا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کو کس طرح بے محابا مخاطب فرمارہے ہیں، بلکہ حبشہ تو کوئی اتنی بڑی ریاست نہیں، روم اور فارس اس زمانے کی عظیم سلطنتوں کے بادشاہان کے لئے بھی سرور عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تخاطب وہی ہے جیسا کہ عام لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، حفظ مراتب اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ لیکن مرعوبیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ خیال کہ یہ تنگ مزاج لوگ آپ کی دعوت کے جواب میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں، دیکھو روم کے شاہ دمشق حارث بن ابی شمر کو جو مکتوب تحریر کیا ہے، اس کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو حبشہ جیسی چھوٹی ریاست کے بادشاہ نجاشی کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔" یہ کہہ کر استاد صاحب نے ایک وسلی اٹھائی لیکن مکتوب پڑھنے کی بجائے کہنے لگے۔

آؤ پہلے ہم دمشق کا رخ کرتے ہیں، یہاں غسانی خاندان حکومت کرتا آرہا ہے، جو رومی سلطنت کے زیر اثر ہے، اس کی طرف خط لے جانے والے جناب شجاعؓ بن وہب ہیں۔ یہ بصرہ میں جو دمشق کا پایۂ تخت ہے، ایسے وقت پہنچے ہیں جبکہ قیصر روم، ایران پر اپنی فتح کا شکرانہ ادا کرنے کی غرض سے پاپیادہ، بیت المقدس میں ایلیا کے لئے روانہ ہو رہا ہے، شاہ دمشق حارث بن ابی شمر اس کے انتظامات میں مصروف ہے۔ ادھر بصرہ میں حضرت شجاعؓ کی ملاقات اس سے پہلے اس کے ایک دربان مری سے ہوتی ہے، جو حضرت شجاعؓ سے ان کی آمد کا مقصد معلوم کرتا ہے، قاصد رسول، اس کو سارا ماجرا بیان کر دیتے ہیں، دربان نہایت اشتیاق کے ساتھ نبی علیہ السلام کے مزید حالات دریافت کرتا ہے اور بے اختیار بول پڑتا ہے۔" بلاشبہ میں نے انجیل مقدس میں نبی موعود کی صفات پڑھی ہیں، وہ سب یہی ہیں جو آپ فرماتے ہیں۔" یہ کہتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور روتے ہوئے کہتا ہے۔ "میں ایمان لاتا ہوں، اور تصدیق کرتا ہوں آپ کی، تاہم آپ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کیجئے گا، ورنہ شاہ حارث غسانی مجھے قتل کرا دے گا۔" اس کے بعد حضرت شجاعؓ دربار تک رسائی حاصل کر کے غسانی کو حضور نبی کریمؐ کا پیش کرتے ہیں، لیکن یہ بدبخت اور ناقدر شناس نامہ مبارک کو پڑھ کر ایک طرف ڈال دیتا ہے اور نہایت تکبر ونخوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "یہ کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھیننا چاہتا ہے، میں خود اس کی طرف جاتا ہوں، اس نے حضرت شجاعؓ کو روک لیا اور باقاعدہ کوچ کے لئے گھوڑوں کی نعل بندی شروع کرا دی، پھر حضرت شجاعؓ کو بلا کر متنبہ کیا کہ "یہ سب جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، جا کر اپنے آقا کو بتانا!" اس کے ساتھ ہی اس مغرور نے اپنے ارادے کی اطلاع بذریعہ خط قیصر روم کو پہنچا دی۔"

لیکن ہرقل نے جواب میں اسے لکھا کہ تم اپنے ارادے سے باز رہو! اور اس کی طرف جانے کی بجائے نظر انداز کر دو!" لہٰذا حارث غسانی، اپنے آقا کی بات کس طرح رد کر سکتا ہے، فوراً ہی حضرت شجاعؓ کو طلب کیا اور ان سے پوچھا۔" کب تک واپسی چاہتے ہو؟" فرمایا....." کل ہی جا سکتا ہوں" یہ سن کر حارث نے حکم دیا کہ سفیر کو سو اشرفیاں دی جائیں، دربان مری نے ان سے ملاقات کی، لباس اور کچھ چیزیں راستے کے لئے دیں اور درخواست پیش کی کہ" بارگاہ نبویؐ میں میرا اسلام نیاز عرض کیجئے گا۔"

کتنا فرق ہے استاد محترم لوگوں کے درمیان، ایک یہ دربان ہے جو بازی لے گیا، اور دوسرا حارث غسانی ہے جو بادشاہ ہوتے ہوئے فلاش ہے۔"

"ہاں، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شجاعؓ واپس خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام روداد آپؐ کے گوش گزار کی تو دربان کا سلام قبول فرماتے ہوئے ارشاد ہوا" اس نے سچ کہا۔" اور غسانی کے لئے فرمایا۔" اس کا ملک ویران ہوا" چنانچہ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح مکہ سے سرفراز فرمایا، ادھر حارث بن ابی شمر غسانی کے مرنے کی خبر سنی گئی۔

"خس کم جہاں پاک!" حیان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن استاد عبدالرحمٰن نے بیان جاری رکھا۔

"اب ہم شاہ روم کا تذکرہ کرتے ہیں جو اس وقت سب سے بڑی عالمی طاقت ہے، اس کی طرف حضور نبی کریمؐ کا یہ نامہ مبارک جس وقت حضرت وحیہ کلبی اس کی طرف لے کر جا رہے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے کہ سلطنت روم کو فارس پر فتح ہو کر چکی ہے، جس کی خود قرآن نے بہت پہلے ہی، مکہ میں پیش گوئی کر دی تھی، کیونکہ ان دنوں روم اور ایران دونوں

ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے، مسلمانوں کی نیک تمنائیں اہل کتاب ہونے کے سبب، اہل روم یعنی اہل شام کے ساتھ تھیں اور مشرکین مکہ ایرانیوں سے ہمدردی رکھتے تھے، اس لئے کہ وہ بھی ان کی طرح مختلف چیزوں کو پوجتے اور شرک کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ روم کو جب شروع میں جزیمت اٹھانی پڑی اور ایران کو فتح ہوئی تو مسلمانوں کو دکھ ہوا اور مشرکین مکہ نے خوب خلیں بجائیں، لیکن قرآن نے اعلان کیا کہ عنقریب روم غالب آجائے گا تب بھی مشرکین نے مسلمانوں کا استہزا اڑانے میں کوئی کمی نہیں کی لیکن آخر کار قرآن کی پیش گوئی پوری ہو کر رہی اور روم کو چند سال بعد ہی ایران پر مکمل فتح حاصل ہوگئی، اب یہ بات جو مکتوبات کے حوالے سے چل رہی ہے، اسی دور کی ہے یعنی حضرت وحیہ کلبی، حضور نبی علیہ السلام کا نامہ مبارک لئے روم کی طرف روانہ ہوئے جبکہ شاہ روم اپنی فتح کی نذر میں شکرانے کے بطور، پاپیادہ حمص سے بیت المقدس میں ایلیا کے مقام پر آیا ہوا ہے، جیسا کہ تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں کا عربی نسل حاکم حارث غسانی ہرقل کے زیر تحت ہے، یعنی شام کے اس علاقے پر جس کا دارالحکومت بصرہ ہے، عرب خاندان غسانیوں کا قبضہ ہے، تاہم یہ قیصر روم کے زیر اثر ہے، چنانچہ حارث غسانی نے نبی علیہ السلام کے سفیر کو مع نامہ مبارک، قیصر روم ہرقل کے پاس، بیت المقدس پہنچانے کا انتظام کرا دیا، اسی دوران، ہرقل کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آتا ہے، وہ ایک رات گہری نیند سے چونک کر اٹھا اور دن بھر پریشان رہا، مصاحبین نے اسے دیکھ کر وجہ دریافت کی، لیکن ہرقل ماہر علم نجوم کو طلب کر کے اس سے اپنا خواب بیان کرتا ہے کہ اس نے رات آسمان پر ایک ایسا ستارہ دیکھا ہے جو اس سے قبل نہیں دیکھا گیا، ماہر نجوم تعبیر بتاتا ہے کہ ایک سردار پیدا ہو چکا ہے جس کی عنقریب سارے عالم پر بادشاہت ہوگی اور اس کا تعلق اس قوم سے ہے جو ختنہ کرائی ہے۔"

"کیا یہود کے علاوہ بھی کوئی قوم ہے جو مختون کہلاتی ہے؟" ہرقل نے پوچھا تو اسے تسلی بخش جواب نہ مل سکا، لیکن مشہور سخی حاتم کے بیٹے عدی نے جو خود بھی نصرانی مذہب سے ہے، تجارتی دورے پر آیا ہوا ہے، اس مسئلہ کو حل کر دیا، ہرقل کو بتایا کہ پوری عرب قوم مختون ہے، تب اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ وہ شخصیت جس کی طرف علم نجوم کے ماہر نے اشارہ کیا ہے، عرب سے متعلق ہوگی۔" استاد صاحب بہت روانی سے بول رہے ہیں اور حیان نہایت انہماک سے بیان سماعت کر رہا ہے۔" ہرقل ابھی اپنے خواب اور اس کی تعبیر کے اثرات سے باہر نہیں آیا ہے کہ حضرت وحیہ کلبی ایلیا پہنچ جاتے ہیں اور حاجب کے ذریعہ اطلاع کراتے ہیں کہ اللہ کے رسول محمد نے جو حجاز میں مبعوث ہوئے ہیں، قیصر کے نام مکتوب ارسال کیا ہے، لہٰذا قاصد کو ملاقات کی اجازت دی جائے، قیصر اطلاع ملتے ہی انہیں طلب کر لیتا ہے، درباری، سفیر رسولؐ کو دربار میں حاضر ہونے سے پہلے انہیں وہاں کے جو آداب سمجھاتے ہیں، ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تخت کے سامنے سجدہ بجا لانا ہوتا ہے، حضرت وحیہ کہتے ہیں۔

"ہم مسلمان ہیں، ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے!" چنانچہ وہ اس مشرکانہ رسم کو ادا کئے بغیر ہرقل کے سامنے جاتے ہیں، سینے پر ہاتھ رکھ کر تحیہ ادا کرتے ہیں اور نامہ مبارک پیش کرتے ہیں، ہرقل نے ان کی درباری روایت شکنی کا برا نہیں مانا، بہت عزت افزائی کی اور انہیں معزز مہمان کی طرح بٹھایا، پھر مترجم کے ذریعے نبی علیہ السلام سے متعلق بہت سے سوال کرنے کے بعد حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص تلاش کر کے لایا جائے اور دوسرے دن تک کے لئے دربار برخاست کر دیا گیا۔ دوسرے روز وہ نہایت شان وشوکت کے ساتھ دربار میں تاج زیب سر کر کے تخت پر بیٹھا، کئی مذہبی رہنما بطاریق، قسیس اور رہبان بھی اس کے گرد و پیش صف بستہ ہو گئے۔ حضرت وحیہ کلبی آج بھی تشریف فرما ہیں۔ ہرقل کے حکم کے مطابق اس کے آدمی کچھ عربوں کو بھی تلاش کر کے لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے ہیں جو تجارت کی غرض سے بیت المقدس آئے ہوئے ہیں۔ قیصر مترجم کے ذریعہ عرب تاجروں سے سوال کرتا ہے۔ ”کیا تم میں سے کوئی اس مدعی نبوت سے واقف ہے، جس نے اپنا ایک قاصد میرے پاس بھیجا ہے؟“ بدصورت ہرقل کے جواب میں ایک خوش شکل اور خوش پوش تاجر پُراعتماد آواز میں کہتا ہے۔ ”بہت اچھی طرح جانتا ہوں، اس لئے کہ وہ میرا رشتہ دار ہے۔“

”تم سے مراد؟“

”میں ابوسفیان ہوں، اپنی قوم کا سردار!“

”تب مجھے بتاؤ، حسب نسب کے اعتبار سے اس مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟“

”بہت اعلیٰ اور معزز۔“

”کیا اس خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟“

”نہیں، کوئی بادشاہ نہیں ہوا؟“

”اچھا، جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے، وہ کیسے لوگ ہیں، کمزور کہ صاحب اثر؟“

”اکثر کمزور اور نادار، بے وقعت لوگ ہیں!“

”اس کے پیرو اور ماننے والوں میں اضافہ ہو رہا ہے کہ کم ہوتے جاتے ہیں۔“

”اضافہ ہو رہا ہے۔“

”تم لوگوں کو کبھی اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا؟“

”نہیں، ایسا بالکل دیکھنے میں نہیں آیا!“

”کیا کبھی اس مدعی نبوت نے کسی عہد کی خلاف ورزی کی ہے؟“

”ابھی تک نہیں، البتہ، اس سال اس کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا ہے، دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔“

”اس کے ساتھ معرکہ آرائی کا نتیجہ کیا نکلا؟“

”کنویں میں ڈول کی طرح، یعنی کبھی وہ اور کبھی ہم غالب رہے۔“

”وہ کیا تعلیم دیتا ہے؟“

کہتا ہے، ایک اللہ کو مانو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اسی کی عبادت کرو، اور یہ کہ اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ عبادت ترک کر دو!“

”اور اس کے علاوہ کیا کہتا ہے؟“

”اس کی تعلیمات میں یہ بھی شامل ہے کہ نماز پڑھو! روزہ رکھو، پاکیزگی اختیار کرو، سچ بولو اور صلہ رحمی اپناؤ۔“

”استاد محترم، حیرت ہے ابوسفیان، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اعلیٰ تعلیمات سے اس قدر واقف ہونے کے باوجود آپ کا مخالفت تھا۔“

”بیٹا اس سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ دیار غیر میں اس شخص کے منہ سے حق بات نکل رہی ہے، گویا حق کی ترجمانی کر رہا ہو!“

”جی ہاں، اس وقت تو اس نے صاف گوئی میں کوئی بخل نہیں دکھایا۔“ دراصل حق کا معجزہ ہی یہ ہے کہ وہ خود منہ سے بولتا ہے، اس کی تکذیب ممکن ہی نہیں ہو سکتی، اب دیکھو، ابوسفیان سے گفتگو کے بعد ہرقل کس طرح اس صداقت کی معقولیت پیش کرتا ہے۔“ استاد صاحب نے کہا اور حیان کی توجہ میں اور اضافہ ہو گیا۔ ”قیصر روم نے ترجمان کے ذریعہ کہنا شروع کیا کہ ”میں نے نام و نسب اس لئے دریافت کیا کہ نبی ہمیشہ شریف گھرانے سے ہوتا رہا ہے، خاندان میں اس سے قبل دعویٰ نبوت کا سوال اس لئے کیا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص اسی کی ریس کرتے ہوئے ایسا کہہ رہا ہے، جھوٹ سے متعلق اس لئے پوچھا کہ جو خدا کی مخلوق سے جھوٹ نہ بولتا ہو وہ خدا کے بارے میں کیونکر کذب بیانی کر سکتا ہے؟ خاندان میں کسی بادشاہ کے گزرنے کا اس لئے سوال کیا گیا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ نبوت کے بہانے اقتدار کا خواہاں ہے، پھر اس کے پیرو کے بارے میں تم نے بتایا کہ وہ مسکین اور نادار ہیں تو شروع میں ہر نبی کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تر ایسے ہی کمزور اور قلاش قسم کے لوگ ہوئے ہیں اور ایمان لانے کے بعد کسی بھی صورت نبی کا ساتھ نہیں چھوڑتے، نبوت کی علامات میں ایک یہ

بھی ہے کہ نبی کبھی عہد شکنی نہیں کرتا، تم نے معرکہ آرائیوں کی کیفیت بتائی تو بالکل یہی ہوتا ہے، ابتداء میں کبھی فتح اور کبھی شکست دیکھنے میں آئی ہے، لیکن آخر کار حق، باطل پر غالب آ کر رہتا ہے، ان تمام کیفیات اور ان کی تعلیمات کی روشنی میں مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ یہی سب علامات نبی موعود کے بارے میں ہماری کتابوں میں درج ہیں، تاہم میرے گمان میں ہرگز یہ نہیں تھا کہ اس کا ظہور خطۂ عرب میں ہوگا۔“ قیصر روم نے اس کے بعد براہ راست ابوسفیان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”اے عرب تاجر! اگر تو نے جواب میں جو کچھ بیان کیا وہ سب سچ ہے تو ایک روز آئے گا کہ وہ یہاں بیٹھا ہوگا، جہاں میں اس وقت ہوں اور وہ بیت المقدس کا مالک ہوگا، کاش! میں اس کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔“ یہ کہتے وقت فرط ادب سے اس کا سر جھک گیا، ابوسفیان یہ سن کر اور دیکھ کر اپنے ساتھی سے سرگوشی کے سے انداز میں کہتا ہے ”برادر! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یہ سب کچھ سن کر تو مجھے اپنی ذلت کا احساس ہونے لگا ہے، کیا واقعی محمد ایسا ہی ہے؟“ اس کے سوال کا جواب تو اس کا ساتھی اس وقت نہ دے سکا، البتہ خود اس کا ضمیر اسے کچوکے دینے لگا۔ وہ گم سم کھڑا ہے کہ قیصر روم نے مکتوب ترجمان کے حوالے کرتے ہوئے حکم دیا کہ پڑھ کر سنایا جائے۔“ استاد صاحب نے یہ کہہ کر ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک وسلی پر چہرہ جھکا دیا اور نامہ مبارک کی نقل پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے لگے۔ ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمدؐ رسول اللہ وعبدہ، کی طرف سے روم کے رئیس اعظم ہرقل کے نام سلام ہو، اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے، اس کے بعد، میں تجھے دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام قبول کرے گا تو سلامتی میں رہے گا، اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر تو نے روگردانی کی تو اہل ملک کا گناہ بھی تیرے ہی سر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ بنائے، اس کے سوا، اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم تو تسلیم کرنے والوں میں سے ہیں۔“ استاد صاحب نے وسلی پر سے چہرہ اٹھایا اور جیسے خلا کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔ ”مکتوب کے اختتام پر، دربار میں موجود بطارق اور دوسرے عیسائی مذہبی علماء مخالفت میں صدائے احتجاج بلند کرنے لگے، قیصر نے شور شرابے اور حالت کی نزاکت کو دیکھا تو ابوسفیان اور اس کے دوسرے عرب تاجروں کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود اپنے درباریوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے لگا۔ ادھر ابوسفیان دربار سے باہر جاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے۔ ”حیرت ہے اب تو ابن کبشہ کی شان اتنی عظیم اور مقام اتنا بالا ہو گیا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ بھی خائف نظر آتا ہے۔“

”ابن کبشہ سے کیا مراد ہے استاد محترم!“

”اس سے ابوسفیان کی مراد، محمد رسول اللہ ہیں، اور یہ نسبت اس نے اس لئے دی کہ عرب جب کسی کو بیچ کر کے پیش کرنا چاہتے تھے تو اس کو کسی غیر معروف کنیت سے پکارتے۔“

”افسوس ابوسفیان پر! ابھی تک اس کا ضمیر نہیں جاگا!“ حیان نے متاسف لہجے میں کہا، پھر استاد صاحب سے پوچھا۔ ”استاد محترم پھر کیا ہوا، ہرقل اور اس کے عالموں کے درمیان کیا فیصلہ پایا؟“

”بیٹا جب دلوں پر مہریں لگ جائیں تو حق کو پہچانتے ہوئے بھی روگردانی اور ایمان سے محرومی مقدر بن جاتی ہے۔“ استاد صاحب افسردہ آواز میں بتانے لگے۔ ”ہرقل نے اپنے ناراض اور سراپا احتجاج علماء کو اپنے محل خاص میں جمع کیا اور انہیں سمجھایا کہ ”اے اہل روم! کیا تمہاری خواہش نہیں کہ اس ہدایت اور کامیابی میں تمہارا بھی حصہ ہو؟“ اور کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہاری سلطنت باقی رہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس نبی کی بیعت کرنے میں تمہیں کیا عذر درپیش ہے؟“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن، اہل روم کو یہ بھلائی منظور نہیں۔ وہ اپنے بادشاہ کا نیک مشورہ سنتے ہی جانور کی طرح بدک گئے اور شور وغل کرتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھے اور باہر جانے کے لئے لپکے، لیکن دروازے بند ہونے کے سبب رکنا پڑا، تو ہرقل نے انہیں دوبارہ اپنے قریب بلایا اور کہا۔" مرحبا! تم اپنے دین پر قائم نکلے! دراصل میں تمہیں آزمارہا تھا کہ تمہارا اپنے دین پر کتنا ایمان ہے؟" اتنا سنتے ہی ناراض گروہ خوش ہوکر سجدہ میں گر پڑا۔"

"استادِ محترم!..... یہ کیا؟" حیان ششدر رہ گیا اور استاد صاحب تاسف کے لہجے میں بولے۔ "بس بیٹا، یہی وہ آزمائشیں ہیں جن سے گزرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، قیصر روم مصلحت کا شکار ہوگیا، تاہم اس نے ایک بار اور کوشش کی، حضرت وحیہ کلبی کو تخلیہ میں بلوا کر انہیں روم کے اسقف اعظم یعنی سب سے بڑے پادری کے پاس جانے کا مشورہ دیا کہ اگر اس نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا تو عوام وخواص سب ہی اس کی پیروی کرنے میں ذرا تردد نہیں کریں گے" چنانچہ حضرت وحیہ نے سب سے بڑی با اثر شخصیت اسقف اعظم سے ملاقات کی اور محمد رسول اللہ کا تحریری پیغام جو پہلے ہی ان کے پاس ہے، اس کو پیش کیا۔ جس میں تحریر ہے کہ....." استاد صاحب نے ایک وسلی اٹھا کر پڑھنی شروع کی۔ "سلام اس شخص پر جو مومن ہے، بعد ازاں، عیسیٰ ابن مریم روح اللہ ہیں اور اللہ کا وہ کلمہ ہیں جو اللہ عزوجل نے، پاک طینت مریم میں القا فرمایا، ایمان لایا ہوں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی ہے، اور جو ابراہیم واسماعیل، اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر اتری، ان کتابوں پر، اور ان کتب پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا کی گئیں، اور جو دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے بخشی گئیں ان پر اور ہم ان رسولوں کے مابین کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں اور سلامتی کا استحقاق اسے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایت کو قبول کرے۔" استاد صاحب نے مکتوب پر سے چہرہ اٹھایا اور ایک مختصر سے وقفہ کے بعد بولے۔ "مکتوب کا ایک ایک لفظ پادری پر اثر انداز ہوتا چلا گیا، حضرت وحیہ کلبی نے بھی محسوس کرلیا ہے کہ اسقف اعظم کا قلب منقلب ہونے لگا ہے، اور ایسا ہی ہوا، پادری نے صدق دل سے شہادت دی کہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں" پھر وہ سفیر رسول صادق کو لے کر کلیسا میں گیا اور لوگوں کو جمع کر کے کہتا ہے۔ "اے اہل روم! احمد مرسل جن کی انجیل میں بشارت دی گئی ہے، ان کا میرے پاس نامہ آیا ہے، تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد مجتبیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔" لیکن وائے بدنصیبی اہل روم کی، اپنے سب سے بڑے مذہبی رہنما کے منہ سے کلمہ حق سن کر بھی بجائے اس کی پیروی کرنے کے، اس پر غضبناک ہوگئے اور تشدد کر کے اسے ہلاک کردیا۔

"استغفار!" حیان لرز کر رہ گیا۔ "کیسے جاہل اور بدبخت لوگ تھے!"

"بہرحال، حضرت وحیہ کلبی اس المیہ کے بعد، واپس ہرقل کے پاس آئے اور یہ المناک واقعہ اس کے گوش گزار کیا اور تشویش ظاہر کی کہ" مجھے خدشہ ہے تمہارے لوگ میرے ساتھ بھی یہی سلوک کرسکتے ہیں" تاہم قیصر روم نے آپ کو احترام سے بٹھایا، بہت سے تحائف پیش کئے لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے اور اس خطرے کے سبب کہ کہیں اسے اقتدار سے محروم نہ کردیا جائے، اس نے اظہار اسلام نہیں کیا اور سفیر رسول کو باعزت واپس کردیا۔"

"افسوس استادِ محترم، بہت افسوس ہوا ہرقل پر، اس نے نہایت خسارے کا سودا کیا، کاش وہ تاج وتخت کو ٹھکرا کر رسول اللہ کی غلامی اختیار کرلیتا تو اس سے بڑا اقتدار اسے اور کیا ملتا۔"

"حیان! یہ یہی تو عبرت کا مقام ہے کہ آج روم کے رئیس اعظم ہرقل کی جگہ عام آدمی صہیب رومیؓ کو ہم اپنا سردار کہہ کر پکارتے ہیں۔"

استاد صاحب چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولے۔ "میں چاہوں گا کہ حضرت وحیہ کلبی کے روم سے واپسی پر ان کے ساتھ جو ایک حادثہ پیش آیا تھا، وہ بھی بیان کردوں، تاکہ ان کا دورہ مکمل ہوجائے۔"

"جی براہ کرم استادِ گرامی!" جہاں استاد صاحب بیان کرنے سے نہیں تھکتے، وہیں شاگرد بھی معلومات کے شوق سے سرشار ہے، استاد صاحب کہنے لگے۔ "واپسی پر حسمیٰ کے مقام پر پہنچے تھے کہ قبیلہ جذام کے لوگوں نے ان سے سارا مال واسباب چھین لیا، آپ خالی ہاتھ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ہرقل کی ساری روداد کے ساتھ ہی اس واقعہ کا بھی آپ سے ذکر کیا۔ حضور نبی کریمؐ نے فوراً زیدؓ بن حارثہ کو طلب فرما کر انہیں جذام کے رہزنوں کی سرکوبی کا حکم دیا، حضرت زیدؓ چند سواروں کو لے کر نہایت سرعت کے ساتھ روانہ ہوئے اور جذامیوں کی اچھی طرح خبر لی اور سفیر رسول پر حملہ کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا، اس معرکہ میں کئی جذامی مارے گئے اور ایک ہزار اونٹ اور کئی ہزار بکریاں غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، لیکن بعد میں قبیلہ جذام کے سردار زید بن رفاعہ نے اپنے لوگوں کی حرکت اور عہد شکنی پر شرمندگی اور معذرت کا اظہار کیا اور کیونکہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدۂ امن تھا اس بنا پر مال غنیمت واپس کردیا گیا۔"

یہ کہہ کر استاد عبدالرحمٰن چراغ کی روشنی میں پھر وسلیوں کو الٹنے پلٹنے لگے۔ پھر ایک ایک وسلی ہاتھ میں لیتے ہوئے کہنے لگے۔

"اب ہم اس وقت کی دوسری بڑی طاقتور سلطنت کسریٰ کی بات کرتے ہیں، جس کا فرماں روا خسرو پرویز ہے، بہت ہی کروفر کا بادشاہ ہے، اس کی شان وشوکت کی بڑی دھوم ہے، اس کے دربار میں اس کی عظمت وجلال دیکھ کر اہل دنیا کے دل مرعوب اور آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ حضور نبی کریمؐ نے اس کی طرف اپنا مکتوب دے کر حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کو روانہ فرمایا ہے، تو دیکھتے ہیں خسرو پر اس کا کیا ردعمل ہوا۔" یہ کہہ کر وہ اس وسلی پر چہرہ جھکا لیتے ہیں جس پر نامہ مبارک نقل کیا گیا ہے، وہ پڑھتے ہیں: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے، اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور یہ کہ اللہ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا تعالیٰ کا خوف دلائے، لہٰذا تو اسلام قبول کرے تاکہ سلامت رہے ورنہ تمام مجوسیوں کا وبال تیری ہی گردن پر ہوگا" استاد صاحب نے نامہ مبارک ختم کرکے چہرہ اٹھایا اور جیسے خلا کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"خسرو پرویز آپ کا نامہ مبارک دیکھ کر ہی چیں بجبیں ہوگیا ہے، اس کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ عجم کے دستور کے مطابق، سلاطین کو جو خطوط لکھے جاتے ہیں ان میں سرنامہ پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا ہے جبکہ سفیر رسولؐ نے اس وقت جو خط اسے پیش کیا ہے، اس میں پہلے خدا تعالیٰ کا نام پھر عرب روایت کے مطابق مکتوب نگار، یعنی رسول اللہ کا اسم مبارک تحریر ہے، بعد میں مکتوب الیہ خسرو پرویز کا نام درج کیا گیا ہے، تو اس کو خسرو نے اپنی تحقیر سمجھا اور آپ سے باہر ہوگیا۔

"یہ کون ہے، جس نے مجھے عرب سمجھا ہے اور جو میرا غلام ہوکر مجھے اس طرح مخاطب کرتا ہے!" غضبناک ہوکر نامہ مبارک چاک کرڈالتا ہے۔ یہ مغرور وگستاخ اس پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ فوراً اپنے زیر اثر یمن کے عامل باذان کو حکم نامہ لکھواتا ہے کہ اپنے کچھ مضبوط آدمی بھیج کر اس مدعی نبوت کو گرفتار کرکے ہمارے حضور پیش کیا جائے۔

"سفیر رسول حضرت عبداللہ جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے، غصے میں کہتے ہیں، زبان پر قابو رکھ کسریٰ، مسلمان اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکتے!"

"نکال دو اس شخص کو ہمارے دربار سے!" خسرو دہاڑتا ہے اور حضرت عبداللہ خود ہی نفرت سے اسے دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر، دربار سے باہر چلے جاتے ہیں۔

"واقعی یہ عجمی بادشاہ قابل نفرت تھا۔" حیان جو ضبط کئے بیٹھا ہے گردن جھٹک کر بولا، استاد صاحب بیان جاری رکھتے ہیں۔

"سفیر رسول کے دربار سے جانے کے بعد، خسرو نے انہیں واپس لانے کے لئے آدمی دوڑائے اور کاتب کو بلا کر خط کے پرزے جوڑنے کا حکم دیا۔ ادھر قاصد رسولؐ کو خسرو کے آدمی نہ پا سکے، کیونکہ وہ بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف واپس ہو چکے ہیں۔ پھر بدبخت خسرو نے یمن کے عامل کو ایک حکم نامہ لکھوایا جس میں اس سے کہا گیا کہ وہ حجاز میں اپنے آدمی روانہ کرے اور اس مدعی نبوت کو گرفتار کرا کے میرے حضور پیش کرے، جس نے ہمیں خط لکھنے کی جرأت کی ہے۔"

"لعنت ہو اس مردود پر" حیان مضطرب ہو کر بولا۔ "لیکن استاد محترم! ایران کے اس گستاخ نے یمن کے عامل کو کیوں لکھا؟"

"بیٹا جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بتایا، روم کی طرح فارس بھی اس زمانے کی بہت بڑی سلطنت تھی، جو دور تک پھیلی ہوئی تھی، جنوبی عرب پر بھی اس کا قبضہ تھا، جس میں یمن بھی شامل تھا، ان دنوں جب کی ہم بات کر رہے ہیں، یمن میں خسرو کی طرف سے جو عامل مقرر تھا اس کا نام باذان تھا، چنانچہ جیسے ہی اسے اپنے آقا کا خط ملا فوراً غلاموں کی طرح حکم بجالانے میں مصروف ہو گیا، اس نے اپنے دو جاں باز جو پوری ایک فوج پر بھاری ہیں، شہسواری، تیر اندازی اور سپہ گری میں بھی کمال رکھتے ہیں، مدینہ کی طرف روانہ کر دیئے کہ وہ خسرو کی مرضی کے مطابق، خاکم بدہن نبی علیہ السلام کو اسیر بنا کر اس کے پاس لے جائیں۔" استاد صاحب بتا رہے ہیں اور حیان غصے اور جوش غضب سے مضطرب ہوا جا رہا ہے۔

"لیکن بیٹا، ان سگان دنیا کی کیا طاقت اور مجال کہ وہ اللہ کے نبی پر ہاتھ ڈال سکیں۔" استاد صاحب نے حیان کے اضطراب کو محسوس کر لیا، کہنے لگے۔ "ادھر سفیر رسولؐ حضرت عبداللہ ابن حذافہ نہایت تیزی سے سفر کرتے ہوئے، حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ساری روداد، جو پیش آئی تھی، آپؐ کے گوش گزار کرتے ہیں، آپؐ بیساختہ فرماتے ہیں۔ "اس نے جس طرح میرے نامہ کو چاک کیا، اللہ اس کی سلطنت کو بھی پرزے پرزے کر دے گا۔"

"اللہ اکبر!" حیان پرجوش ہو کر بولا، اور استاد صاحب نے بیان کا تسلسل جاری رکھا ہیں۔ "عامل یمن باذان کی طرف سے بھیجے گئے قوی ترین دو ہیکل سوار، نبی کریم علیہ السلام کی تلاش میں، پہلے طائف پہنچتے ہیں، ان میں سے ایک عرب ہے جس کا نام بابویہ اور دوسرا خسرو کا ہم وطن خرخسرہ ہے، بابویہ لکھنا بھی جانتا ہے اور ریاضی داں بھی ہے، یہ دونوں طائف میں ٹھہر کر نبی کریم سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ناپاک عزم کا اظہار کرتے ہیں تو ان کے ارادوں کی خبر قریش کو ہوتی ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ روز و شب ہی انہیں ایسے خواب دیکھتے اور ایسی ہی خواہش میں جیتے گزرتی ہے کہ خاکم بدہن کوئی ایسی خبر انہیں سننے کو ملے جو رسول اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے نقصان سے متعلق ہو۔ تو اب ہم انہیں اور ان کی بدخواہی کو انہی پر چھوڑتے ہیں اور بارگاہ رسالت کا رخ کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ یہاں کیا منظر ہے۔" یہ کہہ کر استاد صاحب نے حسب عادت سر پیچھے کی طرف کر کے دیوار سے ٹکایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ "نبی کریمؐ مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہیں، صحابہ پروانہ وار آپؐ کے گرد جمع ہیں کہ حضرت بلالؓ اطلاع دیتے ہیں، حاکم یمن کی طرف سے دو سوار باریابی کے خواستگار ہیں۔" حضورؐ طلب فرماتے ہیں، طاقت اور شجاعت کے نشے میں چور دونوں نو وارد، خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں لیکن جلالت نبوت کو دیکھ کر کمزور ترین بن گئے ہیں، لرزہ براندام ہیں، منہ سے بات

نکالنا دشوار ہو رہا ہے، بڑی مشکل اور کانپتے ہاتھوں سے یمن کے عامل کا خط آپ کو پیش کرتے ہیں اور اس سے قبل کہ اپنا مدعا بیان کریں، حضور نبی کریمؐ ان کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "افسوس! یہ تم نے کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟" آپؐ کا اشارہ ان کی اس ہیئت کذائی کی طرف ہے کہ ان کی داڑھیاں صاف اور مونچھیں بڑی اور متکبرانہ انداز میں بل دی ہوئی ہیں، آپؐ فرماتے ہیں۔ "تمہیں کس نے حکم دیا ہے کہ یہ صورت بناؤ؟" عرض کرتے ہیں، "ہمارے رب، یعنی ہمارے بادشاہ کا حکم ہے۔" نبی کریمؐ فرماتے ہیں۔ "لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں چھوٹی رکھنے کا حکم دیا ہے۔" استاد صاحب خاموش ہو گئے، پھر دوسرے ہی لمحے آنکھیں کھول کر بولے۔ "بیٹا! یہ بات تمہارے ذہن میں رہنی چاہئے کہ نبی کی کوئی بات خالی از علت نہیں ہوتی، تو حضور نبی کریمؐ نے ان بہادر اور جانبازوں کی ہیئت کذائی پر یہ تبصرہ کیوں فرمایا؟ کیا راز ہو سکتا ہے اس میں؟ میں نے البتہ جو سمجھنے کی جسارت کی ہے، وہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

"جی استاد گرامی!" حیان ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"دیکھو یہ باذان کے بہادر اور مضبوط ترین آدمی غرور و طاقت کے نشے میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کے تکبر میں نہ صرف اپنی جسمانی طاقت کو دخل ہے، بلکہ وہ اس عامل کی طرف سے آئے ہیں جو ایک عالمی طاقت کا نمائندہ ہے، خسرو کا رعب و دبدبہ اور اس کے دربان کی شان و شوکت کے چرچے دور دراز علاقوں تک ہیں، تو قدرتی طور پر ان باتوں کا اظہار ان یمنی قاصدوں کی وضع قطع، نقل و حرکت اور نشست و برخاست سے بھی ہونا ضروری ہے، لیکن میری سمجھ کے مطابق، حضور نبی کریمؐ نے شروع میں ہی، ان کی ہیئت پر تبصرہ فرما کر انہیں یہ احساس دلا دیا کہ یہ خسرو کا دربار نہیں، یہ بارگاہ رسالت ہے، اور اللہ کا رسول اس طرح کی چیزوں سے مرعوب نہیں ہوتا جس کے ذریعہ تم اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے اپنے زیر اثر کرنے کی خواہش رکھتے ہو۔"

"سبحان اللہ، استاد محترم، میرا خیال ہے، آپ نے بہت درست توضیح فرمائی ہے۔"

اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ میرے رب نے مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں چھوٹی رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ہم اہل تکبہ نہیں، خاکسار اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں آدمی جو شیر بن کر آئے تھے، بکری نظر آ رہے ہیں، اپنا مدعا بھی بمشکل بیان کر پا رہے ہیں، عرض کرتے ہیں۔ "جناب اگر آپ نے ہمارے بادشاہ کے پاس چلنے سے انکار کیا تو وہ کسریٰ ہے، آپ اور آپ کی پوری قوم کو ہلاک کر ڈالے گا!" حضور نبی کریمؐ ان کی اس بات کو جو دھمکی بھی ہے اور خدشہ بھی، درخور اعتنا خیال نہیں کرتے، فرماتے ہیں۔ "اب تم جاؤ، کل آنا۔" استاد صاحب نے ایک لمحے کے لئے وقفہ کیا، پھر کہنے لگے۔ "دوسرے روز حضور نبی کریمؐ نے دونوں قاصدوں کو طلب کر کے فرمایا کہ "میرے رب کے حکم سے تمہارا آقا قتل کر دیا گیا ہے۔" قاصد یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور ابھی غیر یقینی نظروں سے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ مخبر صادق مزید فرماتے ہیں۔ "کسریٰ کا قاتل کوئی اور نہیں خود اس کا اپنا بیٹا ہے۔" دونوں قاصدوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ آنکھوں سے دیکھا۔ "یہ کس طرح ہو سکتا ہے اور اگر واقعی ایسا ہے تو یہ اطلاع راتوں رات نبوت کے ان مدعی تک کس طرح پہنچ گئی؟" یہی وہ سوال ہے جس کے جواب نے دونوں آدمیوں خصوصاً خرخسرہ کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا سچ کہتا ہے۔ یقیناً یہ نبی ہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ راتوں رات کیا لمحہ بھر میں، مشرق و مغرب کی خبروں سے آگاہ کر دیتا ہے، بابویہ کے پاس بھی اب یقین نہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہ رسول اسلام سے سن کر کسریٰ کے قتل کی تاریخ لکھ لیتا ہے۔ حضور نبی کریمؐ خرخسرہ کو ایک پٹکا عطا فرماتے ہیں جس پر سونے چاندی کے تاروں سے کام کیا گیا ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باذان کے لئے پیغام دیتے ہیں کہ ”اگر وہ اسلام قبول کرلیتا ہے تو اسے یمن پر حاکم برقرار رکھا جائے گا۔“ چنانچہ، یمن پہنچ کر، بابویہ نے باذان کو آپ کا پیغام پہنچایا اور ساری روداد سنائی اور کہا کہ آپ جو باتیں کرتے ہیں وہ کوئی والی ریاست اور بادشاہ نہیں بلکہ نبی ہی کرسکتا ہے۔ جس کے جواب میں باذان نے کہا کہ ”اگر کسریٰ کے بارے میں مسلمانوں کے امیر کی باتیں درست ثابت ہوئیں تو میں اس پیغام پر یقیناً عمل کروں گا۔“ چنانچہ چندی ہی دنوں میں اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ خسرو بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوگیا اور اب اس کا بیٹا تخت نشین ہوچکا ہے، اسی نئے کسریٰ نے، جس کا نام شیرویہ ہے اس کو اپنی اطاعت کا عہد کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی پہنچایا کہ حجاز میں مدعی نبوت سے کوئی باز پرس نہ کی جائے۔ لیکن باذان تو اب خود ہی گرفتار نبی ہوچکا ہے، اب سب سے زیادہ دلچسپی اسے اس بات سے ہے کہ وہ جس قدر جلد ہوسکے اس پیغام کو دل سے لگالے جو اسے رسول عربی کی طرف سے ملا ہے، چنانچہ وہ مزید انتظار نہیں کرتا اور اپنے رفقا سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوجاتا ہے۔“

”سبحان اللہ..... مرحبا!“ حیان نے اپنی عادت کے مطابق نعرہ مسرت بلند کیا، اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا ہے اور اسی وقت استاد صاحب ایک اور مژدہ سنا کر اس کی مسرت میں اضافہ کردیتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ”انہی دنوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا، ”کسریٰ مرگیا، اور اب اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا، اور اب قیصر ہلاک ہوگا، پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، تم ان دونوں سلطنتوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کروگے۔“ اور واللہ حیان بیٹے! بعینہ ایسا ہوا۔“ استاد صاحب نے یقین واطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

”اللہ اکبر“ حیان کی آواز حجرے میں گونجی لیکن آنکھوں میں سوال سے ابھر آئے ہیں جبکہ استاد عبدالرحمٰن اپنے شاگرد کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، فوراً اس کی طالبانہ تشنگی دور کرنے کی خاطر بولے۔ ”دیکھو، ایران کے کسریٰ خسرو نے جس متکبرانہ انداز میں والا نامہ چاک کیا تھا اور نبی کریمؐ نے فرمایا تھا کہ ”اس نے میرا خط چاک کیا ہے اللہ اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔“ تو بیٹا، نبی کے الفاظ ہوا میں تحلیل ہونے کے لئے منہ سے نہیں نکلتے۔ نبی علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا، وقت نے دیکھ لیا کہ ایسا ہی ہوا، اس کی مختصر روداد یہ ہے کہ شیریں نامی ایک حسینہ خسرو پرویز کی نور نظر تھی، اس میں اس کا بیٹا شیرویہ بھی دلچسپی لینے لگا، لیکن شیریں اس کی طرف مائل نہ ہوسکی، اس کی وجہ شیرویہ کے نزدیک یہ تھی کہ شیریں کو اس کے باپ کے تاج وتخت سے دلچسپی ہے، اس وجہ سے وہ اس سے سرد مہری دکھاتی ہے، چنانچہ اس رقابت میں شیرویہ نے ایک روز باپ کی خوابگاہ میں گھس کر اسے ہلاک کرڈالا۔

”الامان، الحفیظ!“ حیان لرز کر رہ گیا، استاد صاحب نے بیان جاری رکھا۔

”لیکن، شیرویہ کو سلطنت تو حاصل ہوگئی، شیریں نہ مل سکی، اس لئے کہ خسرو پرویز کے بعد، شیریں بھی زہر کھا کر مرگئی، ادھر شیرویہ جو کسریٰ کی حیثیت سے باپ کا جانشین بن کر ملک فارس کا تاج وتخت سنبھال چکا تھا، کل چھ ماہ کے عرصہ میں خود بھی غلطی سے زہریلی شراب یا دوا پی کر راہی ملک عدم ہوگیا، اس کے بعد خسرو کی بیٹی پوران دخت نے اقتدار سنبھالا، لیکن کل چار سال کے اندر اندر یکے بعد دیگرے کوئی دس بادشاہ ہوئے اور آخر کار آخری فرماں روا یزدگرد حضرت عمر فاروق اعظم کی خلافت میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ چار سو سالہ ساسانی حکومت چھ سو سینتیس عیسوی میں ختم ہوگئی اور یوں مخبر صادق رسول برحق حضور علیہ السلام کا قول پورا ہوگیا کہ آپ کے نامۂ مبارک کے پرزے کرنے والے خسرو کی سلطنت ریزہ ریزہ ہوکر رہ گئی۔“

”اللہ اکبر!“ حیان اپنا ردعمل کا اظہار کئے بغیر نہ رہ

سکا، استاد صاحب نے پہلو بدلا اور بولے۔ ”اب ایک اہم مملکت مصر کی بات کرتے ہیں جو اپنے حکمرانوں فراعین کے حوالے سے خاصی شہرت کا حامل ہے، نبی علیہ السلام کے دور میں عزیز مصر، مقوقس ہے، اس کی طرف حضرت حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے، تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ یہی مصر ہے جس کے فرعون کے محل میں شیر خوار حضرت موسیٰ کو اللہ نے خود اس کی گود میں آپ کی پرورش کرائی جو آپ اور آپ کی قوم کا سخت دشمن تھا، یہی مصر ہے جہاں حضرت موسیٰ نے فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق بلند کیا، پھر اس کے جادوگروں سے آپ کا مقابلہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے سحر پر غالب کیا، حق وباطل کی کشمکش اور ایک طویل جدوجہد کے بعد آخر فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم قبطی کی غلامی سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگئے۔“

”جی ہاں استاد محترم! یہ واقعات جستہ جستہ اپنے علاقے موتہ سے یہاں تک سنتا آرہا ہوں۔“

”مصر میں حضرت یوسف کی آمد کے بعد سے مصر کے حکمران فرعون کی جگہ مصر کہلاتے آرہے ہیں، مقوقس اسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو مصر کے اصل باشندے ہیں یعنی وہ قبطی النسل ہے اور مذہباً عیسائی ہے، مصر کا دارالحکومت اسکندریہ ہے، حضرت حاطبؓ رسول اللہ کا نامہ مبارک لے کر اسکندریہ پہنچے ہیں، چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد عزیز مصر کو پہنچادیں، لیکن یہاں انہیں معلوم ہوا ہے کہ مقوقس اس وقت دریائے نیل کی سیر میں مشغول ہے، چنانچہ حضرت حاطبؓ بھی بغیر انتظار کئے، ایک کشتی کرائے پر لیتے ہیں اور دریا میں سیر کے دوران ہی مقوقس کو اپنی آمد کی اطلاع کراتے اور ملاقات کی خواہش کرتے ہیں، مقوقس یہ جان کر کہ عرب کے علاقہ زمین حجاز سے مدعی نبوت نے اپنا نمائندہ مع مکتوب اس کی طرف روانہ کیا ہے، فوراً قاصد رسول کو اپنے حضور بلوالیتا ہے اور خط وصول کرکے پڑھتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کے نام اسی مضمون کا ہے جیسا کہ قیصر روم کو لکھا گیا تھا۔“ استاد صاحب اپنے سامنے رکھی وسلیوں میں سے پھر ایک وسلی کا انتخاب کرکے پڑھنے لگتے ہیں۔

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی جانب سے مقوقس عظیم قبطی کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامت رہوگے! اور اللہ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر روگردانی کروگے تو سب قبطیوں کی گمراہی کا وبال بھی تمہاری گردن پر رہے گا، اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ حق کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور آپس میں ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب تسلیم کریں اور اگر وہ پھر جائیں تو تم گواہ رہو کہ ہم تسلیم کرنے والے ہیں۔“ مقوقس نے مکتوب کا مضمون تحمل سے سنا اور ایک کنیز کے حوالے کرتے ہوئے اسے احترام وحفاظت سے رکھنے کا حکم دیا، اس کے ساتھ ہی سفیر رسول کو اعزاز کے ساتھ شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا، پھر جب کئی روز بعد، حضرت حاطبؓ نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو کئی تحفے پیش کئے اور نبی علیہ السلام کے والا نامہ کا جواب بھی لکھوا کر ساتھ کردیا۔

.....(جاری ہے)

آہ! ارفع کریم

”حسرت اس غنچے پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گیا“

کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں، سب سے کم عمر عالمی شہرت یافتہ پاکستان کی بیٹی، ارفع کریم کی رحلت پر ادارہ ”حیا“ سوگوار ہے، اللہ رب العالمین اس کو اعلیٰ مراتب سے نوازے، اس کے لواحقین بشمول اہل پاکستان کو صبر جمیل عطا فرمائے، نیز ہماری دعا ہے کہ پاکستانی بچیوں کو اس کم عمر کے فلاحی خوابوں کی تعبیر کو عمل سے ہم آہنگ کرنے کا جذبہ وارادہ بخشے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قدیم صحیفوں میں

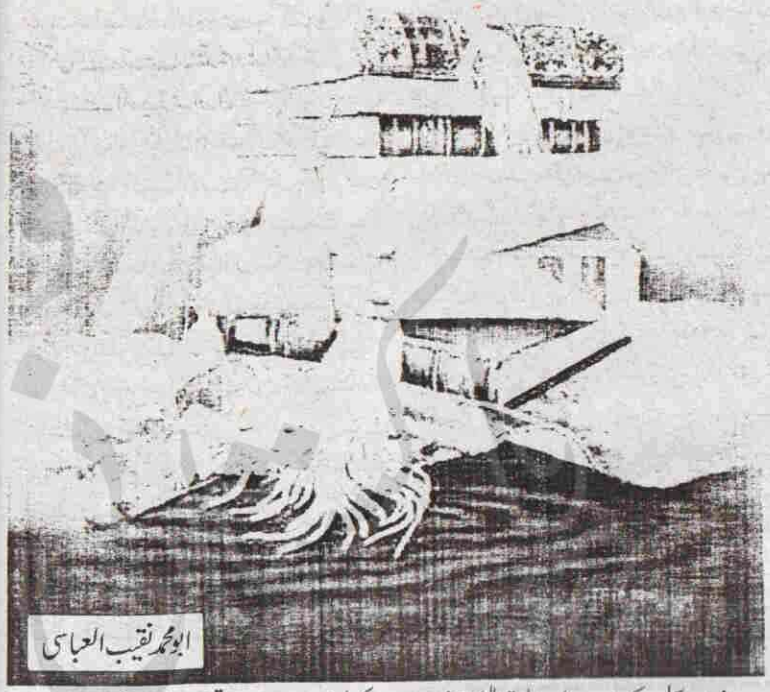

ابو محمد نقیب العباسی

انبیاء و رسل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آتے ہیں۔ قرآن مجید اور قدیم صحیفوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی۔ نبی کو ماننے یا نہ ماننے پر چونکہ آدمی کے کفر و ایمان کا انحصار ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں یہ اہتمام فرمایا ہے کہ عام اہل حق کی طرح نبی محض اپنی سیرت اور اپنی تعلیمات ہی کے بل پر دعوت کے لئے کھڑا نہیں ہو جاتا، بلکہ آسمان کے بادشاہ کی طرف سے اپنا پروانہ تقرر ساتھ لے کر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ مقدر کر دیا تھا کہ پیغمبرانہ دور کے آخری مرحلہ میں وہ اپنا ایک خاص نمائندہ بھیجے گا تاکہ خدا کا دین ہمیشہ کے لئے مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے اور خدا کی کتاب کی حفاظت کا مستقل انتظام ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس منصوبے کو "بائبل کی شہادت" کے مطابق ہزاروں برس پہلے مختلف انبیاء کے ذریعے ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کے اس مقدس سلسلے کے خاتم نبی حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی بعثت کی خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رسل نے دی ہے۔

بائبل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

موجودہ بائبل کے دو حصے ہیں: عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید، عہد نامۂ جدید عیسیٰ علیہ السلام کی اناجیل پر مشتمل ہے۔ جبکہ عہد نامۂ قدیم دیگر انبیاء کی کتب پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ترجمہ اور الحاقات کے نتیجے میں موجودہ بائبل اصل بائبل سے بہت کچھ مختلف ہو چکی ہے، تاہم آج بھی کثیر تعداد میں اس کے اندر ایسے بیانات موجود ہیں جو ایک غیر جانبدار آدمی کے لئے آنے والے آخری نبی کے سوا کسی اور ذات پر صادق نہیں آتے۔ خاص طور پر مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کا تو مشن ہی یہ تھا کہ وہ دنیا کو خصوصاً یہود کو آنے والے آخری نبی سے آخری طور پر آگاہ کریں۔ آپ نے جس نئے عہد نامہ کی بشارت دی وہ حقیقتاً اسلام تھا جو یہود کی معزولی کے بعد بنی اسماعیل کے ذریعے باندھا گیا۔ انجیل نئے عہد نامہ کی بشارت ہے نہ کہ خود نیا عہد نامہ۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہادت

اسرائیلی سلسلہ کے سب سے جلیل القدر رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر واضح کر دیا تھا کہ آنے والا نبی بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ انہوں نے اپنی قوم کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا..... میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ وہی ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔" (استثناء ۱۸:۱۵-۱۹)

عیسائی کہتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادق آتی ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام یہودی النسل تھے۔ اور آپ علیہ السلام پیغمبر بھی تھے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے۔ ہماری رائے میں تورات کی یہ پیشین گوئی صاف طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ:

(۱) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا رہے ہیں کہ "میں تیرے لئے تیرے بھائیوں سے ایک نبی برپا کروں گا۔" ظاہر ہے کہ ایک قوم کے "بھائیوں" سے مراد خود اسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی دوسری ہی ایسی قوم ہو سکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو۔ اگر مراد خود بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کی آمد ہوتی تو الفاظ یہ ہوتے کہ "میں تمہارے لئے خود تم ہی میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔" لہٰذا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لازماً بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام جن کے بیٹے، یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ اسی لئے ان کی نسل کا نام بنی اسرائیل پڑا اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل کا بنی اسماعیل۔ بنی اسرائیل اس پیشین گوئی کا مصداق بنی۔

(۲) دوسری بات بشارت میں ہے کہ یہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہوں گے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی بھی ایک مستقل شریعت ہوگی۔ یہ خصوصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بنی اسرائیل کے تمام انبیاء شریعت موسوی کے پیرو تھے، ان میں سے کوئی بھی نئی مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام اس کا مصداق نہیں ہو سکتے، کیونکہ:

☆..... موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسلم دونوں کے والدین تھے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام معجزانہ طریقے سے بن باپ کے پیدا ہوئے۔

☆.....موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے شادیاں کیں اور ان کے ہاں اولاد ہوئی جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تمام عمر کنوارے رہے۔

☆.....موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو ان کی اپنی قوموں نے پیغمبر تسلیم کیا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائبل میں ہے:

''وہ اپنے گھر آیا اور اس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔'' (یوحنا ۱:۱۱)

آج دو ہزار سال بعد بھی عیسیٰ علیہ السلام کی قوم یہود نے انہیں تسلیم نہیں کیا۔

☆.....موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے ہجرت کی اور انہیں اقتدار حاصل ہوا۔

☆.....موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قدرتی طور پر فوت ہوئے، زمین میں دفن ہوئے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

(۲) صحابہ کرامؓ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہادت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی آخری وصیت میں فرمایا:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔'' (استثناء ۳۳:۱-۳)

فتح مکہ کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے۔ نیز خدا کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے۔ کوہِ سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، کوہِ شعیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کوہِ فاران سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ تورات باب پیدائش میں ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو جس جگہ چھوڑ کر آنے کا ذکر ہے:

''اور وہ فاران کے بیابان میں رہنے لگا۔'' (۲۱:۲۰)

مسلم علماء کے نزدیک کوہِ فاران مکہ کی پہاڑی کا نام ہے، جبکہ عیسائی علماء کے نزدیک فاران بیناء میں ہے۔ مسلمان علماء کا سوال یہ ہے کہ پھر وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کہاں آباد ہے؟

بائبل کی تحریف کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ انگریزی ترجمہ King James Version میں تحریر شدہ دس ہزار کے الفاظ کو اب اردو ترجمہ میں لاکھوں سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۳) حبقوق نبی کا صحیفہ:.....''اور وہ جو مقدس ہے کوہِ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ (۳:۳-۴)

''اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا''..... یہ معراج آسمانی کی تشریح ہے۔ ''اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی''.....زمین کا کون سا گوشہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد سے آباد نہیں۔

(۴) مدینہ کے کوہِ سلع اور واقعہ ہجرت کا ذکر

☆.....بیاباں (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار (اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے) کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔'' (یسعیاہ ۴۲:۱۱)

☆.....''عرب کی بابت بارِ نبوت: اے دوانیوں کے قافلو! تم عرب کے صحرا میں رات کاٹو گے۔ پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ، تیما (اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے) کی سرزمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے ننگی تلوار سے، کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔'' (یسعیاہ ۲۱:۱۴-۱۵)

کیا آنے والے کی اس آمد پر دامن سلع کے

رہنے والے ''طلع البدر علینا'' کے گیت نہیں گا رہے تھے، انہی کی للکار سے قیدار کی اولاد (قریش مکہ) کی عظمت بدر کے کنوئیں میں غرق ہوئی۔

(۵) جنگ بدر کا ذکر

''ٹھیک ایک سال مزدوروں کے ایک سال میں قیدار (یعنی قریش مکہ) کی ساری حشمت خاک میں مل جائے گی۔'' (یسعیاہ ۲۱:۱۶)

جنگ بدر میں قریش کے تقریباً تمام بڑے سردار مارے گئے۔

اسی سلسلۂ کلام میں یسعیاہ علیہ السلام کی مزید پیشین گوئیاں اس طرح ہیں:

☆.....''خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا..... وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا..... جو کھودی ہوئی مورتیوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔'' (یسعیاہ ۴۲:۱۳-۱۷)

یقیناً یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد نہیں، نہ وہ ایک جنگی مرد کی مانند دنیا میں آئے، نہ انہوں نے توحید قائم کی اور بت پرستی ختم کی۔ علاوہ ازیں اس مکمل پیشین گوئی میں اس طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار (یعنی قریش) کی نسل سے ہوگا اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے، نیز فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں قریش کی ندامت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

☆.....''وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔'' (یسعیاہ ۴۲:۵)

یعنی جب تک ان کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی ان کو موت نہ آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ وصف صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ اس وقت تک دنیا میں تشریف فرما رہے، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن مکمل نہ ہوگیا۔

☆.....''جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔'' (یسعیاہ ۴۲:۱۶)

یہ اسلام ہی تھا جس کی شریعت نہر یحون سے دجلہ و فرات سے ہوکر بحیرۂ روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہوگئے۔

☆.....''اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔'' (یسعیاہ ۴۲:۱۶)

یعنی امیوں کا پیغمبر ہوگا، یہ صفت اہل عرب کی ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی صاحب شریعت پیغمبر نہیں ملا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تھے، جن کو شریعت مل چکی تھی۔

''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنے ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو، آئے گا۔'' (ملاکی ۳:۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر اس طرح اچانک مکہ پہنچے ہیں کہ صحابہؓ کی دس ہزار فوج جب مکہ کے قریب پہنچی اور رات کو کھانا پکانے کے لئے چولہے روشن کئے گئے تب مکہ والوں کو آپ کے آنے کا علم ہوا اور وہ بالکل مزاحمت نہ کر سکے۔

(۷) زبور میں مکہ کا ذکر

داؤد علیہ السلام اس گھر کی تمنا میں بے چین ہوکر فرمایا کرتے تھے:

''مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں وہ سدا تیری تعریف کریں گے..... وہ وادی بکہ سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔'' (زبور ۸۴:۴:۶)

قرآن نے بھی مکہ کا نام ''بکہ'' بتایا، حتیٰ کہ قرآن کے مشہور دشمن مارگولیوتھ نے بھی گواہی دی کہ زبور کا یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بلکہ" عرب کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

"خدا کیلئے گاؤ۔ اس کے نام کی مدح سرائی کرو۔ صحرا کے سوار کے لئے شاہراہ تیار کرو۔" (زبور ۶۸:۴)

کیا صحرا کے یہ سوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور ہو سکتے ہیں؟

(۸) یہود کی سلطنت کا خاتمہ

"یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، جب تک کہ وہ نہ آیا جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔" (پیدائش ۴۹:۱۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت یہود کے پاس یمن اور سبا کا اقتدار تھا۔ مدینہ اور بعد ازاں خیبر میں بھی کچھ عرصہ ان کے پاس اقتدار رہا۔ اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ یروشلم کی یہود کی سلطنت ان کی پیدائش سے 62 سال پہلے ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے اسے ختم نہیں کیا۔ یہود کا اقتدار حقیقتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل ختم کیا۔

(۹) سلیمان علیہ السلام کی غزل الغزلات

یہ غزل دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عظیم الشان پیشین گوئی ہے تاہم ترجمہ کرتے ہوئے اس کو بالکل بدل کر رکھ دیا گیا ہے۔ ایک پیرا یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ اس کا سر خالص سونا ہے۔ اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سی کالی ہیں..... اس کا منہ از بس شیریں ہیں۔ ہاں! وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا۔" (۵:۱۰-۱۶)

"وہ سراپا عشق انگیز ہے"..... اس کا انگریزی ترجمہ بائبل میں He is altogether desirable کیا گیا ہے۔ جبکہ اصل عبرانی زبان میں موجود بائبل میں اصل الفاظ کا تلفظ W a k u l l o Muhammadim یعنی "وقلو محمدیم" ہے۔

عبرانی میں کسی کی عزت افزائی کے لئے اسے جمع کے صیغہ سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے نام کے آخر میں im لگا دیا جاتا ہے۔ پیشین گوئی کے ہا الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور شیریں گفتا ہونا بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے سیاہ اور ہلکے گھنگریالے ہونے کا بھی ذ ہے۔ یہ سراپا وہی ہے جو شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے۔ نیز فتح مکہ پر دس ہزار صحابہ میں آپ کے ممتاز ہو کا ذکر بھی ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام فرما رہے ہیں:

"وہ ٹھیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میرے محبوب میری جان۔"

انجیل کی پیشین گوئیاں

☆..... "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا، وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (یوحنا ۱۶:۱۲-۱۴)

☆..... "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا لیکن دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (یوحنا ۱۴:۳۰)

☆..... "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خدا کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے گی، دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن جس پر وہ گرے گا، اسے پیس ڈالے گا۔" (متی ۲۱:۴۳-۴۵)

☆..... "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا ۱۴:۱۶)

☆..... "پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے..... اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔" (مکاشفہ ۱۹:۱۱-۱۵)

پارسی مذہب کے صحیفے میں

پارسی مذہب بھی دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے، اس کی دو الہامی کتب ہیں، دساتیر اور زند اوستا۔ دساتیر 14 جو (Sasanil) کے نام سے منسوب ہے، اس میں نہ صرف اسلام کے عقائد و تعلیمات کی تصدیق ہے بلکہ ایک واضح پیشین گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں ہے:

"جب ایرانی اخلاقی اعتبار سے زوال کا شکار ہوں گے، ایک انسان عرب میں پیدا ہوگا جن کے پیروکار ایرانیوں کی سلطنت، مذہب غرض ہر چیز کو تہہ و بالا کر دیں گے۔ ایران کے سرکش زیر کر لئے جائیں گے۔ وہ گھر جو بنایا گیا تھا (ابراہیم علیہ السلام کے خانہ کعبہ بنانے کی طرف اشارہ) اور جس میں بہت سے بت رکھ دیئے گئے ہیں بتوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ اور لوگ اپنی نمازیں اس طرف رخ کر کے پڑھیں گے، ان کے پیروکار ایرانیوں کے بڑے بڑے شہروں میں طوس اور بلخ اور ارد گرد کے اہم علاقوں پر قبضہ کر لیں گے۔ لوگ ایک دوسرے سے گھل مل جائیں گے۔ ایران کے عقلمند لوگ اور دوسرے، ان کے پیروکاروں کے ساتھ مل جائیں گے۔" (۹:۹)

یہ پیشین گوئی اس کتاب میں ہے جو ہمیشہ سے پارسیوں کے پاس ہی رہی ہے اور اس کے الفاظ کی دو توجیہیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ آنے والا عرب ہوگا، ایرانی ان کا مذہب اختیار کر لیں گے۔ کیا یہ پیشین گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے پر بھی چسپاں ہو سکتی ہے؟

ہندوؤں کی دیدوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

☆..... "اے لوگو، سنو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے درمیان مبعوث کیا جائے گا۔ اس مہاجر کو ہم ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں سے پناہ میں لیں گے۔ جس کے ساتھ بیس اونٹ ہوں گے اس کی سواری اونٹ ہوگی جس کی عظمت آسمانوں کو بھی جھکا دے گی، اس عظیم رشی کو سو سونے کے سکے، دس مالائیں، تین سو عربی گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کی گئیں ہیں۔" (اتھروید: کنڈہ ۲۰ سکتہ ۱۲۷، منتر ۱، ۲، ۳)

اس میں سو سونے کے سکے سے مراد مہاجرین حبشہ، دس مالائیں سے مراد عشرہ مبشرہ، تین سو گھوڑے سے مراد، اصحاب بدر، اور دس ہزار گائیں سے مراد، فتح مکہ کے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دس ہزار ساتھی ہیں۔

☆..... "ایک ملیچھ (اجنبی ملک کا اجنبی زبان بولنے والا) روحانی استاد اپنے ساتھیوں کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ ان کا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم..... راجہ بھوج ان سے پوری تعظیم دینے کے بعد کہے گا، میں اظہار اطاعت کے لئے تیرے آگے جھکتا ہوں۔ اے فخر انسانیت! اے ریگستان کے باشندے! آپ نے شیطان کو شکست دینے کے لئے ایک عظیم طاقت اکٹھی کر لی ہے۔ آپ کو اس کے دشمنوں سے تحفظ دیا گیا ہے۔ اے پاک خدا! عظیم خدا کی تصویر مجھے اپنی پناہ میں آیا ہوا غلام سمجھو۔" (بھوشیہ پران پرتو نگ پرو، تیسرے کھنڈ تیسرے ادھائے اشلوک ۵-۸)

اب اس پیشین گوئی کے بارے میں چند باتیں:

☆..... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام واضح طور پر لکھا گیا ہے۔

☆..... ان کے وطن کے بارے میں سنسکرت کا لفظ مارو ستھل، یعنی ریتلا قطعہ یا صحرا۔

☆..... پیغمبر کے ساتھیوں کی طرف خاص طور پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشارہ کیا گیا ہے، آپ سے پہلے شاید ہی کوئی ایسے نبی/ بزرگ گزرے ہوں جن کے اتنے زیادہ انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ساتھی ہوں۔

☆.....انہیں گناہوں سے پاک کہا گیا ہے۔

☆.....انہیں پرتی ناتھ (فخر انسانیت) کہا گیا ہے۔

☆.....رگ وید (۱-۱۱۹-۹) میں ہر منتر کے آخر میں ایک ہی جملہ آگنی (خدا) کا راز ریگستانی امت (یعنی مسلمانوں) کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔'' بار بار دہرایا گیا ہے۔

☆.....حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لئے ویدوں میں نراشنس کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں قابل تعریف، سنسکرت کے اس لفظ کا بالکل صحیح متبادل عربی لفظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رگ وید میں سولہ جگہ آپ کا نراشنس (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے ذکر ہے۔ یجر وید میں دس جگہ، اتھر وید میں چار جگہ اور سام وید میں ایک جگہ، اس طرح چاروں ویدوں میں کل ملا کر 31 جگہ نراشنس (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے آپ کا ذکر ہے۔

☆.....پنڈت وید پرکاش سنسکرت کے ایم اے ہیں اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کر رکھی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''کلکی اوتار اور محمد صاحب'' (حال طبع: ڈاکٹر اظہر وحید B-106) گرین ویو سوسائٹی، شیخوپورہ روڈ، لاہور) لکھی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں سنسکرت کے آٹھ مشہور عالموں کے تصدیقی نوٹ ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ چوبیسویں اور آخری اوتار جن کا ہندو ابھی تک انتظار کر رہے ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ انہوں نے اس کے لئے اپنی مذہبی کتب کو بطور ثبوت پیش کیا ہے:

☆.....کلکی اوتار کا زمانہ تلوار سے جنگ اور گھوڑوں کی سواری کا زمانہ ہوگا اور خود کلکی اوتار شو (گھوڑا) اور کھڑک (تلوار) استعمال کریں گے۔

☆.....کلکی اوتار کے مقام پیدائش کے بارے میں شنبھل گرام'' کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کے معنی شانتی استھان یعنی دارالامن ہے اور یہ بات مکہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ہے اس پر صادق آتی ہے۔

☆.....مذہبی کتابوں میں کلکی اوتار کو جگت گرو (دنیا کا رہنما) کہا گیا ہے۔ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین (پوری دنیا کے لئے رحمت) کہتا ہے۔

☆.....کلکی اوتار کی والدہ کا نام ''سوم وتی یا سومتی'' بتلایا جاتا ہے جس کے معنی ہیں ''امن والی'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ یعنی امن والی تھا۔

☆.....ان کے والد کا نام وشنو یس یعنی وشنو کا پالک۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ یعنی اللہ (وشنو) کا بندہ (پالک)

☆.....کلکی اوتار کو اتم اوتار یعنی آخری اوتار کہا گیا ہے۔ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین (اتم اوتار) کہتا ہے۔

اس بارے میں مزید تفصیل کے لئے شمس نوید عثمانی کی کتاب ''اگر اب بھی نہ جاگے تو'' اور ابن اکبر الاعظمی کی کتاب ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہندو کتابوں میں'' پڑھیں۔

آخری بات:..... وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کے آنے کی منادی انبیاء و رسل علیہ السلام ہر ہر زمانے میں کرتے رہے ہیں۔ جن کی آمد کے لوگ صدیوں منتظر ہے۔ اس آرزو کے ساتھ جیئے کہ وہ آئیں تو ان کی راہ میں دیدۂ و دل فرش راہ کریں۔ کس قدر خوش قسمت ہیں ہم!..... ہمیں خدا نے انہی کی امت میں سے پیدا کیا۔ جتنا بڑا یہ احسان ہے، اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہے کہ ہم ان کے لائے ہوئے پیغام اور احکام کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟!!.....

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

☆.....☆.....☆

جب پو پھٹی

ایمان لانے کی پاداش میں صحابہ کرامؓ پر کفار و مشرکین کی جانب سے کی گئی سختی اور صحابہ کرامؓ کی ایمان پر ثابت قدمی پر لکھی گئی ایک محاکاتی تحریر

تاریخ کے اوراق سے قارئین ''حیا'' کیلئے خوبصورت انتخاب

سمیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یاسر کافی دن چڑھے گھر سے نکلتا ہے، لیکن ایک روز جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو اپنے بستر سے نہیں اٹھا، نہ کوئی لفظ زبان سے نکالا، بلکہ یونہی خاموش گم سم اپنی جگہ لیٹا پڑا رہا، جو شخص آج تک سکوت و سکون سے نا آشنا رہا ہو، اس کا آج اس طرح چپ چاپ پڑا رہنا اسے گوارا نہ ہو سکا، پاس جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذرا جھجکتے ہوئے اس کی مزاج پرسی کرنے لگی، بولی:

"کیا حال ہے یاسر؟ کیا کوئی تکلیف ہے؟"

یاسر نے بڑی دھیمی آواز سے جواب دیا، کہنے لگا:

"نہیں کوئی بات نہیں، ٹھیک ہوں۔"

سمیہ بولی:

"پھر کیا بات ہے، آج تم نے گھر میں شور نہیں مچایا؟ دیکھو گھر کیسا سونا پڑا ہے۔"

یاسر بولا:

"واہ ری سمیہ! تو بھی عجیب ہے، تجھے آخر کیسے خوش رکھوں؟....."

اس کے بعد اس کی آواز آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتی گئی، کہنے لگا:

"اگر کچھ بولتا ہوں اور ہنسی مذاق کرتا ہوں تو کہتی ہے میری نیند خراب کردی اور اگر چپ رہتا ہوں تو کہتی ہے گھر سونا پڑا ہے، شور کیوں نہیں مچاتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے، جس کی وجہ سے تمام ہنسی مذاق کی باتیں بھول گیا ہوں۔"

سمیہ مسکرا کر کہنے لگی:

"خدا کرے تم روز ایسا بھیانک خواب دیکھو اور شور کرنا بھول جاؤ! اس طرح مجھے نیند پوری کرنے کا موقع تو مل جائے گا۔"

یاسر مسکرا دیا، لیکن اس کی باچھیں کھلیں اور فوراً بند ہوگئیں، چہرہ چمکا اور افسردگی طاری ہوگئی، کہنے لگا:

"نہیں سمیہ! یہ کوئی ایسا ویسا خواب نہیں، یہ کچھ غیر معمولی قسم کا تھا، اس کی ضرور کوئی نہ کوئی تعبیر ہوگی، کیونکہ مجھے آئے دن بہت سے خواب نظر آتے رہتے ہیں، لیکن جاگتے ہی ذہن سے اتر جاتے ہیں، مگر یہ خواب کچھ عجیب قسم کا ہے، اس کا پورا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے، اس کا خیال میرے دل سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں جاتا، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اب بھی میں اسے دیکھ رہا ہوں۔"

سمیہ بولی:

"تو کچھ سناؤ تو سہی، شاید اس کو بیان کرنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔"

یاسر نے کہا:

"میں تمہیں اصل خواب نہیں سناؤں گا، اس کا بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں، البتہ اس واقعہ کا ایک ہلکا سا خاکہ کھینچ کر بتاؤں گا، جو میں نے خواب میں دیکھا اور اب بیداری میں بھی میری نگاہوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔"

"وہ ایک وادی تھی، نہ بہت زیادہ چوڑی چکلی نہ بہت زیادہ تنگ، بس درمیانہ درجہ کی تھی، اس کے دونوں جانب دو بڑے بڑے پہاڑ تھے، اتنے اونچے اتنے اونچے کہ ان کی چوٹی تک نگاہ نہیں پہنچتی، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جگہ جگہ سے پھٹ گئے ہیں اور ان میں بے شمار گہری گہری دراڑیں پڑ گئی ہیں، ان دراڑوں میں سے ہولناک آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں، جو ایک دوسرے کی طرف لپک لپک کر جا رہے ہیں، ان شعلوں اور لپٹوں کے ملنے سے تمام وادی میں آگ اس طرح بہہ رہی ہے جیسے سیلاب کا پانی بہتا ہے، اس وادی کے پرلی جانب میری نظروں کے بالکل سامنے ایک سرسبز مرغزار ہے جس میں ٹھنڈے پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں، یہ آگ وہاں تک نہیں پہنچتی بلکہ اس سے پرے ہی رک جاتی ہے، میں نے دیکھا کہ اس سبزہ زار میں تم کھڑی ہو، تمہاری جوانی واپس لوٹ آئی ہے اور چہرہ ایسے چمک رہا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند ہو، مجھے دیکھ کر تم مسکرا رہی ہو، نگاہوں اور اشاروں سے بلا رہی ہو اور آواز بھی دے رہی ہو، میرے پیچھے عمار کھڑا ہے اور اس آگ میں گھس جانے کے لئے مجھے ابھار رہا ہے، محبت بھری آواز میں کہہ رہا ہے، ابا جان! بڑھیئے تو سہی، آپ کو کچھ نہیں ہوگا، یہ چند چنگاریاں ہی تو ہیں، حد سے حد ایک دو چھالے پڑ جائیں گے، اس سے پرے تو

دیکھئے کیسا ہرا بھرا باغ ہے اور اماں سمیہ کو دیکھئے وہاں جا کر جوان ہوگئی ہیں، آپ کا شباب بھی ان کے قریب کھڑا آپ کا انتظار کر رہا ہے۔" ادھر یہ اکسا رہا تھا، ادھر تم بلا رہی تھیں، تمہاری آواز میرے کانوں میں برابر آ رہی تھی، آخر مجھ سے نہ رہا گیا، لیکن میں آگ میں گھسنے ہی کو تھا کہ اس کی لپٹ لگتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔"

یہ کہہ کر بوڑھے نے سر پیٹ لیا اور چیخنے لگا:

"ہائے! ہائے!! اس آگ کی جلن مجھے اب تک محسوس ہو رہی ہے۔"

سمیہ تڑپ اٹھی، بے قرار ہو کر کہنے لگی:

"خدا تمہیں ہر بلا سے بچائے! کچھ فکر نہ کرو، آؤ اٹھو کچھ کھا پی لو، پھر باہر جا کر ہمارے کسی کاہن کو یہ بھیانک خواب سنانا، شاید وہ اس کی تعبیر بتا سکیں۔"

اس روز شام بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ خواب خود ہی مجسم تعبیر بن کر سامنے آ گیا، حتیٰ کہ یاسر کو آگ کی جلن بھی محسوس ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

سمیہ کو خواب سنانے کے بعد یاسر مسجد چلا گیا، وہاں بنی مخزوم کی مجلس میں پہنچا تو سلام کر کے بیٹھ گیا، مگر سب اپنی اپنی باتوں میں مشغول رہے، جیسے انہیں اس آنے والے کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے، وہ جانتا تھا کہ مخزوم ہمیشہ سے گھمنڈی، مغرور اور متکبر ہیں، اگر ابوحذیفہ سے کئے ہوئے عہد کا پاس نہ ہوتا تو وہ مخزوم کو چھوڑ کر کبھی کا کسی دوسرے قریشی قبیلہ سے جا ملا ہوتا، لیکن اس نے جس طرح ابوحذیفہ کی زندگی میں اس سے وفا کی، اسی طرح اس کی وفات کے بعد بھی میں معاہدہ کا پابند رہا۔

یاسر جب مخزوم کی مجلس میں شریک ہونے آ رہا تھا تو اس کا ارادہ تھا کہ یہاں آ کر ان کو اپنا بھیانک خواب سنائے گا، تاکہ اس طرح ایک طرف ان کی دلچسپی کا سامان مہیا ہوجائے، دوسری جانب شاید وہ اس کی کوئی تعبیر بتا سکیں، لیکن جب اس نے ان کی یہ سرد مہری اور بے التفاتی دیکھی تو زبان بند رکھی اور چپ سادھ کر بیٹھ گیا، وہ تو غنیمت ہوا کہ وہ اس بات کا خوگر ہو چکا تھا کہ ان مغروروں کے پاس خاموش بیٹھا رہتا، یہاں تک کہ یہ لوگ اپنی باتوں سے فارغ ہو کر خود ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر وہ ان کے کبر و نخوت کی تضحیک کرتا اور ہنسی مذاق میں ایسی کھری کھری باتیں سناتا جو عام طور پر انہیں پسند نہ ہوتی تھیں، تاہم اسے زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا، کسی نے اس سے بات چھیڑ ہی دی۔

یہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) ہے، اچانک پوچھ بیٹھتا ہے:

"کیوں یاسر! آج تمہیں اتنی دیر کیسے ہوگئی؟"

یاسر نے مذاقیہ انداز میں کہا:

"کوئی بات تو ہوگی ہی ابوالحکم جو اتنی دیر ہوئی۔"

عمرو بن ہشام نے کینے اور غصہ کو دل میں پوشیدہ رکھتے ہوئے کہا:

"اچھا، لیکن مجھے تم سے ایک بات پوچھنی ہے جو اب تک میرے لئے ایک راز بنی ہوئی ہے۔"

یاسر نے پوچھا۔

"وہ کیا؟"

عمرو بن ہشام نے کہا:

"وہ یہ کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ تم ہمارے معبودوں کے پاس گئے ہو، یا ان کو اچھے الفاظ سے یاد کیا ہو۔"

یاسر نے ہنس کر کہا:

"تو کیا کبھی برے الفاظ سے یاد کرتے بھی سنا ہے؟ یا کبھی دیکھا ہے کہ میں نے تمہارے معبودوں کو کبھی کوئی تکلیف پہنچائی ہو؟"

عمرو بن ہشام نے کہا:

"تو وہ ہمارے ہی معبود ہوئے نا..... تمہارا تو ان سے کوئی تعلق ہی نہیں؟"

یاسر نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟"

عمرو بن ہشام کے چہرے اور آواز دونوں میں غیظ وغضب کے آثار نمایاں ہو گئے، کرخت آواز میں بولا:

"ہاں ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کون ہمارے ساتھ ہے اور کون ہمارے خلاف، کیوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مکہ کا ہر باشندہ اپنے دل کی بات ظاہر کر دے اور اپنا مافی الضمیر صاف بیان کر دے اب تک ہم نے اپنے حلیفوں سے بہت نرمی برتی ہے اور ہمیشہ درگزر سے کام لیتے رہے ہیں لیکن آج سے ہم ان کی ذرا بھی رو رعایت نہیں کریں گے۔"

یاسر نے کہا:

"ابوالحکم ذرا سنبھل کر بات کرو، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جب سے میں تمہارے چچا ابوحذیفہ کا حلیف بنا ہوں اور تمہارے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہونے کا عہد کیا ہے اس وقت سے اب تک میری طرف سے نہ تم نے کوئی ایسی بری بات دیکھی ہے نہ تمہاری قوم نے دیکھی ہے، لیکن اب میں تم سے ایسی باتیں سن رہا ہوں کہ جب سے حرم مکہ میں آیا ہوں اب تک سننے میں نہیں آئیں۔"

عمرو بن ہشام نے کہا:

"تو گویا اس عہد کے مطابق آج سے تم اپنے بیٹے عمار کے دشمن ہو؟"

یہ کہہ کر وہ ٹھٹھا مار کر ہنسا، لیکن اس کی ہنسی میں خوشی سے زیادہ غصہ کی جھلک تھی۔

یاسر نے کہا:

"ابوالحکم! ذرا صاف صاف باتیں کرو، آج تو تمہاری کوئی بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

عمرو بن ہشام نے کہا:

"کیا تمہیں نہیں معلوم، کل سے تمہارا بیٹا بے دین ہو گیا ہے اور محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو ماننے لگا ہے؟"

یہ سنتے ہی یاسر کے ہوش وحواس قائم نہ رہے اور وہ غش کھا کر گر پڑا، زبان رک گئی، چہرہ زرد پڑ گیا اور پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا، یہ منظر دیکھ کر سرداران مخزوم ایک دوسرے کی طرف گھور گھور کر تعجب سے دیکھنے لگا۔

عمرو بن ہشام کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کا چچا ولید بن مغیرہ بول پڑا، کہنے لگا:

"بھتیجے! بس کرو، اس بوڑھے سے ذرا نرمی برتو، دیکھو بیچارے کی کیا بری حالت ہو گئی ہے، اس کے بیٹے کے گناہوں کی اس پر کوئی ذمہ داری نہیں، کیونکہ اب وہ چالیس سے زیادہ کا ہو چکا ہے۔" اسی دوران میں یاسر کے حواس بھی آہستہ آہستہ درست ہو گئے، جب اس نے دیکھا کہ سب لوگ خاموش ہیں تو عمرو بن ہشام سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"بڑی شرم کی بات ہے، ابوالحکم..... تم اپنے حلیف سے بدسلوکی کرتے ہو! خدا کی قسم میں نے عمار کو نہ کل دیکھا ہے نہ آج دیکھا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت سے اب تک اس کا کیا حال رہا ہے، اب تک اس سے میری ملاقات ہی نہیں ہوئی، تم بالکل بے موقع سختی کرتے ہو، ملامت کرتے وقت نہیں دیکھتے کہ دوسرے کا کوئی قصور بھی ہے یا نہیں، بس زبان چلانے سے کام ہے، جس پر بس چلتا ہے سختی شروع کر دیتے ہو، آخر ارقم بن ابی ارقم پر سختی کیوں نہیں کرتے جو تمہاری ہی طرح مخزوم کا سردار ہے اگر بقول تمہارے عمار بے دین ہو گیا ہے تو اس سے پہلے ارقم بھی تو اسی کی طرح بے دین ہو گیا ہے، بلکہ اس نے تو اپنے گھر کو محمدؐ کے لئے وقف کر دیا ہے، وہاں اس کے ساتھی آ کر اس سے ملتے ہیں اور وہیں سے وہ اپنی دعوت پھیلاتا ہے اور تمہارے معبودوں کو برے کلمات سے یاد کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم ارقم بن ابی ارقم سے ڈرتے ہو کیونکہ اگر تم نے اس پر ذرا انگلی اٹھائی تو اندیشہ ہے کہ اس کے بھائی بند اس کی پشت پناہی کو اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن میرے حلیف تمہارے چچا ابوحذیفہ یہاں موجود نہیں ہیں، اگر وہ آج زندہ ہوتے تو تم یہ سلوک

کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لیتے۔"

یہ کہہ کر وہ اداس قلب اور شکستہ دل گرتا پڑتا اٹھا اور گھر کو چل دیا۔

☆.....☆.....☆

جیسے ہی وہ گھر کے دروازے سے داخل ہوا، گھر کی ہر چیز اسے بدلی ہوئی نظر آئی، گھر والے کسی اور ہی حالت میں تھے، سارا سماں بدلا ہوا تھا، بیوی کو دیکھا تو بڑی خوش وشاش بشاش پھر رہی تھی، قریب آتے ہی بھاگ کر اس سے لپٹ گئی، نہایت مسرت آمیز لہجے میں کہنے لگی:

"یاسر! مبارک ہو، آج عمار دنیا اور آخرت کی بھلائی ہمارے پاس لایا ہے۔"

یاسر نے تعجب سے کہا:

"آخرت! آخرت کیا؟..... کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں تو آج کل بڑا تنگ آ گیا ہوں، راتوں کو خوابوں نے پریشان کر رکھا ہے، دن کو لوگوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، عجب مصیبت کا سامنا ہے۔"

ادھر سے عمار بولا:

"اباجان! مبارک ہو! میں آج آپ کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔"

یاسر نے کہا:

"بتاؤ گے بھی آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟ لوگ تو کہتے ہیں تو بے دین ہو گیا ہے! کم بخت! اپنے ماں باپ کے لئے کیا مصیبت کھڑی کر لی ہے؟"

عمار ہنس کر کہنے لگا:

"بلکہ یوں کہئے کہ کیا نعمت حاصل کر لی ہے! کیوں کہ میں تو آپ دونوں کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، بے شک کسی نے آپ سے کہا ہوگا کہ میں بے دین ہو گیا ہوں، لیکن فی الحقیقت میں بے دین نہیں ہوا، بلکہ اس خدا کی فرماں برداری اختیار کر لی ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے اور سورج چاند اور ستاروں کو پیدا کیا اور محمدؐ کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا کہ وہ ہمیں سیدھی راہ دکھائیں۔"

بوڑھا یاسر بڑی توجہ سے یہ باتیں سنتا رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کے بیٹے کی یہ تمام باتیں کانوں سے گزرے بغیر سیدھی اس کے دل میں جا کر پیوست ہو رہی ہیں۔

بوڑھا یاسر چپ سادھے خاموش پڑا تھا لیکن کبھی کبھی زبان سے یہ الفاظ نکل پڑتے تھے۔

"اچھا یہ ہے وہ! یہ ہے وہ!!"

عمار نے نرمی سے پوچھا:

"اباجان! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

یاسر نے بات کرنی چاہی، لیکن اس کا حلق خشک ہو گیا تھا، اس وقت اس کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو گر رہے تھے۔

اس نے کہا:

"بے شک یہی ہے وہ! بیٹا آج تم نے بڑی پرانی بات یاد دلا دی، یہ بات میرے اور ابوحذیفہ کے درمیان ہوئی تھی، جب کہ میں شروع شروع مکہ میں آیا تھا، اس وقت میری عمر بمشکل بیس برس ہوگی، بات یہ تھی کہ وہ اپنے معبودوں کے پاس جا کر مجھ سے حلف باندھنا چاہتا تھا، میں نے ان کے پاس جانے سے انکار کر دیا تو سبب پوچھنے لگا، میں نے کہا کہ "اگر میں کسی کو اپنا معبود بناتا تو سمندر کو بناتا جس کی وسعت وبیکرانی سے بعض اوقات میں سہم بھی جاتا ہوں، یا سورج ہی کو بناتا جو کم از کم مجھے روشنی تو دیتا ہے ورنہ تاروں کو بناتا جو مجھے راستہ بتاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی خوف ورغبت پیدا کر کے مجھے ان کی عبادت یا پرستش پر آمادہ نہ کر سکی۔" تو بیٹا! تمہیں اب محمدؐ نے بتایا کہ ان تمام چیزوں کا ایک خالق ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور جو ان کا انتظام کرتا ہے..... تو یہ ہے وہ!"

یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا اور کافی دیر تک جھکائے رہا، پھر جب اٹھایا تو بدستور آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، روتا جاتا تھا اور کہتا تھا:

"بے شک یہی ہے وہ! اسی کی خاطر میں وطن کو چھوڑ کر پردیس میں رہا۔"

پھر وہ سمیہ کی طرف مڑ کر اس کا سر سہلاتے ہوئے بولا۔

"سمیہ تیری ہی محبت نے مجھے اس وقت کے انتظار پر آمادہ کیا۔"

اب اس کے آنسو تھم چکے تھے، لیکن داڑھی کے بالوں میں اشک کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، سر اٹھا کر وہ اپنے بیٹے عمار سے کہنے لگا:

"بیٹا! محمدؐ کے پاس ہمیں کب لے چلو گے؟ ہم بھی تو ان کی باتیں سنیں۔"

عمار نے کہا:

"ابھی چلے چلئے!"

اس روز شام ہوئی تو ابوجہل (عمرو بن ہشام) قبیلہ مخزوم کے چند آزاد اور غلام نوجوانوں کو ساتھ لے کر یاسر کے گھر آیا، اس نے عمار اور اس کے ماں باپ کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور ان کے گھر کو آگ لگا دی۔

ابوجہل کے لوگ ان کو گھسیٹ گھسیٹ کر ایک کوٹھری میں قید کرنے لے جا رہے تھے اور بوڑھا یاسر سمیہ سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو سمیہ! آج پہلا دن ہے کہ میرا وہ خواب میرے سامنے پیش ہو رہا ہے۔"

ادھر سے عمار کہنے لگا:

"بے فکر رہئے، اس کے بعد جنت ہے، جہاں محمدؐ کی تصدیق کرنے والوں اور آپؐ کی دعوت قبول کرنے والوں کے لئے ہر طرح کا عیش و آرام ہے اور سب سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی۔"

☆......☆......☆

دوسرے روز جب کافی دن چڑھ گیا تو قریش کے تمام سردار مسجد میں جمع ہوئے، لیکن وہاں انہوں نے نہ کسی تجارت اور بیوپار کے متعلق گفتگو کی، نہ خرید و فروخت کے بارے میں بات چیت کی، بلکہ اس عظیم حادثہ کی بابت گفتگو کی جو مخزوم کے ایک سر پھرے نوجوان نے اس پُر امن شہر میں برپا کر دیا تھا، اس شہر میں جہاں کے باشندوں کا دستور ہی نہ تھا کہ وہ بے گناہ لوگوں کے گھر جلاتے پھریں اور بے قصور مرد و عورتوں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں اور انہیں طرح طرح کی سزائیں دیں جب کہ انہوں نے نہ کوئی قتل کیا ہو، نہ چوری کی ہو، نہ کسی اور قابل سزا جرم کا ارتکاب کیا ہو۔

ولید بن مغیرہ نے ابوجہل عمرو بن ہشام سے کہا:

"بھتیجے، بڑے افسوس کی بات ہے، تو نے اس حرم محترم میں ایک ایسی حرکت کی جو قریش کی روایات کے بالکل خلاف ہے، تو نے اس کام میں ہم سے مشورہ بھی نہ لیا اور نہ اپنی قوم کے سمجھ دار بزرگوں کی رائے لی، بس جو جی میں آیا کر گزرا، اس گھمنڈ اور غرور نے تیری عقل مار دی اور چند بیوقوف نوجوان اور احمق غلام تیرے کہنے پر چل پڑے ہیں، خدا کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ تیری اس حرکت کا ضرور کوئی برا نتیجہ برآمد ہوگا، کیونکہ اہل عرب کے دلوں میں اس حرم کی بڑی عزت و منزلت ہے، خوف و دہشت کے وقت وہ یہاں امان حاصل کرتے ہیں، بھوک اور فاقہ کشی کی حالت میں انہیں یہیں سے کھانا ملتا ہے اور تنگ دستی اور غربت و افلاس میں سب جگہ سے مایوس ہو کر وہ اسی طرف رخ کرتے ہیں، یہیں انہیں فراخ دستی اور کشائش ملتی ہے اور آرام و اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی ہے، یہ مظلوموں کی پناہ گاہ ہے اور غریبوں اور مفلسوں کی امید گاہ، ستم رسیدہ لوگوں کو یہیں آ کر سکون ملتا ہے، فریادوں کی دادرسی کا مقام یہی ہے، ذرا سوچ تو سہی، جب عرب یہ سنیں گے کہ جو لوگ حرم کی پناہ میں آتے ہیں انہیں اب پناہ نہیں ملتی۔

میں مخزومیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ان قیدیوں کو آزاد کر دیں اور تجھ سے تیرے لوگوں سے ان کا انصاف کرائیں۔"

ابوجہل کے نتھنے پھول گئے، سانس تیز ہو گیا، چہرہ

تمتما اٹھا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں، غصہ میں لال پیلا ہو کر بولا:

"قسم ہے لات اور عزیٰ کی! جب تک جان میں جان ہے اور ہاتھ میں یہ تلوار، تم ان قیدیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے، مجھے اچھی طرح معلوم ہے، میں نے اس شہر کے دستور کے خلاف کام کیا ہے، لیکن تمہیں بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مجھ سے پہلے محمدؐ نے شہر کا دستور توڑا ہے۔"

ولید نے نرمی سے کہا:

"بھتیجے! کیا باتیں کر رہا ہے؟ محمدؐ نے تو کسی گھر میں آگ نہیں لگائی ہے، نہ کسی کو زنجیروں سے باندھ کر گھسیٹا ہے، نہ ہتھکڑیاں پہنائی ہیں۔"

ابوجہل بولا:

"بلکہ اس نے اس سے بھی خطرناک کام کیا ہے، وہ غلاموں کو ہمارے خلاف بھڑکاتا ہے، لوگوں کو ورغلاتا ہے، ہمارے دیوتاؤں سے ان کو بدظن کرتا ہے، یہی نہیں، بلکہ ہماری دولت و ثروت کے خلاف ان کے جذبات ابھارتا ہے اور ہمارے ان مراتب اور مدارج کا لالچ دیتا ہے، جو ہم نے آباؤ اجداد سے ورثہ میں پائے لیکن بعد میں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، اب ہم ان کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اپنی تمام قوت صرف کر دیں گے۔"

امیہ بن خلف نے کہا:

"شاباش ابوالحکم شاباش! خدا تمہارا بھلا کرے، بخدا کل جو کچھ تم نے کیا بالکل ٹھیک کیا اور آج جو کچھ کہا، بالکل بجا کہا، خدا کی قسم محمدؐ اور اس کے ساتھی اس قبیلہ کے پہلو میں کانٹا ہیں، جب تک اس کانٹے کو ان کے پہلو سے نکال نہ لیا جائے گا، اس قبیلہ میں اسی طرح گڑبڑ رہے گی۔"

اس کے بعد ابوسفیان صخر بن حرب کھڑا ہوا، کہنے لگا:

"دیکھو! میں بھی مطمئن نہیں ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کل اگر میں تمہارا تجارتی سامان لے کر شام یا یمن جاؤں اور چند مہینے بعد واپس آؤں تو یہاں اچھے خاصے مالداروں اور خوشحالوں کو ان کے گھروں اور جائیدادوں سے محروم پاؤں۔"

ولید بن مغیرہ ہنس پڑا، کہنے لگا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اپنے بھتیجے سے بات کر کے تمہارے دل کا چور پکڑ لیا، نہ معلوم کیا بات ہے، تم لوگ خواہ مخواہ اتنے ڈرے سہمے نظر آتے ہو، خوف کے مارے سٹ پٹا گئے ہو، نہ زبان قابو میں ہے، نہ دل قبضہ میں، اپنی اپنی ہانکے جا رہے ہو، گھبراہٹ میں آپے سے باہر ہوئے جاتے ہو، ایک ذرا سی ٹولی ہے اسے نہ جانے کیا سمجھتے ہو؟ گنتی کے چند لوگ ہیں، انہیں ہوا سمجھ لیا ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ بیچارے سیدھے سادھے مسکین لوگ ہیں، آپس میں باتیں کرتے رہتے ہیں، تمہارا آدمی تو کوئی انہوں نے چھینا نہیں ہے اور نہ تمہارے مال و دولت میں سے کچھ لیا ہے۔"

ابوجہل نے کہنے لگا:

"میں اس شجر خبیثہ کو جڑیں پکڑنے سے پہلے ہی بیج و بنیاد سے اکھیڑ دینا چاہتا ہوں، اس شر و فساد کا ہمیں پوری طرح قلع قمع کرنا ہے۔"

ولید بن مغیرہ ہاتھ سے ادھر ادھر سہارا لے کر اٹھا اور متنفرانہ انداز میں اس کی ہنسی اڑا کر کہنے لگا:

"بھتیجے! جو کچھ تم کر رہے ہو، خدا کی قسم بہت برا ہے، طاقتور آدمی اپنے برابر کے لوگوں پر قوت آزمائی کرتا ہے، اگر وہ حلیفوں، غلاموں اور کمزوروں پر طاقت آزمائے تو یہ اس کی بزدلی اور حماقت ہے، لیکن جس کی بات ہی نہ مانی جائے اس کا مشورہ دینا نہ دینا برابر!"

اس کے بعد قریش کے تمام لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے، لیکن ابوجہل اپنے ساتھی نوجوانوں اور غلاموں کو لے کر اپنے قیدیوں کے پاس آیا اور اس کوٹھری سے ان کو باہر نکالا جہاں رات بھر وہ بند رہے تھے، پھر ان کو ہانکتا ہوا لے چلا، وہ پیچھے سے ان کو ہانکتا جاتا تھا اور دھکے دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے کر کہتا تھا کہ "قدم بڑھا کر چلو" جو بیچارے زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں، کیسے قدم بڑھا سکتے ہیں! لیکن ابوجہل اور اس کے ساتھی ان بیکسوں کو نیزے چبھو چبھو کر تکلیف دیتے، خنجر کی نوکوں سے خراشیں ڈالتے اور جگہ جگہ سے زخمی کرتے، مگر ان تمام مظالم اور تکلیف کے باوجود ان کے عزم و ثبات میں کوئی فرق نہ آیا، وہ ظالم کبھی ان کو کوڑے مار مار کر لہولہان کر دیتے، کبھی یاسر اور عمار کی داڑھی اور سمیہ کے بال کھینچتے اور خوب قہقہے لگاتے اور سیٹیاں بجا کر شور مچاتے، جہاں جہاں سے یہ گزرے، شور وغل سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل آتے اور کھڑکیوں، دروازوں، برآمدوں اور جھروکوں پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے، راہ گیر ہر طرف سے اکٹھے ہو کر ان کے گرد جمع ہو جاتے اور یہ دردناک منظر دیکھتے، یہ قیدی بیچارے! صاف نظر آتا تھا کہ ان کے دل تو بول رہے ہیں لیکن زبانیں خاموش ہیں، گویا انہوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ کوئی آہ، فریاد یا حرف شکایت زبان پر نہ لائیں گے، نہ کسی قسم کی بے قراری اور تکلیف کا اظہار کریں گے۔

مظلوموں کا قافلہ ظالم کی قیادت میں اسی طرح آگے بڑھتا رہا، آخر جب مکہ سے باہر ایک کھلے ریتیلے میدان میں پہنچا تو ابوجہل رک گیا، اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی رک گئے، پھر ابوجہل آگے بڑھا اور یاسر کے قریب آ کر تمسخرانہ انداز میں کہنے لگا:

"کیوں؟ اب بھی مخزوم کے حلف پر قائم ہے یا نہیں؟ کل تک تو خوب اقرار کر رہا تھا۔"

یاسر نے کہا:

"تو نے ہم پر ظلم توڑ کر خود حلف توڑ دیا ہے، اب اس کا بوجھ ہم پر نہیں رہا، ہم اس کی ذمہ داری سے اب پوری طرح آزاد ہیں۔"

ابوجہل بولا:

"تو آزاد ہو گیا نا ہمارے حلف سے؟"

یاسر نے کہا:

"ہاں بالکل اس طرح جیسے ہر قسم کی بدی اور رسوا کن برائی سے آزاد اور بیزار ہوں۔"

ابوجہل نے یہ سنتے ہی منہ پر ایک شدید ضرب لگائی اور اس کا تمام چہرہ لہولہان کر دیا، یہ دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے بھی عمار اور سمیہ کے منہ پر مار لگائی اور انہیں بھی خونم خون کر دیا۔

اس کے بعد ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے قیدیوں کو زمین پر لٹانے کے لئے کہا، انہوں نے لٹا دیا، پھر اس نے ان کے سینوں اور پیٹھوں کو گرم گرم سلاخوں اور تپتے ہوئے اوزاروں سے داغنے کا حکم دیا، انہوں نے سب کو داغ دیا، پھر اس نے ان کی چھاتی پر وزنی پتھر رکھنے کو کہا، وزنی پتھر بھی رکھ دیئے گئے، پھر اس نے ان کے منہ پر پانی کی مشکیں لنڈھانے کو کہا، انہوں نے مشکیں بھی لنڈھا دیں، ادھر ابوجہل بے تاب تھا کہ کسی طرح کسی کے چیخنے چلانے کی آواز سنے، کسی کو کراہتا دیکھے، کوئی آہ یا فریاد تو کرے، لیکن ان قیدیوں کے دل تو آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے کی باتیں سمجھ بھی رہے تھے، لیکن ان کی زبانیں گنگ تھیں اور قلب خدا کی یاد سے معمور، انہوں نے اپنے جسموں کو ان ظالموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا، وہ جو چاہتے کرتے، آخر جب ابوجہل اور اس کے ساتھی ان بیکسوں کے جسموں سے خوب دل لگی اور تماشا کر چکے اور ان کے بدنوں پر ظلم کی مشق کرتے کرتے تھک گئے تو ان کو اسی حال میں جھلستی ہوئی گرم ریت پر لٹا چھوڑ دیا اور چند پہرہ داروں کو ان کی نگہبانی کے لئے مقرر کر کے چلے گئے، تاکہ کچھ ستا لیں اور سورج ڈھلنے پر تازہ دم ہو کر ان کی گوشمالی کو پھر آموجود ہوں۔

قبیلۂ بنی مخزوم نے آج جیسا مبارک دن کبھی نہ دیکھا تھا، آج انہوں نے بغیر لڑے بھڑے دشمن پر فتح پائی اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا، گویا انہوں نے نجاشی کے مال کی لوٹ مچا دی تھی اور ان کے لئے اذنِ عام ہو گیا تھا کہ

ان میں سے جس قدر چاہیں لے لیں، یہاں تک کہ دل بھر جائے، لیکن ان کا دل نہ بھرتا تھا، آج ابرہہ کی فوج کی طرح شکست کھا کر مکہ سے الٹے پاؤں واپس بھاگ رہی تھی، اس کی قوت و شوکت، آن بان اور کر و فر بغیر کوئی لڑائی لڑے سب خاک میں مل گیا تھا۔

ان لوٹ مار کرنے والوں اور حملہ کرنے والوں کے ساتھ نعیم بن سہیل شعمی بھی نکل کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ مل کر اس لشکر پر حملے کرنے لگا، اپنے بھائی بندوں کی طرح اس نے بھی سونے چاندی اور طرح طرح کے مال و اسباب پر ہاتھ صاف کیا، لیکن ان سب چیزوں سے قطع نظر اس نے ایک دوڑتی ہوئی اونٹنی دیکھی جسے ایک درشت، تند خو اور ترش رو حبشی ہانک رہا تھا، وہ کافی قوی اور مضبوط نظر آتا تھا، لیکن اب اس کی ہمت جواب دے چکی تھی، نعیم بن سہیل نے ذرا اور غور سے دیکھا تو اس کو اونٹنی پر ایک بڑا عمدہ ہودہ نظر آیا جس پر کار چوبی اور حریر و جواہرات سے مرصع ریشمی پردے لٹکے ہوئے تھے، وہ اس کو دیکھ کر بڑا للچایا اور ہاتھ میں نیزہ گھماتا ہوا اس غلام کی طرف دوڑا، غلام نے اس کو دیکھتے ہی اونٹنی کی نکیل فوراً اس کے حوالے کر دی اور اس کے آگے آگے کسی عاجزی اور فرماں برداری سے چلنے لگا۔

نعیم بن سہیل نے اس سے پوچھا:

"یہ اونٹنی اور ہودہ کس کا ہے؟"

غلام نے ٹوٹے پھوٹے عربی لہجے میں کہا:

"یہ سردار کی بھانجی ہے۔"

نعیم بن سہیل، غلام اور اونٹنی کو گھر کی طرف ہنکاتا لے جا رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا:

"مال غنیمت میں سے مجھے تو صرف یہ غلام اور اونٹنی اور اس پر لدا ہوا ساز و سامان ہی کافی ہے، رہی ہودہ والی خاتون، تو اس کا اور میرا کیا تعلق، اسے کسی قریشی سردار کو نذر میں پیش کر دوں گا۔"

وہ اسی طرح چلا جا رہا تھا اور غلام بھی اونٹنی کو لئے اس کے آگے آگے چل رہا تھا، جب وہ اپنے قبیلہ کے ڈیرے خیموں کے پاس پہنچا تو غلام کو رکنے کا اشارہ کیا، غلام نے اونٹنی کو بٹھا دیا اور خود کچھ دور نیچے زمین کی طرف سر جھکا کر کھڑا ہو گیا، جیسے کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہو، نعیم بڑی آہستگی سے ہودہ کے قریب آیا اور بڑی نرمی سے اس کا ایک پردہ اٹھایا، ہودہ میں نظر ڈالی اور پھر ہٹا لی، اس کا چہرہ فرحت و مسرت سے کھل اٹھا، خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر بولا:

"رب کعبہ کی قسم! یہ تو سچ مچ حمامہ (کبوتری) ہے! نازک بدن، پری چہرہ!!"

اس کی حیرت اور مسرت بجا تھی، اس نے ایک نہایت حسین دوشیزہ کو دیکھا تھا جو باوجود اپنی سانولی رنگت اور گندمی جلد کے حسن و جمال کا ایک نادر نمونہ تھی، قیامت کی نظروں والی، نہ زیادہ دراز قد، نہ زیادہ فربہ بدن، بلکہ قدرے دبلی پتلی اور نازک اندام تھی، خوف و دہشت کی وجہ سے بیچاری سہمی بیٹھی تھی، لیکن اس کے باوجود دلجمعی اور ضبط و تحمل سے کام لے رہی تھی، حیا اور وقار نے اس کو بے صبری اور گھبراہٹ کی دلی کیفیات کا اظہار کرنے سے روکے رکھا اور بے چین و بدحواس نہ ہونے دیا۔

پھر اس نے دوشیزہ کو بڑی نرمی و سہولت اور عزت و احترام کے ساتھ ہودہ سے نکالا، ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا:

"بیٹی! ڈرو مت، ڈرو مت، میں تم سے کوئی برا سلوک نہیں کروں گا، کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ آہستہ اپنے گھر لے گیا اور دوشیزہ بھی اس کے حکم پر چلتی رہی، اسے بغیر اس کے چارہ ہی کیا تھا! جب وہ اسے لے کر گھر میں داخل ہوا تو اپنی بیوی سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے کہنے لگا:

"اس حمامہ (کبوتری) کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، بس یہی میری نصیحت ہے، کیونکہ قبیلۂ بنی شعم کا گھرانا اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لائق نہیں، اس کا اصل مقام تو کسی قریشی سردار کا گھر ہے۔"

اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ حکیم بن سہیل، خلف بن وہب جمحی کے پاس اس کی زرعی اراضی میں ملنے گیا جو سراۃ میں واقع تھی، وہ اپنی اس شہزادی حبشی دوشیزہ کو لے کر وہاں پہنچا اور خلف کے گھر میں جا کر ٹھہرا، خلف کے گھر والوں نے اہل عرب کے دستور پر میزبانی اور قریش کے آداب مہمان نوازی کے مطابق اس کی خوب آؤ بھگت کی، لیکن ابھی وہ سلام دعا سے فارغ ہی ہوا تھا کہ بولا:

"سردار جمح! کاش تم جانتے کہ میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں!"

خلف نے کہا:

"کوئی بھلی چیز ہی لائے ہو گے، بلکہ مجھے یقین ہے کہ تم ضرور کوئی اچھی چیز لائے ہو۔"

حکیم نے کہا:

"میں تمہارے لئے اس سردار کی بھانجی لایا ہوں جو بیت اللہ پر حملہ کرنے آیا تھا، لیکن رب کعبہ نے اس کو دھتکارا اور ذلیل و خوار کر کے لوٹا دیا۔"

خلف بولا:

"کیا ابرہہ کی بھانجی؟"

حکیم نے کہا:

"ہاں! ابرہہ کی بھانجی!"

خلف حکیم سے پوچھنے ہی والا تھا کہ وہ اس دوشیزہ کی کیا قیمت مانگتا ہے، لیکن حکیم فوراً ہی بولا:

ذرا تھموا بوامیہ! دیکھو میں یہ شہزادی تمہارے پاس بیچنے کی غرض سے نہیں لایا بلکہ تحفہ میں لایا ہوں سو اس کو اپنے دوست کا تحفہ سمجھو۔"

خلف نے کہا:

"تمہارے عطیہ کا بہت بہت شکریہ! خدا تمہارے تعلق کو قائم رکھے!!"

پھر اس نے دوشیزہ کو اندر لے جانے کا حکم دیا اور گھر والوں کے پاس پہنچا دی گئی، اس دوران میں حکیم یہ محسوس کیا کہ اس کے تحفہ کا اس کے دوست کے دل پر اثر نہ ہوا جس کا وہ متمنی تھا، لیکن خوف تو قع خلف نے اٹھایا اور بولا:

"حکیم! جانتے ہو، آج جو احسان تم نے مجھ پر ہے، ایسا احسان پہلے کبھی نہ کیا ہوگا، دیکھو ہم نے ابرہہ سے جنگ نہیں کی اور نہ بیت اللہ کی مدافعت کا کوئی انتظام کیا، بلکہ ہم نے یہ اعلان کر دیا کہ ہم اس کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور وہاں سے الگ ہٹ کر اس کی حمایت اور حفاظت صرف اس کے پروردگار پر چھوڑ دیں چنانچہ اس کے گھر کے مالک نے اپنے مقدس گھر کی خود حفاظت کی اور ابرہہ، اس کے ہاتھیوں اور لشکریوں سب کو دھکیل کر ہم سے پھیر دیا اور ہم یہ منظر پہاڑوں کی چوٹیوں، گھاٹیوں اور ان دروں سے دیکھتے رہے جہاں ہم نے ادھر ادھر منتشر ہو کر پناہ لی تھی، پھر جب دشمن واپس بھاگ گیا تو ہم مکہ میں اپنے گھروں کو لوٹ آئے اس وقت بہت سے لوگوں کے دل حسرت و افسوس میں مبتلا تھے، کیونکہ ہم نے اس مقدس گھر کی حفاظت مدافعت کا حق اور حمایت و پاسداری کا فرض جو ہمیشہ ہمارے ذمہ ہے، ادا نہیں کیا تھا، لیکن اب اس امیر زادی کو میرے پاس لا کر تم نے مجھے دل کی بھڑاس نکالنے اس کی آگ ٹھنڈی کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے، ہے اس پروردگار کی جس کے گھر کا میں نے تحفظ نہیں میں اس حبشن امیر زادی کو ایسا ذلیل و خوار کروں گا کہ حبش ایسی ذلیل و خوار نہ ہوئی ہوگی۔"

حکیم بولا:

"بڑا افسوس ہے ابوامیہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس نازک بدن حسین کبوتری سے یہ بدسلوکی کرو گے میں اس کو تمہارے پاس ہرگز نہ لاتا، اپنے گھر ہی رکھتا۔"

خلف ہنس کر کہنے لگا:

"واہ حکیم! یہ اس ہستی کا طے کیا ہوا اٹل فیصلہ ہے جو مجھ سے اور تم سے اختیار و اقتدار میں بڑھ کر ہے، اس امیر زادی کو اسی حرم کے قریب ذلیل و خوار ہونا چاہئے، جس کی بے حرمتی کا ارادہ اس کی قوم نے کیا تھا، خدا کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں یہ آزادی سے کبھی آشنا نہ ہوگی اور نہ آزاد بچے جنے گی۔"

حکیم نے کہا:

"پھر تو معلوم ہوتا ہے کہ تم اسے اپنے لئے پسند نہیں کرتے، اگر ایسی ہی بات ہے تو یہ مجھے واپس دے دو۔"

"واہ حکیم واہ! میں تو اسے تمہارے لئے بھی پسند نہیں کرتا، میں نے کہا ہے نا کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ آزاد بچے نہیں جنے گی، اس زمین میں میرے بہت سے اونٹ اور بکریاں ہیں جنہیں میرے غلام چراتے ہیں، ان غلاموں میں گھورے کالے ہر طرح کے ہیں، یہ بھی ان ہی غلاموں کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرائے گی۔"

خلف کا ایک حبشی نژاد غلام تھا جسے رباح کہتے تھے، وہ کچھ اوپر بیس برس کا ہوگا، بڑا ذہین ہوشیار، کام کاج میں ماہر اور زیرک و دور اندیش تھا، اس کے آقا نے خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا تھا اور اپنی سراۃ والی زمین کا نگران مقرر کر دیا تھا، صبح ہوئی تو خلف نے اپنے اس آزاد کردہ غلام کو بلایا اور مسکرا کر کہنے لگا:

"دیکھو بھئی رباح! یہ تمہارے امیروں میں کی ایک امیر زادی کل ہمارے پاس لائی گئی ہے اور جو کچھ تمہاری قوم نے کیا ہے، تمہیں معلوم ہی ہے، لہٰذا میں نے طے کیا ہے کہ میں اس سے اونٹ اور بکریاں چرواؤں گا تو کیا میں اسے تمہارے سپرد کر دوں تاکہ تم اس کو ایسا ذلیل و خوار کرو کہ میں بھی سمجھوں کہ ہاں واقعی یہ اسی لائق ہے؟"

رباح بولا:

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے سردار؟ تم تو ہر قسم کے غلاموں کے ساتھ میرا برتاؤ دیکھ چکے ہو، کیا میں نے تدبیروں سے، ترکیبوں سے اور ہر قسم کی ذہانت اور فراست لڑا کر ان کو تمہاری بہتر سے بہتر خدمت پر آمادہ نہیں کیا ہے اور ان سے ہر طرح کے کام نہیں لئے ہیں؟"

خلف نے کہا:

"ہاں بے شک! تم ٹھیک کہتے ہو، اچھا تو اس لڑکی کو لے جاؤ اور اسے چرواہوں کا لباس پہنا کر اس کے ہم پیشہ لوگوں میں بھیج دو!"

رباح بولا:

"سردار! اس میں تو مجھے کوئی ذلت یا رسوائی نظر نہیں آتی، میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے، ممکن ہے اس سے تمہارا مقصد پورا ہو جائے، اجازت ہو تو پیش کروں؟"

خلف نے کہا:

"بتاؤ کیا ہے؟"

رباح نے کہا:

"یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ میں نہ حبشہ کا کوئی رئیس ہوں، نہ وہاں کا کوئی سردار، بلکہ محض ایک عام آدمی ہوں اور میری رگوں میں زنگی نسل کا خون ہے، اگر میں تمہارے ملک میں نہ لایا گیا ہوتا اور وہیں حبشہ میں ہوتا تو اس شہزادی کے محل میں ملازم ہونے کی آرزو بھی نہ کر سکتا تھا۔"

خلف مسکرا دیا، خوش ہو کر کہنے لگا:

"تو تم اسے اپنی بیوی بنانا چاہتے ہو؟"

رباح بولا:

"ہاں اگر تم اس کی اور حبشہ کے سرداروں اور سالاروں کی ذلت و رسوائی چاہتے ہو تو اس کو اپنے حبشی غلام سے بیاہ دو۔"

خلف نے کہا:

"چلو میں نے بیاہ دیا، آج سے تم اس کے خاوند ہو، جب دن ذرا چڑھ جائے تو بڑی خوشی سے اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا۔"

اس زنگی غلام نے اپنی اس پیش کردہ تجویز پر بڑی چالاکی سے کام لیا تھا اور بہت دور کی تدبیر سوچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور شاید اس دن سے پہلے اس نے کبھی اپنے آقا سے چالبازی اور حیلہ گری نہیں کی تھی اور نہ کبھی جھوٹ بولا تھا، لیکن اس مرتبہ اس کو اس شہزادی کا پورا حال معلوم ہوگیا تھا اور اس پر ظاہر ہوگیا تھا کہ اس کا آقا اس بیچاری کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، یہ چیزیں اس پر شاق گزری اور اس نے سوچا کہ جہاں تک ممکن ہو کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ جو رسوائی اور ذلت اس پر مسلط کی جارہی ہے اس سے یہ محفوظ رہ سکے، لیکن اس کو سوائے اس ترکیب کے اور کوئی صورت اس کے چھٹکارے کی نظر نہ آئی۔

رباح اپنی شہزادی کو ساتھ لے آیا اور اپنے حقیر سے فقیرانہ گھر میں اسے ٹھہرایا، وہاں وہ بہت عزت و اکرام کے ساتھ اس سے پیش آتا رہا اور اس کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کرتا رہا، جس قدر محبت والفت اور تعظیم واحترام کے جذبات اس کے لئے وقف کرسکتا تھا اس نے کئے، صبح و شام اس کی پسندیدہ اور مرغوب چیزیں اس کے پاس لاتا اور دن بھر کوئی ایسی بات نہ ہونے دیتا جو اسے بری معلوم ہو، جب رات ہوجاتی اور سونے کا وقت قریب آجاتا تو وہ دروازے کے باہر چوکھٹ پر تکیہ رکھ کے اس پر پڑا رہتا اور تمام رات سو کر گزارتا یا جاگ کر، وہ ہمیشہ اپنی بیوی کی فکر میں لگا رہتا اور کبھی آرام کی نیند نہ سوتا، خود وہ اسے چھوتا تک نہ تھا، نہ اس کے قریب جاتا تھا۔

وہ دوشیزہ بھی اپنے خاوند کے آگے بڑی عاجز اور فرماں بردار بنی رہی، لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ اس کی تعظیم و توقیر کرتا ہے اور مہربانی سے پیش آتا ہے تو مطمئن ہوگئی اور اس کے دل کو سکون میسر آگیا، پھر وہ اپنے بلند درجہ اور اعلیٰ مرتبہ کا خیال کر کے اس سے ایک مالکہ کی حیثیت سے گفتگو کرنے لگی، لیکن کچھ عاجزی اور بردباری اور نرمی کے ساتھ۔

ان دونوں کا باہمی رشتہ عجیب نوعیت کا تھا، خلف اور اس کے ہم رتبہ قریشی سرداروں کے نزدیک تو یہ دوشیزہ رباح کی بیوی تھی، اسی طرح رباح کے ماتحت غلام بھی اسے رباح کی منکوحہ سمجھتے تھے، لیکن اگر ان دونوں کے اندرونی حالات اور باہمی تعلقات کو دیکھا جائے تو رباح کی مالکہ اور شہزادی معلوم ہوتی تھی، خود رباح بھی اس کو یہی سمجھتا تھا۔

مگر اس نوجوان نے یہ بات دل ہی میں چھپائے رکھی اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دی، لیکن دوشیزہ اس کے پوشیدہ ارادہ کو بھانپ گئی اور بڑی خوشی سے اس کو قبول کیا، پیہم احسانات سے لڑکی کے دل میں اس نوجوان کے لئے ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہوگئے، پھر کچھ کشش محسوس ہونے لگی، پھر اس کی فوقیت اور مرتبہ کا خیال دل میں آنے لگا، پھر یہ صورت ہوگئی کہ وہ ذرا دیر کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل ہوتا تو یہ بے چین ہوجاتی اور تنہائی محسوس کرنے لگتی۔

دن گزرتے گئے، ہفتے بیتتے گئے اور وہ نوجوان اپنی پرخلوص محبت اور خدمت گزاری کا فرض اسی طرح خوش اسلوبی سے ادا کرتا رہا، ادھر یہ لڑکی اس جانگسل بے چینی اور دردانگیز اضطراب میں مبتلا رہی، پھر اس کے دل میں یہ خواہش ابھری کہ اس طویل عرصہ میں ہم دونوں جس قدر ایک دوسرے سے مانوس ہوئے ہیں اب اس سے کہیں زیادہ ایک دوسرے کے قریب ہونا چاہئے، اس کی دلی خواہش تھی کہ کاش ہم دونوں کے درمیان جو خواہ مخواہ کی رکاوٹیں حائل ہیں میں ان کو دور کرسکتی اور اس طرح برابر کے ساتھیوں کی طرح ہم ایک دوسرے سے بات چیت کرسکتے، لیکن اس کے لئے اسے کوئی سہل اور ممکن ذریعہ نظر نہ آتا تھا۔

نوجوان کے دل میں اس قسم کی کوئی آرزو یا امید پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اب یا بعد میں کبھی اس دوشیزہ کے ساتھ خاوند کی حیثیت سے رہے گا، اس کے سان و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ اس کے اور اس کی امیر زادی کے

درمیان جو خلیجیں حائل ہیں، وہ کبھی پاٹی بھی جاسکتی ہے یا جو بُعد دونوں کے درمیان موجود ہے وہ دور بھی ہوسکتا ہے یا کسی وقت وہ لالچی نظروں سے اسے دیکھ بھی سکتا ہے، اس کے خیال میں وہ ایک تخت شاہی پر متمکن شہزادی تھی جس تک نظریں تو جاسکتی تھیں لیکن اس کی دلی خواہش کا وہاں گزر ہونا ایک امر محال تھا، کجا کہ اس کے قدم اس تک پہنچیں۔

اس طرح ان دونوں کے درمیان عجیب صورت حال پیدا ہوگئی، لڑکی تو اس کی عاشق زار تھی، لیکن نوجوان اپنے آپ کو اس سے عشق و الفت رکھنے کے لائق نہیں سمجھتا تھا بلکہ کہیں فروتر خیال کرتا تھا، بعض اوقات تو یہ لڑکی اس انوکھے رشتہ اور نرالے تعلق سے تنگ آجاتی، کبھی نوجوان سے بددل ہوجاتی اور اس کو مغرور و متکبر سمجھتی، گو نوجوان کے دل میں بدستور خاکساری اور تواضع کے جذبات موجود تھے، لڑکی کا دل گھبرانے لگا اور اس کی اکتاہٹ اور کشیدگی روز بروز بڑھتی گئی، حتیٰ کہ اس کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہوگیا اور وہ ہر اچھی بری بات سے نفرت کرنے لگی، آخر ایک روز تنگ آکر بولی:

"تم مجھ پر لطف و نوازش کر کے احسان کرنا چاہتے ہو لیکن اس بے محل احسان سے نادانستہ مجھے تکلیف دے رہے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری اس نوازش و کرم کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت مند ہوں۔"

نوجوان نے بڑی عاجزی اور انکساری سے پوچھا:

"وہ کیا چیز ہے؟"

لڑکی نے طنزیہ انداز میں ایک تلخ چبھتا ہوا، دلخراش ٹھٹھا لگایا اور بولی:

"تم جانتے ہو کہ تم آزاد ہو اور میں....."

نوجوان بیچ میں ٹوک کر بولا:

"نہیں بلکہ نیا نیا آزاد ہوا ہوں، دو سال پہلے میں بھی غلام تھا۔"

وہ بولی:

"دو سال پہلے ہو گے، لیکن اب تو آزادی مل گئی ہے اور غلامی کا طوق اتر گیا ہے، اس لحاظ سے تم میری نسبت اچھے حال میں ہو اور اونچے رتبہ پر ہو، پھر عاجزی و انکساری اور خاطر مدارت کیسی، جو تم عرصہ سے کرتے آرہے ہو؟ حالانکہ تمہیں حق ہے، لڑائی اور تکبر کا نہیں کہہ رہی بلکہ ہمارے موجودہ تعلق پر غور کرنے کا اور آئندہ ہونے والے رشتہ کو سوچنے سمجھنے کا، تمہارا خیال ہے کہ میں شہزادی یا امیر زادی ہوں اور اسی لئے تم میری امارت اور شہزادگی کے حقوق کی حفاظت اور نگہبانی کر رہے ہو لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری امارت اور شہزادگی بیتے ہوئے دنوں کے ساتھ بیت گئی، جب تم آزاد ہوئے، میں غلام ہوگئی اور پھر تم نے مجھے اپنی بیوی بنالیا۔"

نوجوان کہنے لگا:

"میں نے تو تمہیں اس لئے بیوی بنایا تھا کہ کوئی تم سے بدسلوکی نہ کرسکے۔"

لڑکی بولی:

"بے شک تم نے اپنا فرض ادا کردیا اور اس کی احسان مند ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اب تمہاری بیوی بن چکی ہوں، لہٰذا ہمارا آپس میں وہی تعلق ہونا چاہئے جو میاں بیوی میں ہوتا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ رباح کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو گرنے لگے، نہیں معلوم وہ آنسو خوشی کے تھے یا غم کے، یہ دیکھ کر لڑکی کے چہرے پر بھی سرخی دوڑ گئی اور اس کے رخسار لال بھبوکا ہوگئے، نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ سرخی شرم و حیا کی تھی یا مسرت و شادمانی کی، کیونکہ اب وہ ان خلیجوں اور گھاٹیوں کو عبور کرچکی تھی جو اس کے اور اس کے محبوب خاوند رباح کے درمیان حائل تھیں۔

ایک روز خلف اپنی سراۃ والی زمین میں آیا اور کچھ دن وہاں قیام کر کے اس کا جائزہ لیا اور تمام حالات معلوم کئے، اپنے منتظم رباح سے وہ تمام باتیں سنیں جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سننا چاہتا تھا اور یہ سب حالات دیکھ سن کر وہ مطمئن ہوگیا، کیونکہ اس کی اراضی کا تمام کاروبار حسب منشا ٹھیک طور پر چل رہا تھا۔

خلف اس قدر خوش ہوا کہ اس نے کچھ اونٹ اور بکریاں رباح کو عطا کیں اور اپنی زمین کی پیداوار میں سے بھی بہت کچھ دیا، رباح نے بھی انعام و اکرام کا شکریہ ادا کر کے اپنے آقا کا دل خوش کردیا، رباح اب خوشی خوشی واپس جانے والا تھا کہ خلف نے اسے روک لیا اور بڑے میٹھے انداز میں دل لگی اور مذاق کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ارے میاں رباح! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں میں سے آخر بانجھ کون ہے؟...... دیکھو نا تمہیں وہ حبشی حمامہ سپرد کئے ایک عرصہ گزر گیا ہے لیکن تمہارے ہاں کوئی اولاد ہی ہوتی نظر نہیں آتی۔''

یہ سن کر رباح جھنجلا گیا، اس نے کچھ بات کرنی چاہی لیکن شرم وحیا سے اس کی زبان بند رہی، اس نے آنکھیں نیچی کرلیں اور سر جھکا لیا، لیکن خلف نے پھر وہی سوال دہرایا اور ہنستے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ہاں بھئی رباح! بتاؤ بھی، آخر تم دونوں میں سے بانجھ کون ہے؟''

اب اس کے دل میں کچھ جرأت پیدا ہوگئی اور خود داری کا احساس ہونے لگا، اس نے ہمت کر کے بے باکی سے جواب دیا۔

''لیکن تمہیں اس سے کیا، ہم خواہ بانجھ ہوں یا بال بچے والے ہوں؟''

یہ صاف جواب سن کر خلف کھٹک گیا اور انداز بدلتے ہوئے کہنے لگا:

''رباح ذرا تحمل سے بات کرو، شاید غصہ میں کچھ بھول رہے ہو، گو تم آزاد ہو لیکن تمہاری حمامہ تو ابھی میری ہی باندی ہے، پھر مجھے کیوں نہ فکر ہوگی۔''

رباح ناراض ہوکر بولا:

''اچھا تو تم نے اسے میرے ساتھ اس لئے بیاہا تھا کہ بچے جنواؤ، جیسے اونٹ اور بکریوں سے بچے جنواتے ہیں۔''

خلف نے کہا:

''رباح تم تو ناراض ہوگئے، میں تمہیں کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا، میں تو دوستانہ طور پر تمہارے حالات معلوم کررہا تھا۔''

رباح بولا:

''یہی بات ہے تو جو چاہو معلوم کرو۔''

پھر اس نے اپنا سر پیٹ لیا اور درد بھری آواز میں کہنے لگا:

''ہائے افسوس! میں یہ تو بھول ہی گیا کہ وہ لونڈی ہے اور اس کا لڑکا بھی اسی کی طرح غلام رہے گا۔''

خلف نے تعجب سے پوچھا:

''رباح! کیا واقعی اس کے لڑکا ہے؟''

رباح نے کہا:

''ہاں لڑکا ہے اور اگر میرا دل آمادہ ہوجاتا اور طبیعت کو کچھ بھی گوارا ہوتا تو میں اس کو زندہ درگور کردیتا جیسے تم اپنی لڑکیوں کو کرتے ہو، انسان اس بات سے کبھی خوش نہیں ہوسکتا کہ اس سے اونٹ بکریوں کی طرح نسل کشی کرائی جائے اور مویشیوں کی طرح جفتی کرا کے بچے پیدا کرائے جائیں۔''

خلف کچھ آزردہ ہوکر بولا:

''افسوس ہے رباح! تم بلاوجہ میرے دل کو دکھ پہنچا رہے ہو اور اپنی جان بھی ہلکان میں ڈال رہے ہو، بخدا میں نے تم سے نہ نسل کشی کرانے کا ارادہ کیا ہے، نہ بچے جنوانے کا، تمہیں یاد ہوگا میں نے تم سے کیا کہا تھا، میں نے یہی کہا تھا نا کہ اس لڑکی کو دوسرے چرواہوں کے ساتھ اونٹ بکریاں چروانے میں لگا دینا، لیکن تم نہ مانے اور اصرار کرنے لگے کہ میں اسے تمہاری بیوی بنا دوں، تمہارا دعویٰ تھا کہ اس طرح اس کی ذلت وخواری زیادہ ہوگی اور میری خواہش بہتر طور پر پوری ہوگی، تو پھر اب یہ

ناراضگی کیسی؟ اور اس قدر خفگی کیوں؟......''

یہ سن کر رباح دم بخود ہوگیا، اس کو اب پچھلی تمام باتیں یاد آنے لگیں کہ اس نے حبشن شہزادی کو ذلت ورسوائی سے بچانے کے لئے کیا تدبیر کی تھی، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو یا اس کی بیوی کو کوئی نقصان پہنچے، یہ سوچ کر وہ بناوٹی طور پر ہنسا جس سے رونا ہزار درجہ بہتر تھا، پھر کہنے لگا۔

''اب کیا بتاؤں؟ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ میرے دل میں جاگزیں ہوگئی اور میں اس سے محبت کرنے لگا۔''

خلف بولا:

''اچھا! اب اس سے محبت کرنے لگے!! اور کہہ یہ رہے تھے کہ میں اسے ذلیل کروں گا!''

رباح کہنے لگا:

''سوچنے کی بات ہے، پہلے وہ ایک شہزادی تھی، پھر باندی بنی، پھر ایک ایسے غلام سے بیاہی گئی جو اس کا نوکر ہونے کی بھی آرزو نہیں کرسکتا تھا، لیکن اس نے یہ رشتہ پہلے تو مجبوراً گوارا کیا، پھر رضامندی سے اور پھر اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہوئے اسے قبول کرلیا، آخر بتاؤ تو سہی تم ایسی مظلوم اور شریف النفس لڑکی کو میرے ہاتھوں کیوں ذلیل کرنا چاہتے ہو؟''

یہ سن کر خلف بہت مایوس ہوا، غمگین آواز میں بولا:

''اچھا یہ بات ہے! یوں کہو کہ غلامی نے تمہارے مابین جو رُتبوں کا فرق اور درجوں کی تقسیم کی تھی، اسے ختم کردیا۔''

رباح ہنس کر کہنے لگا:

''کیا یہ عجیب بات نہیں کہ غلامی تو لوگوں میں برابری اور مساوات قائم کرے اور درجوں کی تقسیم مٹادے، مگر آزادی ان میں باہم فرق وامتیاز پیدا کرے اور امیر غریب، حاکم محکوم طاقت ور، کمزور اور آقا غلام کے طبقے بنائے، خدایا! یہ اندھیری رات کب ختم ہوگی اور وہ سہانی روشن صبح کب نمودار ہوگی؟''

خلف متعجب ہوا، پوچھنے لگا۔

''واہ رباح! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کون سی رات؟ کون سی صبح؟''

رباح بولا:

''رات یہی زمانہ ہے جس میں ہم تم زندگی گزار رہے ہیں جس میں غلاموں کے درمیان غلامی، مساوات قائم ہے اور آزادوں کے درمیان آزادی، تفریق پیدا کرتی ہے اور صبح وہ آنے والا زمانہ ہے جس میں آزاد اور غلام دونوں کے درمیان مساوات قائم ہوگی اور لوگ صرف اپنے اعمال وکردار کے اعتبار سے ایک دوسرے سے افضل ہوں گے نہ کہ مال ودولت کے لحاظ سے۔''

حلف ہنس پڑا، کہنے لگا:

''رباح! آج تو تم کچھ نجومیوں کی سی باتیں کررہے ہو، چھوڑو اپنی اس اندھیری رات اور روشن صبح کو، ذرا اس بچہ کے بارے میں کچھ بتاؤ جسے تم زندہ درگور کرنا چاہتے تھے۔ آخر اس کا نام کیا ہے؟ کیسی شکل صورت ہے؟''

رباح بولا:

''تم میری رات اور صبح کا مذاق اڑاتے ہو، ان شاء اللہ یہ رات ختم ہوکر رہے گی اور امید ہے کہ ہم اس کے خاتمہ کو دیکھ لو گے اور وہ صبح روشن ہوکر رہے گی اور امید ہے کہ ہم اس کی روشنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اگر ہم نہ دیکھیں گے تو تمہارا بیٹا امیہ اور میرا بچہ بلال اسے ضرور دیکھ لے گا۔''

خلف نے سر ہلایا، شانے چڑھائے، پھر کہنے لگا:

''بس بھی کرو رباح! یہ باتیں اب کسی اور سے کرنا، میں تمہارے اس نومولود بچے کی خاطر تمہاری تنخواہ میں اضافہ کئے دیتا ہوں اور اگر میں نے ایک بڑی قسم نہ کھائی ہوتی تو میں ضرور تمہاری بیوی کو آزادی دے دیتا اور تمہارے بیٹے کو بھی تمہاری طرح آزاد کردیتا، لیکن تم جانتے ہو وہ ہمیں ذلیل کرنے اور ہمارے مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے، ہم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگ کو آئی تھی، لہٰذا اب تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو اور اپنے بچے کے ساتھ راضی خوشی رہو، جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی، مگر میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا۔"

رباح نے تمسخرانہ انداز میں سر ہلایا اور کہنے لگا:

"ہونہہ! وہ تم سے جنگ کرنے آئی تھی! جنگ کرنا جانتی بھی تھی وہ!! بے چاری سیدھی سادھی انجان لڑکی جسے اپنی بھی کچھ خبر نہ ہو جنگ کرنا کیا جانے، لیکن زمانہ کا عجیب قاعدہ ہے، جرم تو بڑے لوگ کرتے ہیں اور پکڑے جاتے ہیں چھوٹے۔"

خلف بولا:

"آج جیسا دانا شخص میں نے کبھی نہیں دیکھا، اچھا جاؤ اور خوش وخرم زندگی بسر کرو، لیکن اپنی اس دانائی اور حکمت کا پرچار لوگوں میں نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔"

رباح اور حمامہ کافی مدت تک زندگی کے دن اسی طرح گزارتے رہے، پھر وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور اپنے پیچھے اپنے دو لڑکوں کو خلف کی اراضی میں کام کرتا چھوڑ گئے۔

اس کے بعد خلف بھی اس دارفانی سے کوچ کر گیا اور اپنے پیچھے اس دنیا میں ایک مضبوط قوی اور کڑیل جوان بیٹے امیہ کو چھوڑ گیا جو اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ تمام دھن دولت، کھیتی باڑی، ڈھور ڈنگر اور لونڈی غلاموں کا وارث بنا، اندھیری رات کا اختتام اور صبح روشن کی نمود نہ رباح دیکھ سکا، نہ حمامہ دیکھ سکی، نہ خلف دیکھ سکا، البتہ بلال نے اس صبح کا ظہور دیکھا اور اس کا نور اس کے دل میں سما گیا۔

"تم لوگ اس بچہ پر بڑی سختی کرتے ہو..... اس ننھی سی جان پر یہ ظلم توڑ رہے ہو! آج جیسے سنگدل، ظالم، پتھر جیسے کلیجے والے آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھے!"

یہ الفاظ کہہ کر ام انمار، بنی عامر کے ان گنواروں میں جا گھسی، کسی کو سینہ پر مکا مار کر ہٹایا اور کسی کو کپڑے کھینچ کر الگ کیا، وہ ان لوگوں کو ایک بچہ پر سے ہٹا رہی تھی جس پر یہ بری طرح ٹوٹ پڑے تھے اور تھپڑ، چانٹے اور دھول مار رہے تھے اور ساتھ ساتھ جھڑکیاں بھی دیتے جاتے تھے، بنی عامر کا یہ گروہ نجد سے آیا تھا اور اپنے ساتھ عراق کا غلہ تجارت کے لئے اونٹوں پر لایا تھا، جب انہوں نے اپنا سامان تجارت بیچ دیا اور مال اٹھانے والے سواری کے جانور بھی فروخت کردیئے تو آخر میں اس لڑکے کو بیچنے کی ٹھانی، ادھر ادھر اسے لئے پھرے جگہ جگہ فروخت کے لئے پیش کیا، مگر اس کو خریدنے والا کوئی نہ ملا، پھر انہوں نے سوچا کہ اس کو لے کر واپس چلیں اور جو قبائل عرب راستے میں آئیں یہ غلام ان کے آگے فروخت کے لئے پیش کریں، اس غلام نے کچھ پس وپیش کی اور ساتھ جانے سے بھی انکار کردیا، جب انہیں اس کی سرتابی کا علم ہوا تو اور بھی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کردی، ابھی وہ اس کو مار پیٹ رہے تھے کہ اتنے میں ام انمار خزاعیہ ادھر آنکلی، لڑکے کی تکلیف دیکھ کر اس کا دل پسیجا، ترس کھا کر اسے بچانے لگی اور ان لوگوں کو ہٹانے لگی، یہ دیکھ کر بنی عامر کے اس گروہ کا ایک شخص ام انمار سے کہنے لگا:

"تجھے اس سے کیا؟ ہم نے ایسی بری عورت کبھی نہیں دیکھی، اگر تو اس حرم سے کہیں باہر ہوتی تو ہم تجھے اچھی طرح مزا چکھا دیتے۔"

ام انمار غصہ کی وجہ سے چپ سی ہوگئی اور اس کے جھری دار چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ آنے لگی بولی:

"چونکہ میں حرم میں ہوں، اس لئے تم مجھ پر دست درازی نہیں کرسکتے، لیکن تمہیں اپنے ان چوڑے چکلے جسموں، لمبی لمبی کالی سفید داڑھیوں اور شانہ تک لٹکی ہوئی لمبی لمبی زلفوں پر شرم نہیں آتی کہ اس دبلے پتلے کمزور بچے کو مار پیٹ رہے ہو!"

.....(جاری ہے)

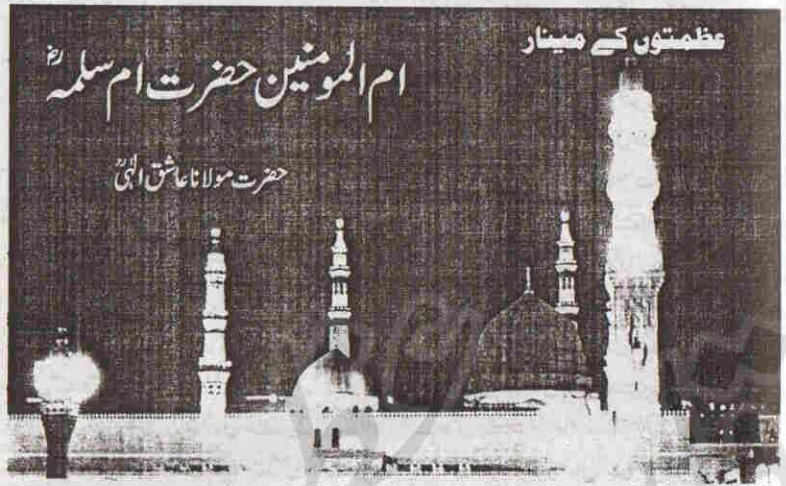

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں، ان کا نام ہند ہے، ام سلمہ کنیت ہے، ان کے باپ ابوامیہ اور والدہ عاتکہ تھیں، حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ان سے نکاح فرمایا اور ان کو اسی حجرہ میں ٹھہرایا جس میں حضرت زینب خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رہا کرتی تھیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک بیٹے کا نام سلمہ تھا (جوان کے پہلے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیدا ہوئے تھے) اس لئے ان کو ام سلمہ (سلمہ کی ماں) کہا جاتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سمجھ دار اور دانش مند تھیں، حدیثوں کی کتابوں میں ان کی بہت سی روایتیں ہیں، انہوں نے مکہ ہی میں اسلام قبول کیا، جب کہ مکہ والے اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم ڈھا رہے تھے، ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن عبدالاسد (کنیت ابوسلمہ) بھی اسلام کی دعوت شروع ہونے پر مکہ ہی میں دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوگئے تھے، جب بہت سے مسلمانوں نے مکہ والوں کے ظلموں سے تنگ آکر حبشہ کو ہجرت کی تو حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حبشہ کو ہجرت کر گئے، وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلمہ رکھا، پھر حبشہ سے مکہ معظمہ واپس آگئے اور پھر مدینہ تشریف کو ہجرت کی۔ (الاصابہ واسد الغابہ وغیرہما)

مدینہ شریف کو ہجرت:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہجرت کا واقعہ بڑا درد انگیز ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں نے (مرد ہوں یا عورت سب ہی نے) اپنا دین وایمان بچانے اور اسلام کو پھیلانے کے لئے جو مصیبتیں سہی ہیں اور جو جو تکلیفیں برداشت کی ہیں ان کا کچھ اندازہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ سے ہوتا ہے، اپنی ہجرت کے واقعہ کو وہ خود اس طرح نقل فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہؓ نے (اپنے بال بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ کو) ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر مجھے اور سلمہ کو اونٹ پر بٹھایا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل دیئے، قبیلہ بنو مغیرہ کو ہمارے روانہ ہونے کی خبر ہوئی تو چونکہ وہ میرے میکہ والے تھے، اس لئے انہوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں خود مختار ہو مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے جسے تم شہر در شہر لئے پھرو۔ یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے اور میرے بچے سلمہ کو زبردستی اپنے ساتھ لے آئے، جب میرے سسرال والوں کو اس قصہ کی خبر لگی تو میرے میکہ والوں سے جھگڑنے لگے کہ تم اپنی لڑکی کو رکھ سکتے ہو ہمارے بچے کو ہمارے حوالے کرو، جب تم نے اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ نہ جانے دیا تو ہم اپنے بچے کو تمہارے پاس کیوں چھوڑیں؟ یہ کہہ کر وہ سلمہ کو چھین کر لے گئے، اب میں اور میرا شوہر اور بچہ تینوں علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مدینہ پہنچ گئے اور قبا میں جا کر قیام کر لیا اور میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بچہ ددھیال میں پہنچ گیا۔ مجھے اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ روزانہ آبادی سے باہر جاتی اور شام تک رویا کرتی۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا، نہ خاوند کے پاس جا سکی، نہ بچہ مل سکا۔ ایک روز میرے ایک چچازاد بھائی نے مجھ پر ترس کھا کر خاندان والوں سے کہا کہ تم اس بے کس پر کیوں رحم نہیں کرتے، اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے، کیوں اس کو اس کے بچے اور خاوند سے جدا کر رکھا ہے۔ غرض کہ اس نے کہہ سن کر مجھے خاندان والوں سے اجازت دلا دی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جا سکتی ہے۔ جب اس کی خبر بچے کے ددھیال والوں کو لگی تو انہوں نے بچہ بھی مجھے دے دیا۔

اب میں نے تنہا ہی سفر کا ارادہ کیا اور ایک اونٹ تیار کر کے بچے کو ساتھ لیا اور تنہا سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئی۔ ۳، ۴ میل چلی تھی کہ مقام تنعیم میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا، تنہا کہاں جاتی ہو؟ میں نے کہا، اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں، دوبارہ سوال کیا، کوئی ساتھ بھی ہے؟ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بچہ ہے، یہ سن کر عثمان بن طلحہ نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور آگے آگے چل دیئے، خدا کی قسم میں نے عثمان سے زیادہ شریف آدمی عرب والوں میں کوئی نہیں دیکھا، جب منزل پر اترنا ہوتا تو وہ اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے اور پھر اونٹ کو باندھ کر مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے اور جب کوچ کرنے کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر میرے پاس لا کر بٹھا دیتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے، جب میں سوار ہو جاتی تو اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل دیتے، اسی طرح وہ مجھے مدینہ منورہ تک لے گئے۔ جب ان کی نظر بنی عمر بن عوف کی آبادی پر پڑی، جو قبا میں تھی، تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارا شوہر یہیں ہے، اس کے بعد وہ سلام کر کے واپس گئے۔ (عثمان بن طلحہؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں اسلام قبول کیا)۔ (البدایہ والاصابہ)

مدینہ منورہ میں سکونت:..... مدینہ پہنچ کر اپنے شوہر کے پاس رہنے لگیں اور وہاں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے کا نام عمر اور ایک لڑکی کا نام درہ اور دوسری کا نام زینب رکھا۔

حضرت ابوسلمہؓ کی وفات:..... حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان کو ایک زخم آیا جو کچھ اچھا ہو گیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دستے کا امیر بنا کر بھیج دیا تھا۔ واپس آئے تو وہ زخم ہرا ہو گیا اور اسی کے اثر سے جمادی الثانی سن ۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی، عدت گزر جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

حرم نبوت میں آنا:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پہلے شوہر سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے

کہا کہ میں نے سنا ہے، گر مرد و عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اس مرد کو ملے گی۔ اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔ اس لئے آؤ ہم دونوں عہد کریں کہ ہم میں سے جو پہلے اس دنیا سے چلا جائے، دوسرا نکاح نہ کرے، یہ سن کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تم میرا کہا مانو گی؟ عرض کیا، ماننے کے لئے تو مشورہ کر رہی ہوں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تم میرے بعد نکاح کر لینا۔ اس کے بعد دعا کی کہ اے اللہ! میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر خاوند نصیب فرما، جو نہ اسے رنج پہنچائے، نہ تکلیف دے۔ (اصابہ)

مسلم شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور اللہ کے حکم کے مطابق انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور یہ دعا کرے۔

"اے اللہ میری مصیبت میں مجھے اجر دے اور بہتر بدل عنایت فرما۔"

تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اس کی گئی ہوئی چیز سے بہتر عنایت فرما دیں گے۔ جب ابوسلمہؓ کی وفات ہو گئی تو مجھے یہ حدیث یاد آئی اور دل میں کہا کہ (اس دعا کو کیسے پڑھوں؟) ابوسلمہ سے بہتر کون ہو گا وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے اپنے گھر سے ہجرت کی، پھر آخر میں نے یہ دعا پڑھ لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ جل شانہ نے ابوسلمہ کے بعد مجھے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں دے دیا۔

دانشمندی:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سمجھدار اور دانش مند تھیں۔ الاصابہ میں لکھا ہے:

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسن و جمال میں شہرت رکھتی تھیں اور عقل و دانش اور صحیح رائے رکھنے والوں میں ان کا شمار تھا۔"

۶ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کے خیال سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے، جب مکہ کے کافروں کو اس کی خبر لگی کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آ رہے ہیں تو انہوں نے بے جا باتیں شروع کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جانے سے روکنا چاہا۔ ناچار آپ کو مقام حدیبیہ میں ٹھہرنا پڑا۔ جاں نثار صحابہؓ یہ معاملہ دیکھ کر کافروں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی کوشش فرمائی، چنانچہ صلح ہو گئی اور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر رعایت کے ساتھ صلح منظور فرمائی کہ کافروں کی ہر شرط تسلیم فرمائی، حالانکہ بظاہر ان کی شرطوں کے مان لینے میں مسلمانوں کا صریح نقصان معلوم ہوتا تھا، جب صلح نامہ مرتب ہو گیا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ (عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ تو جانا نہیں ہے اب تو واپسی ہی ہے لہٰذا) اٹھو (اپنا اپنا احرام کھول دو اور) قربانی کے جانور ذبح کر ڈالو، پھر سر منڈا لو (چونکہ احرام کھولنا طبیعتوں کو گوارا نہ تھا اور مدینہ سے چونکہ عمرہ کے لئے آئے تھے، اس لئے عمرہ ہی کو جی چاہ رہا تھا اور احرام کھولنے سے اپنا سفر ضائع جاتا نظر آتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر لوگ ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ لوگ احرام کھولنے کو بارگراں سمجھ رہے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب احرام کھول دیں؟ اگر واقعتاً آپ کی ایسی خواہش ہے تو) اس کی ترکیب یہ ہے کہ آپ باہر نکل کر کسی سے ذرا نہ بولیں اور اپنے جانور کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے بال منڈا لیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا کہ باہر نکل کر اپنا جانور ذبح کر دیا اور بال منڈا لئے، جب صحابہؓ نے یہ ماجرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا تو سب احرام کھولنے پر راضی ہو گئے اور اپنے اپنے جانور ذبح کر ڈالے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے (اور سب نے احرام کھول دیا) ایسی بڑی مشکل حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشورہ پر عمل کرنے سے سلجھ گئی۔ (بخاری)

"حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رائے دینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑی عقل مند اور ٹھیک رائے رکھنے والی تھیں۔"

درحقیقت یہ بڑی سمجھ کی بات ہے کہ انسان موقع کو پہچانے اور یہ سمجھ لے کہ اس وقت لوگ اپنے مقتدا کے قول پر توجہ نہیں دے رہے ہیں، لیکن اس کے عمل کی اقتدا کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے خوب فائدہ اٹھایا اور علوم حاصل کئے:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کو بہت غنیمت جانا اور برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات محفوظ کرتی رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کر کر کے اپنا علم بڑھاتی رہیں، پھر اس علم کو انہوں نے پھیلایا، حدیث میں ان کے شاگرد صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ان کے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے، حدیث شریف کی کتابوں میں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات ملتی ہیں، ان کی تعداد ۳۷۸ ہے۔ (الاکمال لصاحب المشکوٰۃ)

محمود بن عبید فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب ہی ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو یاد کرتی تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ ہم پلہ ان میں اور کوئی بیوی نہ تھیں۔ (ابن سعد)

مروان بن الحکم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اور کسی سے کیوں پوچھیں جب کہ ہمارے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں موجود ہیں۔ (مسند ابن حنبل)

اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو خاصی تعداد میں مل سکتے ہیں جن کو جمع کر کے ایک رسالہ بن سکتا ہے۔ (اعلام الموقعین)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کا بہت شوق تھا، ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے، زبان مبارک سے نکلا تھا: "ایھا الناس!" (اے لوگو!) تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے ملے ہوئے تھے) آواز سنتے ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور پورا خطبہ سنا۔" (مسند ابن حنبل)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے سر کی مینڈھیاں بہت سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لئے ان کو کھولا کروں؟ فرمایا نہیں، بس اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین بار لپ بھر کر پانی ڈال لیا کرو (جس سے بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) اس کے بعد سارے بدن پر پانی بہا لیا کرو، ایسا کرنے سے پاک ہو جاؤ گی۔ (مسلم شریف)، (عورت کے لئے غسل میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے، سر کے سارے بالوں کا بھگونا فرض نہیں ہے)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھلایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو۔

"اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے اور تیرے پکارنے والوں کی آوازوں کا وقت ہے، پس تو مجھے بخش دے۔"

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ

میں تشریف رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھیں کہ اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے، وہ چونکہ نابینا تھے، اس لئے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا ہے، دونوں بیبیاں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں، جو ہم کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ (پھر پردہ کی کیا ضرورت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا، کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (مشکوٰۃ عن احمد والترمذی وابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب (وفات سے قبل) مریض ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی نے اہل کتاب کے ایک عبادت خانہ کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے، چونکہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ حبشہ گئی تھیں اور اسے دیکھ کر آئی تھیں، اس لئے انہوں نے اس کی خوب صورت بناوٹ اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ یہ حرکت کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی نیک انسان مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے پھر اس میں وہ تصویریں بنا لیتے تھے (جن کا تم ذکر کر رہی ہو) یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ برے ہیں۔ (مشکوٰۃ عن الصحیحین)

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا، یا رسول اللہ! کیا مجھے (اپنے پہلے شوہر) ابوسلمہ کی اولاد پر خرچ کرنے سے اجر ملے گا، حالانکہ وہ میری ہی اولاد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ تم ان پر خرچ کرو، تم کو اس خرچ کرنے کا اجر ملے گا۔ (بخاری شریف)

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں نہیں کرتی ہیں اور عورتوں کو مرد کے مقابلہ میں آدھی میراث ملتی ہے (اس کا کیا سبب ہے) اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اور جس چیز میں اللہ نے (تم میں) بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو۔"

ایک مرتبہ عرض کیا، یا رسول اللہ! قرآن میں عورتوں کا ذکر کیوں نہیں ہے، لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے آیت ان المسلمین والمسلمٰت والمومنین والمومنٰت (آخر تک) نازل فرمائی۔ (جمع الفوائد)

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن روایت فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک وعظ کے موقع پر سنا کہ جس پر جنابت کا غسل فرض ہو اور صبح ہو جانے تک غسل نہ کیا ہو تو اب روزہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا روزہ نہ ہوگا) میں نے اپنے والد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا، یہ تو عجیب مسئلہ بتایا، اس کے بعد میں اور والد صاحب حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس پہنچے اور ان سے تحقیق کی تو دونوں نے جواب دیا کہ (یہ مسئلہ غلط ہے کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کی حالت میں صبح ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام کی نہیں بلکہ مجامعت کی ہوتی تھی، یہ جواب سن کر ہم دونوں باپ بیٹے مروان بن الحکم کے پاس پہنچے، اس وقت وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے، ان سے اس کا تذکرہ والد صاحب نے کر دیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ ضرور حضرت ابوہریرہؓ کے پاس جاؤ اور ان کے قول کی تردید کرو، لہٰذا ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آئے اور ان سے والد صاحب نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جواب نقل کر دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ کیا ان دونوں نے اس فتوے کا یہ جواب دیا ہے؟ والد صاحب نے فرمایا، جی ہاں، انہوں نے ہی یہ جواب دیا ہے، یہ سن کر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ وہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ جانتی ہیں، مجھے تو فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بتایا تھا اور میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے، یہ فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا۔ (جمع الفوائد)

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر قراءت کر کے بتائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پر ٹھہرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے پھر الحمد للہ رب العلمین پڑھ کر ٹھہرتے، پھر الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے، پھر ملک یوم الدین پڑھ کر توقف فرماتے (غرض کہ اسی طرح علیحدہ علیحدہ آیات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے)۔ (ایضاً)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں آکر پناہ لے گا، اس سے لڑنے کے لئے ایک لشکر چلے گا اور وہ لشکر ایک میدان میں پہنچ کر زمین میں دھنسا دیا جائے گا، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جو لوگ (اس لشکر میں شریک نہ ہوں گے اور اس لشکر کی چڑھائی کو) برا سمجھ رہے ہوں گے، کیا وہ بھی (اس میدان میں ہونے کی وجہ سے) ان کے ساتھ دھنسا دیئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس لشکر کے ساتھ دھنسائے ضرور جائیں گے لیکن قیامت کے روز ہر ایک کا اپنی اپنی نیت پر حشر ہوگا۔ (مسلم شریف)

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعض صحابی ایسے ہیں جن کو اپنی وفات کے بعد نہ میں دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھ سکیں گے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث نقل کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ خدا کی قسم سچ، سچ کہنا، کیا میں ان ہی میں تو نہیں ہوں (جن کا ذکر اس حدیث میں ہے) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا نہیں (تم ان میں نہیں ہو) لیکن تمہارے علاوہ اور کسی کے متعلق یہ نہ کہوں گی، یہ حدیث اس کے متعلق نہیں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عصر کے بعد دو نفل پڑھتے تھے، مروان بن الحکم نے پوچھا کہ آپ یہ نفل کیوں پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے جس کی روایت مجھ سے حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے کی ہے، مروان بن الحکم نے تصدیق کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آدمی بھیجا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، لیکن حضرت ام سلمہؓ سے سن کر بیان کی تھی، جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آدمی پہنچا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا تو بولیں، اللہ عائشہؓ کی مغفرت کرے، انہوں نے میری بات کا اور مطلب لے لیا، میں نے تو یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں اور دوسروں کو منع کر دیا ہے۔ (انہوں نے آدھی بات یاد رکھی)۔ (ایضاً)

امر بالمعروف:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی پابند تھیں، ایک روز ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ کی جگہ غبار تھا، اس لئے وہ صاحبزادے سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑ دیتے تھے، یہ دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو روکا اور فرمایا کہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام (افلح) نے ایسا کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اے افلح اپنا چہرہ مٹی میں ملا۔" (مسند احمد وبعضہ فی المشکوٰۃ)

نماز کے وقت بعض امراء نے تبدیل کر دیئے تھے، یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلدی پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔ (ایضاً)

عبادت:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی عبادت گزار تھیں، نفل نمازوں اور نفل روزوں کا خاص اہتمام رکھتی تھیں، ہر مہینے میں تین روزے (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو ضرور) رکھتی تھیں، ایک مرتبہ ایک ہار پہن لیا جس میں کچھ سونا بھی شامل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر اعراض فرمایا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے توڑ ڈالا۔ (ایضاً ۱۲)

بچوں کی پرورش:..... حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں کی پرورش فرمائی اور ان کی دینی تربیت کی، یہ بچے ان کے پہلے شوہر سے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کسی بھی بیوی سے نہیں ہوئی، نہ حضرت ام سلمہ سے، نہ اور کسی بیوی سے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک مرتبہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے بیٹھا تو پیالے میں ہر طرف ہاتھ ڈالنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھا اور داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنی طرف سے کھا۔ (بخاری شریف)

ایک عجیب واقعہ:..... ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کسی نے ہدیۃً گوشت کا ایک ٹکڑا بھیجا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا، اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے خادمہ سے فرمایا کہ اسے گھر میں اندر رکھ دو، شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمادیں، خادمہ نے اس گوشت کو طاق میں رکھ دیا، تھوڑی دیر بعد ایک سائل آیا، اس نے دروازہ کے باہر سے آواز دی کہ صدقہ دو، اللہ تمہارے (گھر بار، جان و مال) میں برکت دے۔ اس گوشت کے علاوہ کچھ موجود نہ تھا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس گوشت کو رکھ دیا تھا، اس لئے اس کو دینا گوارا نہ ہوا اور سائل کو جواب دے دیا کہ (کچھ نہیں ہے اور جگہ تلاش کر) اللہ برکت دے، یہ جواب سن کر سائل چلا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ام سلمہ! کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، جی ہے، یہ کہہ کر خادمہ نے فرمایا کہ جاؤ، وہ گوشت لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دو، اب جو باندی نے جا کر دیکھا تو وہاں بجائے گوشت کے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یقین جانو، وہ گوشت اس لئے پتھر (جو شخص سائل سے بہانہ کر کے خود کھاتا ہے وہ پتھر کھا رہا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ سنگ دلی اور دل کی سختی بڑھتی چلی جاتی ہے، چونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر خداوند کریم کی بڑی عنایت اور رحمت ہے، اس لئے اس گوشت کی صورت کھلی نگاہوں میں بدل دی تاکہ اس کے استعمال سے محفوظ رہیں۔ بہشتی زیور) بن گیا کہ تم نے سائل کو نہ دیا۔ (مشکوٰۃ عن البیہقی فی دلائل النبوی)

وفات:..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۵۹ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر شریف ۸۴ سال کی تھی، یہ واقدی کا بیان ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق میں ان کی وفات ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جو نو بیویاں چھوڑی تھیں ان میں سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی اور ان میں سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

داستان مجاہد

قسط نمبر3

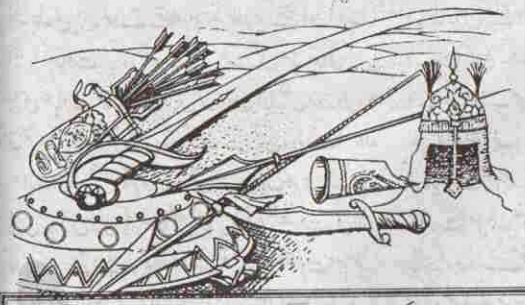

نسیم حجازی

اردو ادب میں "نسیم حجازی" (۱۹۱۴ء تا ۱۹۹۶ء) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کا شمار بیسویں صدی کے مشہور و ممتاز ناول نگاروں میں ہوتا ہے، آپ کے ناولوں کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ناول مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ پر مبنی ہیں، جنہوں نے اردو خواں طبقے کی کئی نسلوں پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں، آپ صرف تاریخی واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بل کہ حالات کی ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ قاری خود کو کہانی کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ آپ کے مشہور ناولوں میں داستان مجاہد، محمد بن قاسم، قیصر و قیصری، قافلہ حجاز، شاہین، خاک و خون وغیرہ ہیں۔ قارئین حیا کی خدمت میں "نسیم حجازی" کا مشہور ناول "داستان مجاہد" پیش ہے، جو اسلامی تاریخ کے مختلف داستانوں اور واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اس زمانے میں دیبل سندھ کا ایک مشہور شہر تھا۔ سندھ کے راجہ کو شہر کی چار دیواری پر اتنا بھروسہ تھا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنی بے شمار افواج کے ساتھ شہر کے اندر پناہ گزین ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر کے منجنیق سے پتھر برسانے شروع کئے لیکن کئی دنوں کی سخت محنت کے باوجود مسلمان شہر پناہ توڑنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ آخر ایک دن ایک بھاری پتھر بدھ کے ایک مندر پر آ گرا اور اس کا سنہری گنبد ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑا اور اس کے ساتھ ہی بدھ کا ایک مجسمہ چکنا چور ہو گیا۔ اس بت کے ٹوٹ جانے کو راجہ داہر اپنے لئے برا شگون خیال کرتے ہوئے بدحواس ہو گیا اور رات کے وقت اپنی فوج کے ساتھ بھاگ نکلا اور برہمن آباد پہنچ کر دم لیا۔ دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نیرون کی طرف بڑھا۔ نیرون کے باشندوں نے لڑائی سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

نیرون پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسمؒ نے بھروچ اور سیوستان کے مشہور قلعے فتح کئے، راجہ داہر نے برہمن آباد پہنچ کر چاروں طرف ہرکارے دوڑائے اور باقی ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے مدد طلب کی۔ اس کی اپیل پر دو سو ہاتھیوں کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار سوار اور کئی پیادہ مزید جمع ہو گئے۔ راجہ داہر اس لشکر جرار کے ساتھ برہمن آباد سے باہر نکلا اور دریائے سندھ کے کنارے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈال کر محمد بن قاسمؒ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

محمد بن قاسمؒ نے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کیا اور ۱۹ جون ۷۱۲ء کی شام محمد بن قاسمؒ کی فوج نے

راجہ کی قیام گاہ سے دو کوس فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ علی الصباح ایک طرف ناقوس اور گھنٹوں کی آواز اور دوسری طرف سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور دونوں لشکر اپنے اپنے ملک کے جنگی قواعد کے مطابق منظم ہو کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔

محمد بن قاسمؒ نے فوج کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کر کے پیش قدمی کا حکم دیا اور سندھ کی فوج کے ہر اول میں دو سو ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے آگے بڑھے اور مسلمان کے گھوڑے بدک کر پیچھے ہٹنے لگے۔ محمد بن قاسمؒ نے یہ دیکھ کر فوج کو تیر برسانے کا حکم دیا۔ ایک ہاتھی مسلمانوں کی صفیں روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ محمد بن قاسمؒ نے اس کے مقابلے کے لئے آگے بڑھنا چاہا، وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ نعیم اور سعید نے اس کی تقلید کی اور دو اور ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ ڈالیں۔ زخم خوردہ ہاتھی واپس مڑے اور اپنی فوجوں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔ باقی ہاتھی تیروں کی بارش میں آگے نہ بڑھ سکے اور زخمی ہو کر سندھ کے لشکر کی صفیں درہم برہم کرنے لگے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر محمد بن قاسمؒ نے اگلی صفوں کو آگے بڑھنے اور پچھلے دستوں کو چکر کاٹ کر دشمن کو تین اطراف سے گھیر لینے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے جان توڑ حملے نے دشمن کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ سعید چند جاں فروشوں کے ساتھ حریف کی صفیں توڑتا ہوا قلب لشکر تک جا پہنچا۔ نعیم نے اپنے بہادر ماموں سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا اور وہ بھی نیزے سے اپنا راستہ صاف کرتا ہوا ماموں کے قریب جا پہنچا، راجہ داہر اپنی نوجوان رانیوں کے درمیان ایک ہاتھی پر سنہرے ہودج میں بیٹھا وہاں لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس کے آگے چند پجاری ایک بت اٹھائے بھجن گا رہے تھے۔ سعید نے کہا: یہ بت ان کا آخری سہارا ہے، اسے توڑ ڈالو۔

نعیم نے ایک پجاری کے سینے میں تیر مارا اور وہ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر نیچے گر پڑا۔ دوسرا تیر ایک پجاری کو لگا اور وہ بت کو میدان میں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ بت واقعی ان کا آخری سہارا ثابت ہوا۔ تمام فوج میں ہل چل مچ گئی۔ سعید سخت زخمی ہونے کے باوجود آگے بڑھتا گیا۔ اس نے راجہ داہر کے ہاتھی پر حملہ کیا لیکن راجہ داہر کے جاں نثار اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور سعیدان کے نرغے میں آ گیا۔ سعید کو اس طرح گھرا ہوا دیکھ کر نعیم نے بھوکے شیر کی طرح حملہ کیا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ ایک لمحے کے لئے اس نے سعید کی جستجو میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن وہ نظر نہ آیا۔ اچانک اس کا خالی گھوڑا ادھر ادھر بھاگتا دکھائی دیا۔ نعیم نے نیچے لاشوں کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ سعید دشمن کی کئی لاشوں کے اوپر منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ نعیم نے گھوڑے سے اتر کر ماموں کے سر کو سہارا دے کر اوپر کیا۔ ماموں جان، ماموں جان! کہہ کر پکارا، لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ راجہ داہر کا ہاتھی اس سے زیادہ دور نہ تھا لیکن ابھی تک غیر منظم سپاہیوں کا ایک گروہ اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے کھڑا تھا۔

نعیم نے ایک بار پھر کمان اٹھائی اور راجہ کی طرف تیر برسانے لگا۔ ایک تیر راجہ کے سینے میں لگا اور اس نے نیم بسمل ہو کر اپنا سر ایک رانی کی گود میں رکھ دیا۔ راجہ کے قتل کی خبر مشہور ہوتے ہی سندھ کا لشکر میدان جنگ میں لاشوں کا انبار چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ان شکست خوردہ سپاہیوں میں سے بعض نے برہمن آباد اور بعض نے اردر کا رخ کیا۔

اس عظیم فتح کے بعد مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی اور شہیدوں کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ سعید کی نعش پر زخموں کے بیس سے زیادہ نشانات تھے۔ جب اسے لحد میں رکھا گیا تو نعیم نے اپنی جیب سے بھائی کا خط نکالا اور لحد کے اندر پھینک دیا۔

محمد بن قاسم نے حیران ہو کر پوچھا: یہ کیا ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک خط، نعیم نے مغموم لہجے میں کہا۔

کیسا خط؟

مجھے عبداللہ نے دیا تھا۔ میں انہیں یہ خط پہنچانے کا وعدہ کر کے آیا تھا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ میں اپنا وعدہ پورا کر سکتا۔

میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟ محمد بن قاسم نے پوچھا۔

اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

محمد بن قاسم نے جھک کر لحد سے خط نکالا۔ پڑھا اور نعیم کو واپس کرتے ہوئے کہا: اسے اپنے پاس رکھو۔ شہیدوں کی نگاہ سے دنیا اور آخرت کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی۔ محمد بن قاسم سے نعیم کی زندگی کا کوئی راز پوشیدہ نہ تھا۔ نعیم کے لئے عبداللہ کا ایثار اور خدا کی راہ میں نعیم کی یہ شاندار قربانی دیکھ کر اس کے دل میں ان دونوں بھائیوں کے لئے پہلے سے زیادہ گہری محبت پیدا ہو گئی۔

رات کے وقت محمد بن قاسم نے سونے سے پہلے نعیم کو اپنے خیمے میں بلایا اور ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد کہا: اب ہم چند دنوں تک برہمن آباد فتح کر کے ملتان کا رخ کریں گے۔ وہاں شاید ہمیں زیادہ افواج کی ضرورت پڑے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ تمہیں واپس بصرہ بھیج دیا جائے۔ وہاں تم زیادہ افواج مہیا کرنے کے لئے تقریریں کرو۔ راستے میں اپنے گھر سے بھی ہوتے جانا اور انہیں تسلی دینا۔

جہاں تک ان کی تسلی کا تعلق ہے۔ میں اسے جہاد سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ رہا مزید کمک کا سوال، تو آج کے معرکے نے ثابت کر دیا ہے کہ سندھ کے لئے مزید افواج کی ضرورت نہیں۔

لیکن میرا ارادہ فقط سندھ فتح کرنے تک محدود نہیں۔

لیکن ایک دوست کی حیثیت میں مجھ پر آپ کا یہ احسان غیر ضروری ہوگا۔

کیسا احسان؟ محمد بن قاسمؒ نے پوچھا۔

آپ مجھے بصرہ بھیجنے کے بہانے گھر جانے کا موقع دینا چاہتے ہیں اور میں اسے ایک احسان سمجھتا ہوں۔

محمد بن قاسم نے کہا: اگر یہ احسان میرے یا تمہارے فرائض سے ٹکر کھاتا ہو تو میں تمہیں کبھی اجازت نہ دوں، لیکن فی الحال تمہاری اس جگہ کوئی ضرورت نہیں کیونکہ برہمن آباد فتح کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی معمولی ریاستوں کی سرکوبی کے بعد ہم ملتان کا رخ کریں گے۔ تم اس وقت تک آسانی سے واپس آجاؤ گے اور تمہارے ساتھ آنے والے تھوڑے، بہت سپاہی ہماری طاقت میں کافی اضافہ کر سکیں گے۔

اچھا! پھر مجھے کب جانا چاہئے؟

جس قدر جلدی ہو سکے۔ اگر تمہارے زخم تمہیں سفر کی اجازت دے سکیں تو کل ہی روانہ ہو جاؤ!

محمد بن قاسم کے ان الفاظ کے بعد نعیم بظاہر وہیں بیٹھا تھا لیکن اس کے خیالات اسے سندھ کی سرزمین سے ہزاروں میل دور لے جا چکے تھے۔

علی الصباح وہ واپس بصرہ کا رخ کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

سندھ میں مسلمانوں کی فتوحات کے حالات سے حجاج بن یوسف کو ہر وقت باخبر رکھنے کے لئے محمد بن قاسم نے سندھ سے لے کر بصرہ تک دس دس کوس کے فاصلے پر سپاہیوں کی چوکیاں مقرر کر دی تھیں۔ ان چوکیوں پر ڈاک رسانی کی غرض سے نہایت تیز رفتار گھوڑے رکھے گئے تھے۔

نعیم علی الصباح سندھ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ہر چوکی پر گھوڑا بدلتا ہوا دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہا تھا۔ رات کے وقت اس نے ایک چوکی پر قیام کیا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے اسے جلد نیند آ گئی۔ آدھی رات کے قریب سندھ کی طرف سے ایک اور سوار کی آمد نے نعیم اور چوکی کے سپاہیوں کو جگا دیا۔ سوار، لباس سے ایک مسلمان سپاہی معلوم ہوتا تھا۔ وہ چوکی پر پہنچتے ہی اپنے

گھوڑے سے اترا اور کہنے لگا:

میں بصرہ میں ایک نہایت ضروری خبر لے کر جا رہا ہوں، دوسرا گھوڑا فوراً تیار کرو!

نعیم کو سندھ کے ہر معاملے سے دلچسپی تھی، اس نے آٹھ کر مشعل کی روشنی میں نو وارد کو دیکھا۔ وہ گندمی رنگ کا ایک قوی ہیکل نوجوان تھا۔

تم محمد بن قاسمؒ کا پیغام لے کر جا رہے ہو؟

ہاں۔

کیا پیغام ہے؟

مجھے کسی کو بتانے کی اجازت نہیں۔

مجھے جانتے ہو؟

ہاں، آپ ہماری فوج کے ایک سالار ہے لیکن معاف کیجئے اگرچہ آپ کو بتانے میں کوئی حرج نہیں، تاہم مجھے سپہ سالار کا حکم ہے کہ حجاج بن یوسف کے سوا یہ پیغام کسی کو نہ دیا جائے۔

میں تمہاری اس فرض شناسی کی قدر کرتا ہوں۔ نعیم نے کہا۔

اتنی دیر میں دوسرا گھوڑا تیار ہو گیا اور نو وارد اس پر سوار ہو کر آن کی آن میں رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد نعیم اپنے سفر کا تین چوتھائی حصہ طے کر کے ایک دل کش وادی میں سے گزر رہا تھا۔ اسے راستے میں پھر وہی سوار نظر آیا۔ نعیم نے اسے غور سے دیکھنے پر پہچان لیا۔ اس نے نعیم کے قریب آنے پر گھوڑا روک لیا اور کہا:

آپ بہت تیز رفتاری سے آئے۔ میرا خیال تھا کہ آپ بہت پیچھے رہ جائیں گے!

آپ بھی بصرہ جا رہے ہیں؟

ہاں، نعیم نے جواب دیا۔ اگر تم اس دن تھوڑی دیر کے لئے میرا انتظار کر لیتے تو سارا سفر اکٹھے رہتے۔

میرا خیال تھا کہ آپ ذرا آرام سے سفر کریں گے، اب میں آپ کے ساتھ رہوں گا، چلئے!

میرا خیال ہے کہ تم ان راستوں سے زیادہ واقف ہو؟

ہاں! میں اس ملک میں بہت دیر رہ چکا ہوں۔

چلو پھر آگے تم چلو!

اجنبی نے گھوڑا آگے کر کے سرپٹ چھوڑ دیا اور نعیم نے بھی اس کی تقلید کی۔

کچھ دیر کے بعد نعیم نے سوال کیا۔ ہم دوسری چوکی پر ابھی تک کیوں نہ پہنچے؟ کہیں ہم راستہ تو نہیں بھول گئے؟

نعیم کے ساتھی نے گھوڑا روکا اور پریشان سا ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ بالآخر اس نے کہا، میرا بھی یہی خیال ہے لیکن آپ فکر نہ کریں، ہم اس وادی کو عبور کرنے کے بعد صحیح راستہ معلوم کر لیں گے، یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ چند کوس اور طے کرنے کے بعد اجنبی نے گھوڑا پھر روک لیا اور کہا: شاید ہم صحیح راستے سے بہت دور ایک طرف نکل آئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ راستہ شیراز کی طرف جاتا ہے۔ ہمیں اب بائیں طرف مڑنا چاہئے، لیکن گھوڑے بہت تھک گئے ہیں، یہاں تھوڑی دیر آرام کر لیں تو بہتر ہوگا۔ یہ سرسبز اور شاداب خطہ کچھ ایسا جاذب نگاہ تھا کہ نعیم کے تھکے ہوئے جسم نے بے اختیار تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے اجنبی کی تائید کی، دونوں سوار نیچے اترے۔ گھوڑوں کو ایک چشمہ سے پانی پلا کر درخت کے ساتھ باندھ دیا اور سرسبز گھاس پر بیٹھ گئے۔

اجنبی نے اپنا تھیلا کھولتے ہوئے کہا۔ آپ کو بھوک تو ضرور ہوگی؟ میں نے تو پچھلی چوکی سے پیٹ بھر لیا تھا، یہ تھوڑا سا کھانا شاید آپ کے لئے بچ گیا تھا۔

اجنبی کے اصرار پر نعیم نے روٹی اور پنیر کے چند ٹکڑے کھائے اور چشمہ سے پانی پی کر گھوڑے پر سوار ہونا چاہا لیکن دماغ میں غنودگی سی محسوس کرنے کے بعد گھاس پر لیٹ گیا۔

میرا سر چکرا رہا ہے، اس نے کہا۔

اجنبی نے کہا، آپ بہت تھکے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر آرام کر لیں!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں دیر ہو جائے گی۔ ہمیں چلنا چاہئے، نعیم یہ کہہ کر اٹھا لیکن ڈگمگاتے ہوئے چند قدم چلنے کے بعد پھر زمین پر بیٹھ گیا۔

اجنبی نے اس کی طرف دیکھ کر ایک مہیب قہقہہ لگایا۔ نعیم کے دل میں فوراً یہ خیال آیا کہ اسے کھانے میں کوئی نشہ آور شے دی گئی ہے۔ ساتھ ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ وہ کسی خطرناک مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔ اس نے ایک بار پھر اٹھنا چاہا لیکن ہاتھ پاؤں جواب دے چکے تھے۔ اس کے دماغ پر گہری نیند کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ اس نے نیم بیہوشی کی حالت میں محسوس کیا کہ چند آدمی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ رہے ہیں۔ اس نے ان کی آہنی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن اس کی جدوجہد بے سود تھی۔ وہ قریباً بے ہوش ہو چکا تھا، اس کے بعد اسے صرف اس بات کا معمولی سا ہوش تھا کہ چند آدمی اسے اٹھا کر کسی طرف لے جا رہے ہیں۔

اگلے دن نعیم کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک تنگ کوٹھڑی میں پایا اور وہی اجنبی جو اسے فریب دے کر یہاں تک لایا تھا، اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ نعیم نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور سوال کیا: مجھے یہاں لانے سے تمہارا کیا مقصد ہے اور میں کس کی قید میں ہوں؟

وقت آنے پر تمہیں تمام سوالات کا جواب مل جائے گا۔

اجنبی یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

☆.....☆.....☆

نعیم کو قید ہوئے تین مہینے گزر گئے، اس کی مایوسی قید خانے کی کوٹھڑی کی بھیانک تاریکی میں اضافہ کر رہی تھی، اس ناگفتہ بہ حالت میں اس کے لئے فقط یہ خیال تسلی بخش تھا کہ خدا کو اس کے صبر کا امتحان مقصود ہے۔ ہر صبح و شام ایک شخص آتا اور قید خانہ کی دیوار میں ایک چھوٹے سے سوراخ کے راستے کھانا دے کر چلا جاتا۔

نعیم کئی بار پوچھتا، مجھے قید کرنے والا کون ہے؟ مجھے کس لئے قید کیا گیا ہے؟

لیکن ان سوالات کا کوئی جواب نہ ملتا، تین مہینے گزر جانے کے بعد نعیم ایک صبح بارگاہِ الٰہی میں سربسجود دعا مانگ رہا تھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہی اجنبی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نمودار ہوا، اس نے نعیم سے مخاطب ہو کر کہا:

اٹھو اور ہمارے ساتھ چلو!

کہاں؟ نعیم نے سوال کیا۔

کوئی تمہیں دیکھنا چاہتا ہے، اس نے جواب دیا۔

نعیم ننگی تلواروں کے سایہ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔

قلعہ کے ایک خوشنما کمرے میں ایک ایرانی قالین پر چند نوجوانوں کے درمیان ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھا تھا، نعیم نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ ابن صادق تھا۔

اسیری:..... ابن صادق کی گزشتہ زندگی ناکامیوں کی ایک طویل داستان تھی۔ وہ یروشلم کے ایک متمول یہودی گھرانے میں پیدا ہوا۔ ذہین ہونے کے باعث اس نے سولہ برس کی عمر میں ہی عربی، فارسی، یونانی اور لاطینی میں غیر معمولی استعداد پیدا کر لی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسے ایک عیسائی لڑکی مریم سے محبت ہو گئی اور وہ اس کے والدین کو شادی پر رضامند کرنے کے لئے عیسائی ہو گیا۔ لیکن مریم کچھ عرصے کے بعد ابن صادق کی دلجوئی کرنے کے بعد اس کے چچازاد بھائی الیاس پر فریفتہ ہو کر اس سے نفرت کرنے لگی۔ ابن صادق نے بہت کوششوں کے بعد مریم کے والدین کو شادی پر رضامند کر لیا، لیکن وہ ایک دن موقع پا کر اپنے نئے عاشق کے ساتھ فرار ہو گئی اور دمشق پہنچ کر اس سے شادی کر لی۔ مریم کی محبت اور اخلاق سے متاثر ہو کر الیاس نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

الیاس ایک بلند پایہ معمار تھا۔ اس نے دمشق میں

معقول آمدنی کی صورت پیدا کر لی اور وہیں مکان بنا کر زندگی گزارنے لگا۔ ایک سال کے بعد الیاس کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام زلیخا رکھا گیا۔

ابن صادق کو سخت جستجو کے بعد ان کا پتہ چلا۔ وہ دمشق پہنچا، وہاں محبوبہ اور بھائی کو عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے دیکھ کر اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ چند دن وہ دمشق کے گلی کوچوں کی خاک چھانتا رہا۔ بالآخر اسلام قبول کر کے دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ مریم پر اپنے حقوق جتا کر درخواست کی کہ وہ الیاس سے چھین کر اسے دلائی جائے۔ وہاں سے حکم ملا کہ یہودی اور عیسائی ہماری امان میں ہیں۔ چونکہ مریم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے، اس لئے اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ قسمت کا مارا نہ یہودی تھا، نہ عیسائی، نہ مسلمان، چاروں طرف کی مایوسی دل میں انتقام کی آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکی، دمشق کی خاک چھاننے کے بعد یہ کوفہ میں حجاج بن یوسف کے پاس پہنچا اور اسے اپنی سرگزشت سنا کر مدد کی درخواست کی۔ حجاج نے خاموشی سے اس کی سرگزشت سنی، ابن صادق نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اس کی تعریف کی اور دربارِ خلافت کی مذمت میں چند فقرے کہہ ڈالے۔

اس نے کہا، اگر آپ میرے دل سے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ ذاتی قابلیت کے اعتبار سے آپ مسند خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، ابھی ابن صادق کے فقرے کے آخری الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ حجاج نے ایک سپاہی کو آواز دی اور حکم دیا کہ اسے دھکے دے کر شہر سے نکال دو اور ابن صادق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تمہاری سزا تو قتل تھی لیکن میں اس لئے درگزر کرتا ہوں کہ تم میرے ہاں ایک مہمان کی حیثیت سے آئے ہو۔

ابن صادق شام کے وقت شہر سے نکلا اور رات ایک راہب کے جھونپڑے میں پناہ لے کر علی الصباح خطرناک عزائم کے ساتھ یروشلم کی طرف روانہ ہوا۔ وہ یروشلم میں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ چند سال تک وہ اپنے بھائی اور محبوبہ کے علاوہ تمام دنیا کے خلاف جذبۂ انتقام لئے مارا مارا پھرتا رہا۔ بالآخر اس نے اپنے ساتھ شر پسندوں کی ایک خطرناک جماعت پیدا کر لی اور ایک زبردست سازش کے ارادے سے انہیں تمام ملک میں پھیلا دیا۔ وہ اس مختصر جماعت کا روحانی پیشوا بن بیٹھا۔ ایک دن اسے اپنے چچازاد بھائی سے انتقام لینے کا موقع ملا اور وہ اس کی اکلوتی بیٹی زلیخا کو اغوا کر لایا۔ زلیخا کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی، ابن صادق اسے لے کر ایران کی طرف بھاگا اور مدائن میں اپنی جماعت کے اخی نامی ایک شخص کے سپرد کر کے پھر اپنے تخریبی مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ دو ماہ بعد اس کی جماعت کے خفیہ کارکنوں نے الیاس اور مریم کو قتل کر ڈالا۔ اس نے اس سفاکانہ قتل کے بعد بھی بس نہ کی اور اپنی بقیہ زندگی کو تمام دنیا کے لئے خطرناک بنانے کی ٹھان لی۔ عالم اسلام میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے وہ حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔ چند خارجیوں اور اسلام دشمنوں نے اس کے ساتھ بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے مقاصد کی تکمیل کے راستے میں مالی مشکلات حائل تھیں۔ اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا ہوا قیصر روم کے دربار میں حاضر ہوا۔

قیصر اگرچہ مشرق میں اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا، تاہم ابھی تک اس کے دل میں اپنے آباؤ اجداد کی شکستوں کی یاد تازہ تھی۔ اس نے ابن صادق کے ساتھ کھلے طور پر شریک عمل ہونے کی جرأت نہ کی لیکن مسلمانوں کے اس حد تک خطرناک دشمن کی حوصلہ افزائی ضروری خیال کی۔ اس نے ابن صادق سے کہا: ہم تمہاری ہر ممکن طریقے سے مدد کریں گے لیکن جب تک مسلمان ایک ہیں، ہم ان پر حملہ کرنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ تم واپس جا کر اپنا کام جاری رکھو، ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری خدمات کا خیال رکھیں گے۔

ابن صادق وہاں سے سونا چاندی اور جواہرات کے گراں بہا تحائف لے کر واپس آیا اور کوفہ و بصرہ کے درمیان ایک گمنام مقام کو اپنی قیام گاہ بنا کر اپنا تخریبی کام شروع کردیا۔ حجاج کے خوف سے اس نے کئی سال تک اپنے خیالات کے اعلان کی جرأت نہ کی اور اپنی تمام کوششوں کو اس کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ہر ممکن احتیاط سے کام لیا۔ چند برس کی سرتوڑ کوشش اور محنت سے اس نے ایک ہزار اشخاص کی جماعت تیار کرلی۔ اس جماعت کے اکثر افراد ایسے تھے جن کا ضمیر وہ سونے اور چاندی کے عوض خرید چکا تھا۔ وہ قیصر روم کو اپنی خدمات سے باخبر رکھتا اور وہاں سے حسب ضرورت مدد منگوالیتا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی جماعت قدرے طاقت ور ہوگئی ہے اور کوفہ و بصرہ کے اکثر لوگ حجاج سے نفرت کرتے ہیں تو اپنے مدمقابل پر آخری ضرب لگانے کے لئے تیار ہو بیٹھا۔ ایک دن اس کے جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ آج حجاج کوفہ میں گیا ہے اور ابن عامر فوج بھرتی کے لئے تقریر کرنے والا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ بصرہ کے اکثر لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے کتراتے ہیں، ابن صادق نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور پہلی مرتبہ اپنے گوشے سے نکل کر اہل بصرہ کے عام جلسے میں حصہ لینے کی جرات کی، اسے یقین تھا کہ وہ بصرہ کے غیر مطمئن لوگوں کو اپنی جادو بیانی سے مشتعل کرنے میں کامیاب ہوگا لیکن اس کا یہ وہم غلط ثابت ہوا۔ نعیم نے اچانک نمودار ہو کر اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔

ابن صادق بصرہ سے دم بدا کر بھاگا اور رملہ جا کر خلیفہ کے بھائی سلیمان کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ ایک ہزار کی جماعت میں سے صرف چند آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ چونکہ حجاج بن یوسف، سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرنے میں خلیفہ کا ہم خیال تھا۔ اس لئے سلیمان، حجاج اور اس کے ساتھیوں کو اپنے بدترین دشمن اور حجاج کے دشمنوں کو اپنا دوست خیال کرتا تھا۔ حجاج، یوسف نے ابن صادق کی فتنہ پردازی سے واقف ہو ہی اس کے تعاقب میں سپاہی روانہ کئے، جب اسے معلوم ہوا کہ سلیمان رملہ میں اسے پناہ دے چکا ہے خلیفہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ دربارِ خلافت سے سلیمان کے نام پر حکم صادر ہوا کہ ابن صادق اور اس کے ساتھیوں کو پابہ زنجیر حجاج بن یوسف کے پاس روانہ کیا جائے! سلیمان، ابن صادق کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکا تھا اور اس کی جان بچانا چاہتا تھا۔ اس نے ابن صادق کو اصفہان کی طرف بھگا دیا اور دربارِ خلافت کو لکھ بھیجا کہ ابن صادق رملہ سے فرار ہوگیا ہے، چند روز اصفہان کی خاک چھاننے کے بعد ابن صادق نے شیراز کا رخ کیا۔ شیراز سے پچاس کوس کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف پہاڑوں کے درمیان پرانے زمانے کا ایک غیر آباد قلعہ تھا، ابن صادق نے اس قلعے میں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا اور اپنی تازہ مصیبتوں کی ذمہ داری نعیم پر عائد کرتے ہوئے اسے ایک عبرتناک سزا دینے کا منصوبہ باندھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

نعیم، ابن صادق کے سامنے خاموشی سے کھڑا تھا، ایک سپاہی نے اچانک اسے دھکا دے کر منہ کے بل زمین پر گرا دیا اور کہا: بے وقوف! یہ بصرہ کی مسجد نہیں، اس وقت تم ہمارے امیر کے دربار میں کھڑے ہو، یہاں گستاخوں کے سر قلم کئے جاتے ہیں!

یہ کہہ کر ابن صادق اپنی جگہ سے اٹھا اور نعیم کو بازو کا سہارا دے کر کھڑا کیا، فرش پر گرنے سے نعیم کی ناک سے خون بہہ رہا تھا، ابن صادق نے اپنے رومال سے اس کا منہ پونچھا اور اس کی طرف ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا: میں نے سنا ہے آپ اپنے میزبان کا نام نہایت بے قراری سے پوچھتے رہے ہیں، افسوس آپ کو بہت دیر انتظار کرنا پڑا، میری بھی خواہش تھی

کہ بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کروں لیکن فرصت نہ ملی۔ آج آپ سے مل کر جو مسرت میرے دل کو ہوئی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ بھی ایک پرانے دوست سے مل کر بہت خوش ہوئے ہوں گے، کہئے طبیعت کیسی ہے؟ آپ کا رنگ بہت زرد ہو رہا ہے، میرے خیال میں اس کوٹھڑی کی تنگی اور تاریکی میں آپ کی مجاہدانہ طبیعت بہت پریشان ہوئی ہوگی۔ لیکن آپ شاید نہیں جانتے کہ اس چھوٹے سے قلعے میں کوئی بڑی کوٹھڑی نہیں، اس لئے میرے آدمی آپ کو وہیں رکھنے پر مجبور تھے، آج میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کو اس لئے باہر نکالا ہے کہ آپ روشنی اور تاریکی میں امتیاز کرنے والی حس سے عاری نہ ہو جائیں۔ لیکن آپ تو میری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے میں کوئی اجنبی ہوں، پہچانتے نہیں آپ مجھے؟ آپ سے میرا تعارف بصرہ میں ہوا تھا۔ اگرچہ ہماری پہلی ملاقات نہایت ناخوشگوار حالات میں ہوئی تھی۔ تاہم ہمارے تعلقات اس دن سے کچھ ایسے نہیں کہ ایک دوسرے کو بھول سکیں۔ مجھے بڑی مشکل سے آپ کی اس تقریر کی داد دینے کا موقع ملا ہے اور مجھے آپ جیسے غیور مجاہد کو عبداللہ بن ابی کے جانشین کے سامنے اس طرح کھڑے دیکھ کر بہت رحم آتا ہے، بتایئے، آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

ابن صادق کا ہر لفظ نعیم کے دل پر تیر و نشتر کا کام کر رہا تھا، اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا، مجھے اپنے اسیر ہونے کا غم نہیں، لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ میں تم جیسے بزدل اور کمینے شخص کی قید میں ہوں، اب جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ میری زندگی اور موت دونوں تمہارے لئے خطرناک ہیں، اس وقت میرے ہاتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، مگر اسیری مجاہد کو بزدل نہیں بنا سکتی۔

ابن صادق نے نعیم کے سخت الفاظ سے بے پروائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تم بہادر ہونے کے ساتھ بے وقوف بھی ہو، تم نہیں جانتے کہ تمہارا سر اس وقت ایک اژدھا کے منہ میں ہے، تمہیں نگل جانا یا چھوڑ دینا، اس کی مرضی پر منحصر ہے، میری قید سے آزاد ہونے کا خیال بھی دل سے نکال دو، اس قلعہ میں دو سو سپاہی ہر وقت ننگی تلواروں کے ساتھ تمہاری نگرانی کے لئے موجود رہتے ہیں، یہ کہہ کر ابن صادق نے تالی بجائی اور قلعے کے مختلف گوشوں سے کئی سپاہی ننگی تلواریں لئے نمودار ہوئے، نعیم کو ان میں ہر ایک کا چہرہ ابن صادق کی طرح سفاک نظر آتا تھا۔

نعیم نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں بزدل نہیں ہوں، تم سے رحم کی درخواست نہیں کروں گا، تمہارا مقصد اگر میری جان لینا ہے تو میں تیار ہوں۔

ابن صادق نے کہا، تم یہ سمجھتے ہو کہ دنیا کی سب سے بڑی سزا موت ہے، لیکن میں تم پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں بہت سے سزائیں موت سے زیادہ بھیانک ہیں، میں تمہیں وہ سزا دے سکتا ہوں جس کو برداشت کرنے کی تم میں ہمت نہ ہو، میں تمہاری زندگی کو اس درجہ تلخ بنا سکتا ہوں کہ تمہیں ہر لحہ موت سے زیادہ تاریک دکھائی دے، لیکن میں تمہارا دشمن نہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو، میں تمہیں ایک ایسی زندگی کا راستہ بتانا چاہتا ہوں جو تمہاری عاقبت کے تصور سے بھی زیادہ حسین ہے، تم جنگوں کے مصائب اس لئے برداشت کرتے ہو کہ تم زندگی کے عیش و آرام سے واقف نہیں ہو، تم بے لوث اس لئے ہو کہ خودنمائی کی لذت سے نا آشنا ہو، یہ چند سالہ زندگی خدا نے تمہیں اس دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے دی ہے، تم اس کی قدر و قیمت نہیں جانتے، تم بہادر ہو، لیکن تمہاری بہادری تمہیں اس کے سوا اور کیا سکھاتی ہے کہ تم ایسے مقاصد کے لئے اپنی جان گنواؤ جن کا تمہاری ذات سے کوئی تعلق نہیں، تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم راہ خدا میں قربان ہو رہے ہو، لیکن خدا کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری قربانیوں کی ضرورت نہیں، تمہاری قربانی سے اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو خلیفہ اور حجاج کو، جو گھر بیٹھے فتوحات کی شہرت حاصل کررہے ہیں، تم اپنے آپ کو فریب دے رہے ہو، تمہاری جوانی اور تمہاری شکل و صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم خاک وخون میں لوٹنے کے لئے نہیں بنائے گئے۔ تم ایک شہزادہ معلوم ہوتے ہو، تمہارے لئے ایک خونخوار بھیڑیئے کی زندگی بسر کرنا زیبا نہیں۔ تمہیں ایک شہزادے کی سی زندگی بسر کرنی چاہئے۔ تم ایک حسین شہزادی کی آنکھوں کا نور اور دل کا قرار بن سکتے ہو۔ تم اپنی زندگی کو ایک رنگین خواب بنا سکتے ہو، تم اگر چاہو تو ناہموار زمین، پتھروں اور چٹانوں پر سونے کے بجائے اپنے لئے پھولوں کی سیج مہیا کرسکتے ہو۔ دنیا کا بہت سا عیش وآرام دولت سے خریدا جاسکتا ہے، تم اگر چاہو تو دنیا بھر کے خزانے اکٹھے کرسکتے ہو۔ دنیا کی حسین سے حسین لڑکیوں کو اپنی خواب گاہ کی زینت بنا سکتے ہو، لیکن تم ابھی انجان ہو۔ تم نے کسی کے گیسوؤں کی مہک سے سرشار ہوکر جینا نہیں سیکھا۔ تم اپنی بے غرضی پر اس لئے خوش ہو کہ تم نے دنیا کی جاہ وحشمت نہیں دیکھی۔ نوجوان! تمہارے لئے بہت کچھ کرسکتا ہوں، کاش! تم میرے شریک بن جاؤ۔ ہم بنوامیہ کی حکومت ختم کرکے ایک نیا نظام قائم کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں خلیفہ اور حجاج کا مغرور سر کچل دینے میں کامیابی ہوگی۔ شاید تم خیال کرتے ہو کہ میں وہی ابن صادق ہوں، میں اتنا حقیر نہیں ہوں جتنا کہ تم مجھے خیال کرتے ہو، تمہارے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ میری پشت پر قیصر روم جیسے آدمی موجود ہیں، میں عرب وعجم میں ایک زبردست انقلاب پیدا کرنے کے لئے وقت کا انتظار کررہا ہوں۔ میں مدت سے تمہارے جیسے جادو بیان نوجوان کی تلاش میں تھا، تمہارے سامنے وہ میدان عمل پیش کرنا چاہتا ہوں، جس میں تم اپنے خداداد جوہر کا پورا استعمال کرسکو گے، تمہارے جیسے نوجوان کو ایک معمولی سپاہی کے عہدے پر قناعت کرنے کے بجائے خلافت کا دعویدار بننا چاہئے!

نعیم کو خاموش دیکھ کر ابن صادق نے خیال کیا کہ وہ اس کے دام فریب میں آچکا ہے، اس نے لہجے کو ذرا نرم کرتے ہوئے کہا: اگر تم میرے ساتھ وفاداری کا عہد کرو تو میں ابھی تمہاری زنجیریں کھلوا دیتا ہوں، بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کے لئے دو ہی راستے ہیں، کہو! تم زندگی کی نعمتوں سے مالا مال ہونا چاہتے ہو یا اسی تاریک کوٹھڑی میں زندگی کے باقی دن گزارنا پسند کرتے ہو؟ نعیم نے گردن اوپر اٹھائی، اس کی آنکھیں غیر معمولی کرب کا اظہار کررہی تھیں، اس نے جوش میں آکر جواب دیا: تمہاری باتیں میرے لئے ایک زخمی کتے کی چیخ وپکار سے زیادہ معنی نہیں رکھتیں، تم نہیں جانتے کہ میں اس آقا کا غلام ہوں، جس نے زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کے ستاروں تک کا مالک ہونے کے باوجود اپنے پیٹ پر تین تین دن تک پتھر باندھے تھے، تم مجھے دولت کا لالچ دینا چاہتے ہو، میں دنیا کے تمام خزانوں کو اپنی خاک پا سے زیادہ حقیر سمجھتا ہوں، تم کہتے ہو، زندگی عیش وآرام کا نام ہے، لیکن وہ عیش وآرام جو تلواروں کے سائے میں آزادی کا سانس لینے والوں کو نصیب ہوتا ہے، تم جیسے رذیل انسانوں کے تخیل سے بھی بلند ہے، تم مجھے خدا کے راستے کے لئے خون کی ندیاں بہانے سے روک نہیں سکتے، تمہیں جس قیصر کی طاقت پر ناز ہے، اس کے آباؤ اجداد کئی معرکوں میں ہماری تلواروں کے جوہر آزما چکے ہیں۔ بے شک اس وقت میں تمہارے قبضے میں ہوں، لیکن قید یا موت کا خوف مجھے بے حس یا بے ضمیر نہیں بنا سکتا۔ تم مجھ سے کسی ایسے کام کی توقع نہ رکھو جو ایک مجاہد کے شایانِ شان نہ ہو!

ابن صادق نے کھسیانا ہوکر جواب دیا۔ تم چند دن میں ایسے کام پر آمادہ ہوجاؤ گے، جسے دیکھ کر شیطان بھی شرما جائے۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے حاشیہ نشینوں کی طرف دیکھا اور ایک شخص کو اسحاق کے نام سے آواز دی۔ اس کی آواز پر وہی قوی ہیکل جوان جس نے نعیم کو فریب دے کر گرفتار کیا تھا، آگے بڑھا، نعیم کو پہلی بار معلوم ہوا کہ اس کا نام اسحاق ہے۔

ابن صادق نے کہا: اسحاق! اس کا دماغ درست کرو۔

ابن صادق کے حکم سے نعیم کو برآمدے کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر نعیم کی قمیص پھاڑ ڈالی اور اس کا سینہ اور بازو عریاں کرتے ہوئے اسحاق کی طرف اشارہ کیا۔ اسحاق ایک خونخوار بھیڑیئے کی طرح آگے بڑھا اور نعیم پر کوڑے برسانے لگا، نعیم نے اُف تک نہ کی اور پتھر کی ایک مضبوط چٹان کی طرح کوڑے کھاتا رہا، سامنے کے ایک کمرے سے ایک لڑکی نمودار ہوئی اور سہم سہم کر قدم اٹھاتی ہوئی ابن صادق کے قریب آکھڑی ہوئی، وہ کبھی بیقرار ہی ہوکر نعیم کی طرف دیکھتی اور کبھی سراپا التجا بن کر ابن صادق کی طرف دیکھتی، اس کا نازک دل اس سفاکانہ کھیل کو دیر تک برداشت نہ کرسکا، اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے ابن صادق کی طرف دیکھا اور کہا، چچا، وہ بے ہوش ہورہا ہے!

ہونے دو، وہ اپنے آپ کو اللہ کی تلوار سمجھتا ہے، میں اس کی تیزی کا خاتمہ کرکے چھوڑوں گا، چچا!

ابن صادق نے برہم ہوکر کہا، تم خاموش رہو زلیخا! یہاں کیا رہی ہو جاؤ!

زلیخا سر جھکائے واپس ہوئی، اس نے دو مرتبہ نعیم کی طرف مڑ کر دیکھا، اپنی مجبوری اور بے بسی کا اظہار کیا اور ایک کمرے میں روپوش ہوگئی، جب نعیم نے مار کی شدت سے بے ہوش ہوکر گردن ڈھیلی چھوڑ دی تو اسے پھر قید خانے میں پھینک دیا گیا۔

نعیم کو کئی بار کوٹھڑی سے باہر نکال کر کوڑے لگائے گئے، جب یہ سزا کارگر نہ ہوئی تو ابن صادق نے حکم دیا کہ اسے چند دن بھوکا رکھا جائے، مختلف جسمانی اذیتیں اٹھانے کے بعد نعیم ایک غیر معمولی قوت برداشت پیدا کرچکا تھا، وہ بھوک اور پیاس کی حالت میں رات کی وقت سونے کی ناکام کوشش کررہا تھا کہ کسی نے کوٹھڑی کے سوراخ میں سے آواز دی اور چند سیب اور انگور اندر پھینک دیئے۔

نعیم حیران ہوکر اٹھا اور سوراخ سے باہر جھانک کر دیکھا، چند قدم کے فاصلے پر کوئی رات کی تاریکی میں غائب ہوتا دکھائی دیا، نعیم نے اس کے لباس اور چال سے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی عورت ہے، نعیم کے لئے اپنے محسن کو پہچاننا مشکل نہ تھا، اس نے کئی بار کوڑے کھاتے وقت ایک نوجوان لڑکی کو بے قرار ہوتے دیکھا تھا، اس کے معصوم اور حسین چہرے پر مظلومیت اور بے بسی کے آثار نعیم کے دل پر نقش ہوچکے تھے، لیکن وہ کون تھی؟ اس بھیانک جگہ پر کیونکر لائی گئی؟ نعیم یہ سوچتے ہوئے ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔

☆.....☆.....☆

نعیم کی محسنہ کا نام زلیخا تھا، وہ اپنی عمر کے سولہ سال انتہائی مصائب میں گزارنے کے باوجود نسوانی حسن کا ایک کامل نمونہ تھی، زلیخا کو ہر انسان سے غایت درجہ نفرت تھی، وہ ایک مدت سے ابن صادق کے ساتھ زندگی کے تلخ لمحات گزار رہی تھی اور اسے ہمیشہ انسانیت کی بدترین مثالوں سے واسطہ پڑا تھا، وہ ہر انسان کو ابن صادق کی طرح عیار، خودغرض، سفاک اور کمینہ خیال کرتی تھی، جب نعیم اس قلعہ میں پابہ زنجیر لایا گیا تو اس نے یہی خیال کہ ایک خودغرض انسان دوسرے خودغرض انسانوں کے قبضے میں ہے لیکن جب اس نے نعیم کو ابن صادق کا ساتھی بننے سے انکار کرتے دیکھا تو اس کے پرانے خیالات بدل گئے، اس نے محسوس کیا کہ یہ نوجوان اس دنیا کا باشندہ نہیں جس میں اس نے زندگی کے بے کیف دن اور بھیانک راتیں گزاری ہیں، وہ اس کے ایمان اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عزم پر حیران تھی، شروع شروع میں اسے مظلوم سمجھ کر قابل رحم خیال کرتی تھی لیکن چند دنوں میں وہ اسے قابل پرستش نظر آنے لگی۔

زلیخا اپنے والدین کے دردناک انجام سے واقف نہ تھی اور ان سے ملنے کی دعائیں کرنے کے بعد وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اس کے لئے دنیا ایک بے حقیقت خواب اور عاقبت محض ایک وہم تھا۔ ابن صادق کے تشدد کے خلاف بغاوت کا طوفان اس کے زخم خوردہ دل میں بار بار اٹھنے کے بعد قریباً سو چکا تھا، وہ منزل سے بھٹکے ہوئے اور ساحل سے مایوس ملاح کی طرح مدت تک موجوں کے تھپڑے کھانے کے بعد تیرنے یا ڈوبنے سے بے پرواہ ہو چکی تھی اور اپنی ناؤ پر آنکھیں بند کئے بے خوف و خطر مصائب کے طوفان میں بہی جا رہی تھی، اسے کبھی کبھی آنکھیں کھولنے اور چپو ہلانے کا خیال آتا لیکن پھر مایوسی اپنا رنگ جما لیتی، اس بے خانماں ملاح کو ساحل یا منزل کی طرف سے کسی آواز دینے والے کی ضرورت تھی، فطرت یہ کام نعیم سے لینا چاہتی تھی، نعیم کے ساتھ معمولی سے لگاؤ نے زلیخا کے دل میں خوابیدہ طوفان پھر بیدار کر دیئے اور ابن صادق کے پنجے سے رہائی پا کر نعیم کی دنیا میں اطمینان کا سانس لینے کی تمنا اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی۔

زلیخا ہر شب کسی نہ کسی وقت آتی اور کھانے پینے کی اشیا کے علاوہ نعیم کی تاریک کوٹھڑی میں امید کی کرن چھوڑ کر چلی جاتی۔

چار دن کے بعد نعیم کو پھر ابن صادق کے سامنے پیش کیا گیا، ابن صادق اس کی جسمانی حالت میں کوئی تغیر نہ پا کر حیران ہوا اور بولا، تم بہت سخت جان ہو، شاید تمہارے خدا کو یہی منظور ہے کہ تم زندہ رہو، لیکن تم اپنے ہاتھوں اپنی موت خرید رہے ہو، میں اب بھی تمہیں سوچنے کا موقع دیتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ تمہارے مقدر کا ستارہ بہت بلند ہے، تم کسی بڑے کام کی تکمیل کے لئے پیدا کئے گئے ہو، میں تمہیں اس بلند مقام تک پہنچانے کا وعدہ کرتا ہوں جہاں تمام اسلامی دنیا میں کوئی تمہارا مدمقابل نہ ہو، میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور یہ آخری موقع ہے، اگر تم نے اس وقت بھی میرے خلوص کو ٹھکرا دیا تو پچھتاؤ گے۔

نعیم نے کہا: ذلیل کتے! تم مجھے بار بار کیوں تنگ کرتے ہو؟

اس ذلیل کتے کا کاٹا کبھی اچھا نہیں ہوگا اور اب وقت آ پہنچا ہے کہ یہ ذلیل کتا تمہیں کاٹنے کے لئے اپنا منہ کھول دے۔ عاقبت نا اندیش انسان ذرا آنکھیں کھول اور دیکھ کہ دنیا کس قدر حسین ہے، دیکھ وہ سامنے پہاڑوں کے مناظر کیسے دلکش ہیں، تجھے جس چیز کے دیکھنے کی ہوس ہے، آج اچھی طرح دیکھ لے اور اپنے دل پر ان تمام تصاویر کو اچھی طرح نقش کر لے کیونکہ کل سورج نکلنے سے پہلے تیری آنکھیں نکال دی جائیں گی اور تیرے کان بھی سننے کی قوت سے محروم ہو جائیں گے، آج جو کچھ دیکھنا چاہتا ہے، دیکھ لے اور جو کچھ سننا چاہتا ہے، سن لے! یہ کہہ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا اور انہوں نے نعیم کو ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

ہاں، اب بتاؤ کہ آنکھوں سے محروم ہو جانے سے پہلے کوئی ایسی چیز ہے جسے تم دیکھنا چاہتے ہو؟

نعیم خاموش رہا۔

ابن صادق نے کہا، تم یہ جانتے ہو کہ میرا فیصلہ اٹل ہے، تمہیں آج کا سارا دن یہیں گزارنے کی مہلت دی جاتی ہے، اس وقت سے فائدہ اٹھاؤ اور جو چیز تمہاری آنکھوں کے سامنے آئے، اسے اچھی طرح دیکھ لو اور جو نغمے تمہارے سامنے گائے جائیں، انہیں اچھی طرح سن لو! یہ کہہ کر ابن صادق نے تالی بجائی اور چند آدمی طاؤس و رباب اور دیگر قسم کے ساز لئے حاضر ہوئے اور ابن صادق کے اشارہ سے ایک طرف بیٹھ گئے۔

آہستہ آہستہ نغمے کی صدا بلند ہوئی، اس کے بعد

چند عورتیں مختلف رنگوں کے لباس میں ملبوس ایک کونے سے نمودار ہوئیں اور نعیم کے سامنے رقص کرنے لگیں، نعیم سر جھکائے اپنے پاؤں کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے خیالات یہاں سے کوسوں دور ایک چھوٹی سی بستی کی طرف پرواز کر رہے تھے۔

اس مجلس کو منعقد ہوئے چند ساعتیں تھیں کہ چند تیز رفتار گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز سے حاضرین مجلس چونک اٹھے، ابن صادق اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا، ایک حبشی غلام نے آ کر اطلاع دی کہ اسحاق آ پہنچا ہے۔

ابن صادق نے نعیم کو مخاطب کر کے کہا: نوجوان! شاید تم ایک نہایت دلچسپ خبر سنو، تھوڑی دیر بعد اسحاق ایک طشتری اٹھائے حاضر ہوا اور ابن صادق کو آداب بجالانے کے بعد طشتری اس کے سامنے رکھ دی۔ طشتری میں کوئی گول مول شے رومال میں لپیٹ کر رکھی ہوئی تھی، ابن صادق نے طشتری پر سے رومال اتارا، نعیم نے دیکھا کہ طشتری میں کسی آدمی کا سر رکھا ہوا ہے۔

شاید آپ اسے دیکھ کر خوش ہوں، یہ کہہ کر ابن صادق نے ایک حبشی کو اشارہ کیا، حبشی نے طشتری اٹھائی اور نعیم کے قریب لا کر زمین پر رکھ دی، طشتری میں رکھے ہوئے سر کو پہچان کر نعیم کے دل میں ایک چرکا لگا، یہ ابن عامر کا سر تھا، سوکھے ہوئے چہرے پر اب بھی ایک تبسم کھل رہا تھا، نعیم نے آشک آلود آنکھوں کو بند کر لیا، زلیخا ابن صادق کے پیچھے کھڑی یہ دردناک منظر دیکھ رہی تھی، اس عزم و استقلال کے مجسمے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رک اس کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

ابن صادق اپنی جگہ سے اٹھا، اسحاق کو قریب بلا کر تھپکی دی اور کہا، اسحاق! اب فقط ایک شرط باقی ہے، میں محمد بن قاسمؒ کا سر اس نوجوان کے ساتھ دفن کرنا چاہتا ہوں، اگر تم اس مہم میں کامیاب ہو گئے تو زلیخا کو تمہارے جیسے بہادر نوجوان کو اپنا شریک حیات منتخب کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

یہ کہتے ہوئے ابن صادق نے زلیخا کی طرف مڑ کر دیکھا، وہ آنسو بہاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ ابن صادق نعیم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ہے، اور کہنے لگا:

مجھے معلوم ہے تمہیں ابن قاسم سے محبت ہے، اگر تم اس کا سر یہاں پہنچنے تک زندہ نہ رہ سکے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کا سر تمہارے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

یہ کہہ کر ابن صادق نے سپاہیوں کو حکم دیا اور وہ نعیم کو قید خانہ میں چھوڑ آئے۔

☆.....☆.....☆

رات کے وقت نعیم دیر تک بے قراری کے ساتھ قید خانہ کی چار دیواری میں چکر لگاتا رہا۔ اس کا دل طویل مدت تک روحانی اور جسمانی کلفتیں اٹھانے کے بعد کسی قدرے بے حس ہو چکا تھا لیکن اس پر آنکھوں اور کانوں سے محروم ہو جانے کا تصور کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ہر لحہ اس کی بیقراری میں اضافہ ہو رہا تھا، کبھی وہ چاہتا کہ یہ رات قیامت کی رات کی طرح طویل ہو جائے اور کبھی اس کے منہ سے یہ دعا نکلتی کہ ابھی صبح ہو جائے اور انتظار کی مدت ختم ہو۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد مجاہد کو نیند آ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ صبح ہونے والی ہے اور اسے کوٹھڑی سے نکال کر ایک درخت کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے۔ ابن صادق اپنے ہاتھ میں خنجر لئے آیا ہے اور اس کی آنکھیں نکال دیتا ہے۔ اس کے اردگرد تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے کانوں میں کوئی دوائی ڈالی جاتی ہے، جس سے اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگتے ہیں اور کچھ سنائی نہیں دیتا۔ ابن صادق کے سپاہی اسے وہاں سے لا کر پھر کوٹھڑی میں پھینک جاتے ہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ سپاہی پھر ایک بار آتے ہیں اور اس کوٹھڑی سے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جاتے ہیں اور کہیں دور چھوڑ آتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے کانوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پردے یک لخت کھل گئے ہیں اور وہ پرندوں کے چہچے اور ہوا کی سائیں سائیں سن رہا ہے۔ عذرا اسے دور سے نعیم نعیم! کہہ کر پکار رہی ہے۔ وہ اٹھتا ہے اور جس طرف سے آواز آتی ہے، اس طرف قدم اٹھاتا ہے لیکن چند قدم چلنے کے بعد اس کا پاؤں ڈگمگاتا ہے اور وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اچانک بینائی آجاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ عذرا اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ پھر ایک بار اٹھتا ہے اور ہاتھ پھیلا کر عذرا عذرا! کہتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن اس کے قریب پہنچ کر غور سے دیکھنے کے بعد وہ ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے۔ عذرا کی بجائے اس کوٹھڑی میں اس سے ملتی جلتی حسن و جمال کی ایک اور تصویر کھڑی تھی۔ دیوار کے روزن میں چاند کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بغور دیکھنے کے بعد اس نے پہچان لیا کہ وہ زلیخا ہے لیکن وہ دیر تک پریشانی کی حالت میں کھڑا یہی محسوس کرتا رہا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ وہم غلط ثابت ہونے لگا اور اس نے چند بار آنکھیں ملنے، ٹٹولنے کے بعد یقین کر لیا کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

نعیم نے سوال کیا، تم کون ہو؟ کیا یہ ایک خواب نہیں؟

زلیخا نے جواب دیا۔ نہیں یہ خواب نہیں، آپ گر کیوں پڑے تھے؟

کب؟

ابھی جب میں نے آکر آپ کو آواز دی تھی۔ آپ گھبرا کر اٹھے اور پھر گر پڑے تھے۔

اُف! میں ایک خواب دیکھ رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ میں اندھا ہو چکا ہوں، عذرا مجھے بلا رہی ہے اور میں اس کی طرف جاتے ہوئے کسی سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہوں۔ لیکن پھر بھی اگر کسی کے کان میں آپ کی آواز پہنچ گئی تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ میں نے پہریداروں کو اپنا سارا زیور دے کر بڑی مشکل سے اس کوٹھڑی کا دروازہ کھلوایا ہے۔ انہوں نے ہمارے لئے دو گھوڑے مہیا کرنے اور قلعہ کا دروازہ کھول دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ انھیں اور میرے ساتھ احتیاط سے چلیں۔

وہ گھوڑے! وہ کس لئے؟

میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔

میرے ساتھ؟ نعیم نے حیرانی سے پوچھا۔

ہاں، آپ کے ساتھ، مجھے امید ہے کہ آپ میری حفاظت کریں گے، میرے والدین کا گھر دمشق میں ہے، آپ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔

آپ اس قلعہ میں کیونکر آئیں؟

زلیخا نے کہا: باتوں کا وقت نہیں، میں بھی آپ کی طرح ایک بدنصیب ہوں۔

نعیم نے ذرا تامل سے کہا، اس وقت آپ کا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں۔ آپ تسلی رکھیں، میں آپ کو چند دن کے اندر اس شخص کے ہاتھوں سے چھڑا لے جاؤں گا۔

نہیں، نہیں، خدا کے لئے مجھے مایوس نہ کرو! زلیخا نے روتے ہوئے کہا، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی، آپ کے بعد اگر اسے معلوم ہو گیا کہ آپ کو آزاد کروانے میں میرا ہاتھ ہے تو وہ مجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑے گا اور اگر اسے یہ بھی معلوم ہوا تو بھی وہ آپ کے جاتے ہی آپ کی طرف سے خوف زدہ ہو کر اس قلعہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ روپوش ہو جائے گا اور مجھے کسی ایسے پنجرے میں قید کرے گا جس تک پہنچنا آپ کی طاقت سے بعید ہوگا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ شخص میری شادی زبردستی اسحاق سے کرنا چاہتا ہے اور اس نے اس کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ محمد بن قاسم کو قتل کر آئے تو مجھے اس کے حوالے کر دے گا، خدا کے لئے مجھے اس ظالم بھیڑیئے کے ہاتھوں سے بچایئے! اس نے یہ کہہ کر نعیم کا دامن پکڑ لیا اور سسکیاں لینے لگی۔

آپ گھوڑے پر سواری کر سکیں گی؟ نعیم نے پوچھا۔

زلیخا نے پرامید ہو کر جواب دیا: میں اس ظالم کے ساتھ گھوڑے پر قریباً نصف دنیا کا چکر لگا چکی ہوں، اب

آپ وقت ضائع نہ کریں، میں نے آپ کے ہتھیار بھی قلعے سے باہر بھجوا دیئے ہیں۔ اب جلدی کیجئے!

نعیم زلیخا کا ہاتھ میں لئے کوٹھڑی کے دروازے کی طرف بڑھا تو اسے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے رک کر کہا۔ کوئی اس طرف آرہا ہے۔

زلیخا نے کہا، اس کوٹھڑی کے دونوں پہرے دار میں نے قلعے کے دروازے پر بھیج دیئے ہیں۔ یہ کوئی اور ہے، اب کیا ہوگا؟

نعیم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دیوار کی طرف دھکیل دیا اور خود دروازے سے باہر جھانکنے لگا۔ پاؤں کی آہٹ کے ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو رہی تھیں۔

ایک پہرے دار دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا تو ایک ثانیہ کے لئے مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی نعیم نے ایک جست لگائی اور پہرے دار کی گردن اس کے ہاتھوں کی اہنی گرفت میں تھی۔ نعیم نے اسے چند جھٹکے دینے کے بعد بے ہوشی کی حالت میں کوٹھڑی کے اندر دھکیل دیا اور زلیخا کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالنے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔

قلعہ کے دروازہ پر ایک سپاہی اور نظر آیا۔ اس نے زلیخا کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ دوسرا سپاہی قلعہ کے باہر دو گھوڑے اور نعیم کے ہتھیار لئے کھڑا تھا۔ نعیم نے ہتھیار باندھے اور زلیخا کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد اس نے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور پہرے دار سے جو ابھی تک وہیں کھڑا تھا، سوال کیا، تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ ہماری وجہ سے تمہاری جان خطرہ میں نہیں پڑے گی؟

پہرے دار نے جواب دیا، آپ ہماری فکر نہ کریں، وہ دیکھئے! اس نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ہم بھی پو پھٹنے سے پہلے یہاں سے کوسوں دور ہوں گے، اس بھیڑیئے سے بہت تنگ آچکے ہیں، نعیم نے دیکھا کہ ایک درخت کے ساتھ دو اور گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

نعیم پہاڑوں کے ان دشوار گزار راستوں سے واقف نہیں تھا لیکن ستاروں سے سمت کا اندازہ لگاتا ہوا زلیخا کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ چند کوس گھنے درختوں میں سے گزرنے کے بعد ایک وسیع میدان نظر آیا۔ اس نے کئی مہینوں کے بعد کھلی ہوا میں آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں کو دیکھا تھا، اس سناٹے میں کبھی کبھی گیدڑوں کی آواز آتی تھی، چاند کی دلفریب روشنی درختوں کے پتوں میں چھپ چھپ کر چمکنے والے جگنو، ہلکی ہلکی ٹھنڈی اور مہکتی ہوئی ہوا، غرض اس رات کی ہر چیز نعیم کو معمول سے زیادہ خوشنما نظر آرہی تھی۔ کچھ دیر بعد صبح کی روشنی رات ردائے سیاہ کو چاک کرنے لگی اور تاریکی اور روشنی کی آمیزش نے نعیم کی آنکھوں کے سامنے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف میدان کا ایک دھندلا سا منظر پیش کیا۔ اس نے زلیخا کی طرف دیکھا، اس کی شکل و صورت اس دھندلے سے منظر کی جاذبیت میں اضافہ کر رہی تھی۔ وہ نعیم کو قدرت کے مناظر کا ایک جزو معلوم ہوتی تھی۔ زلیخا نے بھی اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور حیا سے گردن جھکالی۔ نعیم نے اس سے پوچھا کہ وہ ابن صادق کے پنجے میں کیونکر آئی؟ اس کے جواب میں زلیخا نے شروع سے آخر تک اپنی المناک داستان کہہ سنائی۔ اپنی کہانی ختم کرنے سے پہلے وہ کئی بار بے اختیار رو پڑی۔ نعیم نے اسے بار بار تسلی دی اور اس کے آنسو خشک کئے۔

جب روشنی اور زیادہ ہوئی تو انہوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ نعیم نے یہ دیکھ کر کہ زلیخا سواری میں اچھی خاصی دسترس رکھتی ہے، اپنے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ کوئی دو کوس چلنے کے بعد نعیم کو یک لخت ایک خیال آیا اور اس نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ زلیخا نے بھی اس کی تقلید میں اپنا گھوڑا کھڑا کر دیا۔ نعیم نے زلیخا سے پوچھا: آپ کو یقین ہے کہ اسحاق، محمد بن قاسم کو قتل کرنے کے ارادے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے روانہ ہو چکا ہے؟ زلیخا نے جواب دیا: ہاں وہ آج شام کے وقت روانہ ہو گیا تھا۔

تو وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا، یہ کہہ کر نعیم نے گھوڑے کی باگیں بائیں طرف موڑیں اور ایڑ لگا دی، زلیخا نے بھی کچھ پوچھے بغیر اپنا گھوڑا اس کے پیچھے چھوڑ دیا۔

سورج نکلنے سے کچھ دیر بعد نعیم ایک چوکی پر پہنچا، اس چوکی پر پہاڑی حملوں کے پیش نظر تیس سپاہی متعین تھے، نعیم گھوڑے سے اترا اور ایک بوڑھا سپاہی نعیم، نعیم کہتا ہوا آگے بڑھا اور اسے گلے لگا لیا، سپاہی نعیم کی بستی کے قریب ہی ایک بستی کا رہنے والا تھا، آپ اتنی دیر کہاں رہے؟ ہم نے آپ کو دنیا کے ہر کونے میں تلاش کیا، آپ کا بھائی بھی آپ کی تلاش میں سندھ گیا تھا، آپ کے دوست محمد بن قاسمؒ نے بھی آپ کا پتہ لگانے والے کے لئے پانچ ہزار اشرفی انعام مقرر کیا ہے، ہم سب مایوس ہو چکے ہیں، آخر آپ کہاں رہے؟

نعیم نے جواب دیا: ان سوالات کا جواب دینے کے لئے وقت کی ضرورت ہے، میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں، آپ مجھے بتائیں کہ آج رات یا صبح کے وقت ایک جسیم آدمی ادھر سے گزرا ہے یا نہیں؟

سپاہی نے جواب دیا: ہاں! سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے ایک آدمی یہاں سے گزرا تھا، وہ کہتا تھا کہ خلیفۃ المسلمین نے اسے دمشق سے ایک خاص پیغام دے کر محمد بن قاسمؒ کی طرف سندھ روانہ کیا ہے، اس نے یہاں سے گھوڑا بھی تبدیل کیا تھا۔

اس کا رنگ گندمی تھا؟ نعیم نے سوال کیا۔

ہاں! شاید گندمی تھا، بوڑھے سپاہی نے کہا۔

بہت اچھا، نعیم نے کہا، تم میں سے ایک آدمی سیدھا شمال مشرق کی طرف جائے، چند کوس دور ایک پہاڑی درختوں میں چھپا ہوا ایک قلعہ نظر آئے، تم میں سے جو شخص جائے وہاں قریب جا کر دیکھے کہ اس قلعہ میں رہنے والے اسے چھوڑ کر چلے تو نہیں گئے؟ میرا خیال ہے کہ تمہارے جانے سے پہلے وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں گے، لیکن مجھے معلوم کرنا ہے کہ وہ کس طرف جاتے ہیں، اس کام کے لئے ایک ہوشیار آدمی کی ضرورت ہے!

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا، میں جاتا ہوں۔

نعیم نے کہا، ہاں جاؤ، اگر وہ تمہارے جانے سے پہلے قلعہ خالی چھوڑ کر چلے گئے ہوں تو واپس آ جانا، ورنہ اس کی نقل و حرکت کا خیال رکھنا۔ نوجوان گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔

نعیم نے باقی سپاہیوں میں سے بیس نوجوان منتخب کر کے انہیں حکم دیا، تم اس معزز خاتون کے ساتھ بصرہ تک جاؤ اور وہاں پہنچ کر گورنر کو میری طرف سے کہو کہ انہیں عزت اور احترام سے دمشق پہنچایا جائے اور راستے میں آنے والی چوکیوں سے جتنے سپاہی فراہم ہو سکیں، اپنے ساتھ شامل کرتے جاؤ، شاید ایک ذلیل دشمن ان کا تعاقب کرے، والی بصرہ سے کہنا کہ وہاں سے کم از کم سو سپاہی ان کے ساتھ ضرور روانہ کرے، تم بھی ہوشیار رہنا، اگر ان کے دشمن سے مقابلے کی نوبت آئے تو تمہارا سب سے پہلا فرض ان کی جان بچانا ہوگا، راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو! سپاہی یہ سن کر گھوڑوں پر زین ڈالنے میں مصروف ہو گئے، نعیم نے گھوڑے سے اتر کر ایک خط حجاج بن یوسف کے نام لکھا اور اپنے لئے زلیخا کی قربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے نہایت عزت و احترام سے دمشق پہنچا دینے کی درخواست کی، یہ خط ایک سپاہی کے حوالے کرنے کے بعد وہ زلیخا کے قریب آ کھڑا ہوا، زلیخا ابھی تک گھوڑے پر سر جھکائے بیٹھی تھی، نعیم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: آپ مغموم نظر آتی ہیں، فکر نہ کریں، میں نے آپ کی حفاظت کا پورا بندوبست کیا ہے، آپ کا راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہوگی، میں بھی آپ کے ساتھ بصرہ تک جاتا، لیکن میں مجبور ہوں۔

آپ کہاں جائیں گے؟ زلیخا نے پوچھا۔

مجھے ایک دوست کی جان بچانا ہے۔

آپ اسحاق کے تعاقب میں جا رہے ہیں؟

ہاں امید ہے میں اسے بہت جلد پکڑ لوں گا۔

زلیخا نے پرنم آنکھوں کو رومال سے چھپاتے ہوئے کہا: آپ احتیاط سے کام لیں، وہ بہادر بھی ہے اور مکار بھی۔

آپ فکر نہ کریں، آپ کے ساتھی تیار ہو گئے ہیں اور مجھے بھی دیر ہو رہی ہے، اچھا، خدا حافظ! نعیم چلنے کو تھا، زلیخا نے اشک آلود آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مغموم آواز میں کہا: میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔

ہاں پوچھئے!

زلیخا کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی، اس کی سیاہ آنکھوں سے چمکتے ہوئے آنسوؤں کے قطرے نکل کر گالوں پر بہتے ہوئے گر پڑے۔

پوچھئے! نعیم نے کہا، آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھیں، میں آپ کے ان آنسوؤں کی قدر و قیمت جانتا ہوں، لیکن آپ میری مجبوریوں سے واقف نہیں۔

میں جانتی ہوں، زلیخا نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ہاں مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ کیا پوچھنا چاہتی تھیں؟

زلیخا نے کہا: میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ جب میں نے قید خانے میں آپ کو آواز دی تھی تو آپ عذر اعذرا کہتے ہوئے اٹھے تھے اور پھر گر پڑے تھے۔

ہاں مجھے یاد ہے، نعیم نے کہا۔

میں پوچھ سکتی ہوں وہ خوش نصیب کون ہے؟ زلیخا نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

آپ غلطی پر ہیں، شاید وہ اس قدر خوش نصیب نہ ہو۔

وہ زندہ ہے؟

شاید۔

خدا کرے وہ زندہ ہو، وہ کہاں ہے؟ اگر وہ میرے راستے سے بہت دور نہ ہو تو میں چاہتی ہوں کہ اسے دیکھتی جاؤں، کیا آپ میری درخواست قبول کریں گے؟

آپ واقعی وہاں جانا چاہتی ہیں؟

اگر آپ کو ناگوار نہ ہو تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔

بہت اچھا، یہ سپاہی آپ کو ہمارے گھر تک پہنچا دیں گے، میرے آنے تک آپ وہیں ٹھہریں گی، اگر کسی وجہ سے دیر نہ ہو گئی تو ممکن ہے کہ میں آپ کو راستے میں ہی آ ملوں۔

وہ آپ کی والدہ کے پاس ہیں؟ آپ کی شادی ہو چکی ہے؟

نہیں، لیکن اس کی پرورش ہمارے گھر میں ہوئی ہے۔

یہ کہہ کر نعیم سپاہیوں کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں حکم دیا کہ وہ زلیخا کو بصرہ پہنچانے کے بجائے اس کے گھر تک پہنچا دیں۔

نعیم خدا حافظ کہہ کر جانے کو تھا کہ زلیخا کی ملتجی نگاہوں نے اسے ایک بار پھر ٹھہرا لیا، زلیخا نے آنکھیں نیچی کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک خنجر نعیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

آپ کے ہتھیاروں میں سے یہ خنجر میں نے نیک شگون سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا، شاید آپ کو اس کی ضرورت ہو، اگر آپ اسے نیک شگون خیال کرتی ہیں تو میں خوشی سے آپ کو پیش کرتا ہوں، آپ اسے اپنے پاس ہمیشہ رکھیں!

شکریہ! میں اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی، شاید کبھی یہ میرے کام آئے۔ نعیم اس وقت تو اس فقرے پر توجہ دیئے بغیر گھوڑے پر سوار ہو گیا لیکن بعد میں دیر تک یہ الفاظ اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔

☆.....☆.....☆

زلیخا کو اس مختصر سے قافلے کے ساتھ بھیج کر نعیم اسحاق کے تعاقب میں روانہ ہوا، وہ ہر چوکی پر گھوڑا بدلتا ہوا اور اسحاق کا سراغ لگاتا ہوا نہایت تیزی سے جا رہا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوپہر کے وقت ایک سوار آگے جاتا دکھائی دیا، نعیم نے اپنے گھوڑے کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز کردی، آگے آگے جانے والے سوار دور سے مڑ کر نعیم کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ پیچھے آنے والے سوار کا گھوڑا نہایت تیزی سے آرہا ہے تو اس نے کسی خیال سے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کردی، نعیم نے دور سے ہی پہچان لیا کہ وہ اسحاق ہے، اس نے اپنے خود کو نیچے سرکا کر چہرہ ڈھانپ لیا، نعیم کو قریب آتا دیکھ کر اسحاق راستے سے چند قدم ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا، نعیم نے بھی اس کے قریب پہنچ کر گھوڑا ٹھہرالیا، دونوں سوار ایک لمحہ کے لئے ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑے رہے، بالآخر اسحاق نے سوال کیا:

آپ کون ہیں اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں، نعیم نے کہا۔

نعیم کے لہجے میں سختی سے اسحاق قدرے پریشان ہوا لیکن فوراً ہی اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ آپ نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کردیا۔

نعیم نے کہا، میری طرف غور سے دیکھو! تمہیں دونوں سوالوں کا جواب مل جائے گا۔

یہ کہہ کر نعیم نے ایک ہاتھ سے اپنے چہرے کے نقاب الٹ دیا۔

تم..... نعیم؟ اسحاق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ہاں میں..... نعیم نے خود دوبارہ نیچے سرکاتے ہوئے کہا۔

اسحاق نے اپنی سراسیمگی پر قابو پاکر اچانک گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے پیچھے ہٹالیا، اتنی دیر میں نعیم بھی ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگیں اور دوسرے ہاتھ میں نیزہ سنبھال کر تیار ہوچکا تھا، دونوں ایک دوسرے کے حملے کا انتظار کررہے تھے، اچانک اسحاق نے نیزہ بلند کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی، اسحاق کے گھوڑے کی ایک ہی جست میں نعیم اس کی زد میں آچکا تھا، لیکن وہ برق سی پھرتی سے ایک طرف جھکا اور اسحاق کا نیزہ اس کی ران پر ایک خفیف سا زخم لگاتا ہوا آگے نکل گیا۔ نعیم نے فوراً اپنا گھوڑا موڑ کر اس کے پیچھے لگادیا۔ اتنی دیر میں اسحاق اپنے گھوڑے کو چھوٹا سا چکر دے کر ایک بار پھر نعیم کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ دونوں سوار بیک وقت اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر نیزے سنبھالتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بڑھے، نعیم نے پھر ایک بار اپنے آپ کو اسحاق کے وار سے بچالیا، لیکن اس دفعہ نعیم کا نیزہ اسحاق کے سینے کے آر پار ہوچکا تھا، اسحاق کو خاک وخون میں تڑپتا چھوڑ کر نعیم واپس مڑا، اگلی چوکی پر پہنچ کر ظہر کی نماز ادا کی، گھوڑا تبدیل کیا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آگے چل دیا، جب نعیم اس چوکی پر پہنچا جہاں سے وہ زلیخا کو رخصت کرکے اسحاق کے تعاقب میں روانہ ہوا تھا تو وہاں سے معلوم ہوا کہ ابن صادق اور اس کی جماعت قلعے کو چھوڑ کر کہیں جاچکے ہیں، نعیم نے ان کا تعاقب کرنا بے سود خیال کیا۔ ابھی شام ہونے میں کچھ دیر تھی، نعیم نے ایک سپاہی کو کاغذ، قلم لانے کا حکم دیا اور ایک خط محمد بن قاسمؒ کے نام لکھا اور اس خط میں اس نے سندھ سے رخصت ہوکر ابن صادق کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے حالات مختصر طور پر لکھے اور اسے ابن صادق کی سازشوں سے باخبر رہنے کی تاکید کی اور دوسرا خط اس نے حجاج بن یوسف کے نام لکھا اور اسے ابن صادق کی گرفتاری کے لئے فوری تدابیر عمل میں لانے کی تاکید کی، نعیم نے یہ خط چوکی والوں کے سپرد کئے اور انہیں بہت جلد پہنچادینے کی تاکید کرکے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔

نعیم کو اس بات کا خدشہ تھا کہ ابن صادق شاید زلیخا کا تعاقب کرے، وہ ہر چوکی سے اس مختصر سے قافلے کے متعلق پوچھتا جاتا، اسے معلوم ہوا کہ دوسری چوکیوں

سپاہیوں کی قلت کی وجہ سے زلیخا کے ساتھ دس سے زیادہ سپاہی نہیں جاسکے، نعیم زلیخا کی حفاظت کے خیال سے فوراً اس قافلے میں شامل ہوجانا چاہتا تھا اور گھوڑے کو تیز سے تیز رفتار پر چلا رہا تھا، رات ہوچکی تھی، دھوئیں کا چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کائنات پر تاروں کا جال بچھا رہا تھا، نعیم پہاڑوں اور میدانوں سے گزر کر ایک صحرائی خط عبور کررہا تھا، راستے میں ایک عجیب وغریب منظر دیکھ کر اس کے خون کا ہر قطرہ منجمد ہوکر رہ گیا، ریت پر چند گھوڑوں اور انسانوں کی لاشیں پڑی تھیں، ان میں سے بعض وہ تھے جنہیں اس نے زلیخا کے ساتھ روانہ کیا تھا، اس وقت نعیم کے دل میں سب سے پہلا خیال زلیخا کا تھا، اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا، ایک زخمی نوجوان نے نعیم سے پانی مانگا، نعیم نے جلدی سے گھوڑے پر سے چھاگل کھول کر پانی پلایا، وہ اپنے دھڑکتے دل کو ایک ہاتھ سے دبائے کچھ پوچھنے کو تھا کہ اس نے ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا:

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنا فرض پورا نہ کرسکے، ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنی جانیں بچانے کی بجائے ان کی جان کی حفاظت کے لئے آخر دم تک لڑتے رہے، لیکن وہ بہت زیادہ تھے، آپ ان کی خبر لیں!

یہ کہہ کر اس نے پھر اپنے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا، نعیم جلدی سے اس طرف بڑھا، چند لاشوں کے درمیان زلیخا کو دیکھ کر اس کا دل کانپنے لگا، کان سائیں سائیں کرنے لگے، وہ مجاہد جو آج تک نازک سے نازک صورت حال کا مقابلہ نہایت خندہ پیشانی سے کرنے کا عادی تھا، یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر کانپ اٹھا۔

زلیخا..... زلیخا!! تم.....!

زلیخا میں ابھی کچھ سانس باقی تھے، آپ آگئے؟ اس نے نحیف آواز میں کہا۔

نعیم نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے زلیخا کے سر کو سہارا دے کر اوپر کیا اور پانی پلایا، زلیخا کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا، نعیم کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا دستہ پکڑا اور اسے کھینچ کر باہر نکالنا چاہا لیکن زلیخا نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور کہا: اب اسے نکالنے کا کوئی فائدہ نہیں، یہ اپنا کام کرچکا ہے اور میں آخری وقت آپ کی اس نشانی سے جدا نہیں ہونا چاہتی۔

نعیم نے حیران ہوکر کہا، میری نشانی!

ہاں! یہ خنجر آپ کا ہے، ظالم چچا مجھے گرفتار کرکے لے جانا چاہتا تھا، میں ایسی زندگی سے مرجانا بہتر خیال کرتی تھی، میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ کا دیا ہوا خنجر میرے کام آیا۔

زلیخا! زلیخا!! تم نے خودکشی کرلی؟

ہر روز کی روحانی موت کے بجائے ایک دن کی جسمانی موت کو بہتر خیال کرتی تھی، خدا کے لئے آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں، آخر میں کیا کرسکتی تھی؟ اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کو بنالیتا، میرے اختیار میں نہ تھا اور اس آخری مایوسی کو میں جیتے جی برداشت نہ کرسکتی تھی۔

نعیم نے کہا: زلیخا! میں بے حد شرمسار ہوں، لیکن میں مجبور تھا۔

زلیخا نے نعیم کے چہرے پر ایک محبت بھری نگاہ ڈالی اور کہا: آپ افسوس نہ کریں، قدرت کو یہی منظور تھا اور قدرت سے میں اس سے زیادہ توقع بھی نہیں رکھتی تھی، میری خوش بختی اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ آخری وقت میں آپ مجھے سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ زلیخا نے یہ کہہ کر ضعف اور درد کی شدت سے آنکھیں بند کرلیں۔ نعیم نے اس خیال سے کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھ نہ گیا ہو، بیتابی کے ساتھ، زلیخا زلیخا! کہہ کر اس کا سر ہلایا۔ زلیخا نے آنکھیں کھول کر نعیم کی طرف دیکھا اور اپنے خشک گلے پر ہاتھ رکھ کر پانی مانگا، نعیم نے پانی پلایا، کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اس خاموشی میں نعیم کے دل کی دھڑکن تیز اور زلیخا کی حرکت کم ہورہی تھی، وہ مرجھائی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر نثار کررہی تھی اور وہ بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکے نے پریشان ہو کر کہا، مجھے چھوڑیئے میں قاضی کو بلانے جا رہا ہوں۔

اگرچہ نعیم کا دل اس کا جواب دے چکا تھا لیکن محبت نے ناکامی اور مایوسی کا آخری منظر دیکھنے کے باوجود امید کا سہارا چھوڑا اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا:

عبداللہ کی شادی کس سے ہونے والی ہے؟

عذرا کے ساتھ، لڑکے نے جواب دیا۔

عبداللہ کی والدہ کیسی ہیں؟ نعیم نے اپنے خشک گلے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

عبداللہ کی والدہ! انہیں تو فوت ہوئے بھی تین چار مہینے ہو گئے، یہ کہہ کر لڑکا بھاگ گیا۔

نعیم درخت کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا، امی! امی! کہہ کر چند سسکیاں لیں۔

آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک دریا امڈ آیا، تھوڑی دیر بعد اسے وہی لڑکا اور قاضی اندر جاتے ہوئے دکھائی دیئے، دل میں دو مختلف آرزوئیں پیدا ہوئیں، ایک یہ تھی کہ اب بھی تیری تقدیر تیرے ہاتھ میں ہے، اگر چاہے تو عذرا تجھ سے دور نہیں، اگر عبداللہ کو تیرے زندہ واپس آنے کا حال معلوم ہو جائے تو ابھی وہ تیرے دل کی اجڑی ہوئی بستی آباد کرنے کے لئے اپنی زندگی کی تمام راحتیں بخوشی قربان کر دے گا، ابھی وقت ہے۔

دوسری آواز یہ تھی کہ اب تیرے ایثار اور صبر کا امتحان ہے، عذرا کے ساتھ تیرے بھائی کی محبت کم نہیں اور قدرت کو یہی منظور ہے کہ عذرا اور عبداللہ اکٹھے رہیں، جاں نثار بھائی تجھ پر اپنی خوشی قربان کرنے کے لئے تیار ہوگا، لیکن یہ زیادتی ہوگی، اب اگر تو نے عبداللہ سے قربانی کا مطالبہ ہی کیا تو تیرا ضمیر کبھی مطمئن نہیں ہوگا، وہ تجھے سندھ تک تلاش کرتا پھرا اور اب شاید تیرے زندہ واپس آنے سے مایوس ہو کر عذرا سے شادی کر رہا ہے، تو بہادر ہے، مجاہد ہے، ضبط سے کام لے، عذرا کی فکر مت کر، وقت آہستہ آہستہ اس کے دل سے تیرا نقش مٹا دے گا، آخر تجھ میں کون سی ایسی خوبی ہے جو عبداللہ میں نہیں ا

ضمیر کی دوسری آواز اس کو کسی حد تک بھلی معلوم ہوئی، اس نے محسوس کیا کہ ایک ناقابل برداشت بوجھ اس کے دل سے اتر رہا ہے، چند لمحات میں نعیم کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

جس وقت گھر میں عبداللہ اور عذرا کا نکاح پڑھا جا رہا تھا، نعیم گھر سے باہر درخت کے نیچے سر بسجود یہ دعا مانگ رہا تھا:

"اے کائنات کے مالک! اس شادی میں برکت دے، عذرا اور عبداللہ تمام عمر خوش و خرم رہیں اور ایک دوسرے پر دل و جان سے نثار رہیں، اے مالک حقیقی! میرے حصے کی تمام خوشی ان کو عطا کر دے!"

نعیم بہت دیر تک سر بسجود پڑا رہا، اٹھا تو معلوم ہوا کہ گھر سے تمام مہمان جا چکے ہیں، جی میں آئی کہ بھائی کو جا کر مبارک باد دے لیکن ایک اور خیال آیا اور آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی، اس نے سوچا بے شک بھائی مجھے دیکھ کر خوش ہوگا، لیکن شاید اسے ندامت بھی ہو اور عذرا پر تو بھی ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ میں زندہ ہوں، وہ صبر و قرار جو عذرا نے میری واپسی سے مایوس ہو کر حاصل کیا ہوگا جاتا رہے گا، اگر انہوں نے یہ سمجھ کر شادی کی ہے کہ میں مر چکا ہوں تو ان کی تمام زندگی بے کیف ہو جائے گی، وہ مجھے دیکھ کر نادم ہوں گے، عذرا کے پرانے زخم تازہ ہو جائیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں ان سے دور رہوں اور اپنی سیاہ بختی میں انہیں حصہ دار نہ بناؤں، ضمیر نے ان خیالات کی تائید کی، ایک لمحہ کے اندر اندر مجاہد کے خیال نے عزم اور عزم نے یقین کی صورت اختیار کر لی، نعیم نے واپس مڑنے سے پہلے چند قدم گھر کی طرف اٹھائے اور پھاٹک کے قریب ہو کر اپنی امیدوں کے آخری مدفن کی طرف حسرت بھری نگاہیں ڈالیں، وہ واپس ہونے کو تھا کہ صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ نے اس کی توجہ اپنی

طرف مبذول کر لی، عبداللہ اور عذرا ایک کمرے سے نکلے اور صحن میں آ کھڑے ہوئے، اس نے چاہا کہ منہ پھیر لے، لیکن یہ دیکھ کر عبداللہ اب شادی کے لباس کے بجائے زرہ بکتر پہنے ہوئے ہے اور عذرا اس کی کمر میں تلوار باندھ رہی ہے، وہ قدرے حیران ہوا اور دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا، اس نے فوراً تاڑ لیا کہ عبداللہ جہاد پر رخصت ہو رہا ہے، نعیم زیادہ حیران بھی نہ ہوا، اسے اپنے بھائی سے یہی توقع تھی۔

عبداللہ ہتھیار پہن کر اصطبل کی طرف گیا اور وہاں سے گھوڑا ساتھ لیا پھر عذرا کے پاس آ کھڑا ہوا۔

عذرا تم غمگین تو نہیں؟ عذرا نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

نہیں، عذرا نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا، میں تو چاہتی ہوں کہ میں بھی اسی طرح زرہ پہن کر میدان میں جاؤں۔

عذرا! میں جانتا ہوں کہ تم بہادر ہو لیکن آج میں تمہیں سارا دن دیکھتا رہا ہوں، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دل پر ابھی تک ایک بوجھ ہے جسے تم مجھ سے چھپانا چاہتی ہو، لیکن میں جانتا ہوں، نعیم کوئی بھول جانے والی ہستی نہیں، عذرا! ہم سب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور واپس آتا، یہ خیال نہ کرنا کہ وہ مجھے کم عزیز تھا، اگر آج بھی میری جان تک کی قربانی اسے واپس لا سکے تو میں خوشی سے جان پر کھیل جاؤں گا، کاش تم سوچو کہ تمہاری طرح میں بھی اس دنیا میں اکیلا ہوں، والدہ اور نعیم کے داغ مفارقت دے جانے کے بعد میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں، ہم اگر کوشش کریں تو ایک دوسرے کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

عذرا نے جواب دیا، میں کوشش کروں گی۔

میرے متعلق زیادہ فکر نہ کرنا کیونکہ اب اسپین میں مجھے کسی خطرناک مہم پر نہیں جانا پڑے گا۔ وہ ملک قریباً فتح ہو چکا ہے، چند علاقے باقی ہیں اور ان میں مقابلے کی طاقت نہیں ہے، میں بہت جلد آؤں گا اور تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا، مجھے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ لگیں گے۔

عبداللہ خدا حافظ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا، نعیم اسے باہر نکلتے دیکھ کر دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک کھجور کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

............(جاری ہے)............

انسانی وجود کی مثال

انسانی وجود چکی کی مانند ہے، چکی میں گندم پیس لیں تو ہم ہی فائدہ اٹھائیں گے اور اگر خالی چلتی رہے تو نقصان بھی ہمارا ہوگا، اسی طرح اگر اس جسم سے عبادت کر لیں تو ہم نے اس سے فائدہ اٹھا لیا، ورنہ یہ جسم بیکار رہا، بعض بزرگوں نے کہا کہ انسانی جسم برف کی مانند ہے، برف کو ہم پانی میں ڈال کر ٹھنڈا کر لیں تو برف سے فائدہ اٹھا لیں گے، اگر ایسا نہیں کریں گے تو برف نے تو پگھلنا ہی ہے، ایک بزرگ فرماتے تھے کہ مجھے برف والے نے سبق سکھا دیا، انہوں نے کہا، وہ کیسے؟ کہنے لگے، میں بازار گیا، میں نے ایک برف والے کو دیکھا کہ اس کی برف پگھلتی جا رہی ہے اور قدرتاً خریدنے والا کوئی نہیں، اب اس کو پریشانی لاحق ہے کہ اگر کوئی نہیں خریدے گا تو برف پگھل جائے گی، میرے پیسے تو ضائع ہو جائیں گے، بالآخر وہ بازار میں کھڑے ہو کر آواز لگانے لگا، لوگو! رحم کرو اس شخص پر، جس کا سرمایہ پگھل رہا ہے، تو یہ زندگی بھی سرمایہ ہے، جو پگھلتی چلی جا رہی ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم

(انتخاب:.....آمنہ لیاقت، کمالیہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"السلام علیکم ڈاکٹر صاحبہ"..... ایک خوبصورت عورت نے اندر آتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ"..... میں نے جواب دے کر اس کو بیٹھنے کو کہا۔

"میرا نام ماہ جبین ہے، میری بیٹی ہے 12 سال کی، میں اس کو آپ کے پاس لے کر آنا چاہتی ہوں، وہ اس عمر میں نفسیاتی مریض بن چکی ہے۔" اس نے آتے ہی اپنا مدعا بیان کر دیا۔

"آپ کو کیسے اندازہ ہوا کہ وہ نفسیاتی مریض بن چکی ہے۔" میں نے جواباً پوچھا۔

"اس کا بھائی بھی تو ہے، مگر وہ تو ایسا نہیں ہے۔" اس نے مجھے سمجھایا۔

"مگر اس کا اس کے بھائی جیسا ہونا ضروری بھی نہیں ہے۔" میں مسکرائی۔

"ٹھہریں، میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں۔" اس نے سیٹ سے ٹیک لگالی۔

"میری شادی کو دو سال ہوئے ہیں، مگر یہ جو بچے ہیں، وہ میرے شوہر کی پہلی بیوی سے ہیں اور میرے شوہر کی پہلی بیوی کوئی اور نہیں، میری بہن تھی، میں ان بچوں کی خالہ ہوں۔" وہ خاموش ہوگئی۔

"ہوں۔" میں نے اپنا رائٹنگ پیڈ کھولا اور لکھنا شروع کیا۔ وہ دوبارہ کہنے لگی:

"تقریباً تین سال پہلے عائشہ باجی گڑیا کی پیدائش پر چل بسیں، گڑیا، صائمہ اور صائم ان تینوں کی پرورش کے لئے مجھے قربانی دینی پڑی اور میں ان کی ماں بن کر آگئی۔" ماہ جبین نے ہاتھ ملنے شروع کر دیئے۔

"ماہ جبین ایک بات پوچھوں" میں نے ماہ جبین سے سوال کیا۔

"جی ضرور" وہ مسکرائی۔

"تم خوش ہو؟"..... میں نے اس کی آنکھوں میں

جھانکا، دراصل آنکھیں ہی انسان کے اندر کی کیفیت کی غمازی کرتی ہیں۔

"خوش، ڈاکٹر صاحبہ خوشی کا احساس تو مجھے ان بچوں کو دیکھ کر ہوتا ہے، جب میں ان کو مطمئن اور آسودہ دیکھتی ہوں تو میری روح سرشار ہو جاتی ہے اور زندگی تو وہ ہے جو دوسروں کے لئے گزاری جائے۔" وہ کافی سمجھدار اور سلجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"پھر بھی کوئی ایسی بات یا تمہارا رویہ، جس کی وجہ سے وہ نفسیاتی مریض ہوگئی ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ تجزیہ تو آپ ہی کریں گی کہ وجہ کیا ہے۔ عائشہ کے انتقال کے بعد سے بچے میرے ہی پاس تھے اور یہ تینوں مجھ سے ہی مانوس تھے۔ شادی کے سال بھر بعد تک بھی یہ صحیح تھی۔ اب تقریباً سال بھر سے میرا اندازہ ہے کہ وہ میرے سوائے ہر کسی سے بات کرتی ہے جبکہ مجھ سے کم، گڑیا تو خیر میری گود میں بڑی ہوئی ہے، صائم بھی مجھے ماں ہی سمجھتا ہے مگر صائمہ کی وجہ سے میں بہت ڈسٹرب ہوں" وہ خاموش ہوگئی۔

"صائم اور صائمہ میں کتنا فرق ہے" میں نے سوال کیا۔

"دونوں (Twins) جڑواں ہیں، شاید اس وقت کی پیچیدگیاں گڑیا کی پیدائش پر عائشہ کی موت کا بہانہ بن گئیں، خیر سب نصیب کا کھیل ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا" وہ چپ ہوگئی۔

"بے شک انسان جو سوچتا ہے، وہ ہوتا کب ہے، خیر یہ بتاؤ کہ تم نے کب اور کیسے محسوس کیا کہ وہ کھنچتی جا رہی ہے" میں نے سوال کیا۔

"اکثر باتوں کا جواب نہ دینا، کھانا بھی اکثر اکیلے کھانا یا بھوک نہ ہونا کہہ کر کمرے میں بند ہو جانا، اس کے بعد اس کا جب مڈٹرم کا رزلٹ آیا تو وہ صرف جسٹ پاس ہوئی، مجھے بہت حیرت ہوئی، کیونکہ یہ کلاس کی ٹاپ فائیو (Top 5) میں سے ہے جبکہ صائم نے ہمیشہ کی طرح پوزیشن لی اور ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کا فائنل کا رزلٹ آیا ہے، وہ بہتر تھا مگر پھر بھی پوزیشن نہیں لی اور جب میں نے پوچھنا چاہا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ میرا پڑھنے کا دل نہیں کرتا" وہ خاموش ہوئی، پھر میں نے سوال کیا۔

"تم نے اس کے ابو سے یہ سب کچھ شیئر کیا ہے؟"

ہاں طلحہ سے بات ہوئی تھی، وہ سمجھتے ہیں میری مصروفیت کے باعث میں نے توجہ کم کر دی ہے چونکہ گڑیا کے بعد اب شارق بھی ہے جس کی وجہ سے ظاہر ہے فرق تو پڑے گا۔ مگر میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ میں صائم، صائمہ اور گڑیا کو اتنا ہی وقت دوں، جتنا پہلے دیتی تھی اور ڈاکٹر اگر ایسا ہوتا تو پھر صائم میں بھی تو فرق آتا" اس نے اپنی وضاحت دی۔

"نہیں ماہ جبین لڑکی اور لڑکے میں بہت فرق ہوتا ہے، لڑکیاں چونکہ گھر میں ہمارے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے وہ ہماری ہر فیلینگز کو محسوس کرتی ہیں جبکہ لڑکے اپنے کھیل کود اور اپنی مصروفیات میں، ان سب باتوں پر غور نہیں کرتے، ٹھیک ہے تم مجھے تفصیلاً اپنی شادی سے متعلق اور جو کچھ ضروری سمجھتی ہو، مجھے بتاؤ، پھر میں صائمہ کا علاج شروع کروں گی" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میں، عائشہ آپی اور نوید ہم تین بہن بھائی ہیں، سب سے بڑی عائشہ، پھر نوید اور پھر میں ہوں، عائشہ آپی مجھ سے 7 سال بڑی ہے اور نوید بھائی پانچ سال، عائشہ آپی کی شادی ان کے انٹر کرتے ہی ہوگئی تھی، سال بھر بعد یہ دونوں صائم اور صائمہ کی پیدائش ہوئی اور پھر 9 سال بعد گڑیا آئی، گڑیا کا نام ہم نے عائشہ ہی رکھا ہے اور پیار سے گڑیا کہتے ہیں، ایک سال تک امی مجھے سمجھاتی رہیں اور آخر کار مجھے انس کو چھوڑ کر طلحہ سے شادی کرنی پڑی۔"

"انس کی وضاحت کرو گی؟" میں نے اس کی بات کاٹی۔

"انس میرا منگیتر تھا، ہماری منگنی کو دو سال ہو چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے، اس کی پڑھائی کی وجہ سے ہماری منگنی طویل ہوگئی تھی، مگر خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، امی نہیں چاہتی تھیں کہ عائشہ کے بچوں کے لئے کوئی اور ماں بن کر آئے، ظاہر ہے طلحہ نے بھی شادی کرنی تھی، اس لئے مجھے قربانی دینا پڑی'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تم کو کیا اس بات کا افسوس ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''نہیں ڈاکٹر، یہ سب میری قسمت میں تھا، طلحہ ایک بہترین شوہر ہیں اور ان بچوں سے بھی مجھے اتنی شدید محبت ہوچکی تھی کہ باقی سب میرے لئے بے معنی تھے، شادی سے پہلے میں سال بھر تک ان لوگوں کو سنبھالتی رہی تو (Manage) کرنا ذرا بھی مشکل نہ تھا، شادی کے بعد میری ذمہ داریوں میں فرق پڑا، پھر شارق کی پیدائش، گھر سنبھالنا، مگر یہاں بھی دونوں بڑوں نے میرے ساتھ تعاون کیا، صائمہ، شارق کے معاملے میں بہت حساس ہے، وہ مجھ سے زیادہ اس کی گود میں رہتا ہے، کہاں کیا الجھن ہے، سمجھ میں نہیں آرہی، میرے لئے چاروں بچوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر کرسی سے ٹیک لگالی۔

''شارق کتنے سال کا ہے، میرا مطلب'' میں رک گئی۔

''ابھی صرف 9 مہینے کا ہے'' وہ جھینپ گئی۔

''تم نے کبھی صائمہ سے خود پوچھا'' میں نے سوال کیا۔

''بہت دفعہ پوچھا، مگر وہ کہتی ہے، آپ کا وہم ہے، مگر مجھے لگتا ہے، کہیں گڑبڑ ہے'' وہ بڑی ملول لگ رہی تھی۔

''تم جوائنٹ فیملی میں رہتی ہو یا سنگل فیملی؟'' میں نے پوچھا۔

''میری سنگل فیملی ہے، میری ساس میرے دیور کے ساتھ رہتی ہے، وہ اکثر دن گزارنے ہمارے گھر پر آتی ہیں، مگر رات کو ان کو اپنا کمرہ ہی چاہئے، اس لئے ٹھہرتی نہیں ہے'' اس نے بات مکمل کی۔

''بچوں کی ضروریات کیسے پوری ہوتی ہیں اور وہ کس سے کہتے ہیں؟''

''ہر مہینے ان کو جیب خرچ ملتا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز کا میں خود دھیان کرتی ہوں، اپنے ساتھ شاپنگ پر لے جاتی ہوں، اب صائمہ میرے ساتھ چلنے کو بھی تیار نہیں ہوتی اور کہتی ہے، اپنی مرضی سے لے لیں'' وہ چپ ہوگئی۔

''ان کو پڑھاتا کون ہے'' میں نے پوچھا۔

''پہلے میں پڑھاتی تھی، مگر اب چونکہ شارق چھوٹا ہے، اس لئے ٹیوٹر رکھی ہے، وہ بھی صرف صائمہ کو پڑھانے کے لئے، صائم خود سے پڑھ لیتا ہے، وہ ذہین ہے اور ذمہ دار بھی، ذہین اور ذمہ دار تو یہ بھی تھی، مگر میں نے آپ کو بتایا ناں کہ چھ مہینے چونکہ اس کا رزلٹ بہت خراب رہا، اس لئے مجھے ٹیوٹر رکھنی پڑی۔

''گڑیا اسکول جاتی ہے۔''

''ہاں، اب اس سال مونٹیسوری میں داخلہ کروایا ہے، اگلے مہینے سے جائے گی۔''

''ٹیوٹر کو کتنا عرصہ ہوا ہے۔''

''یہی تقریباً چھ مہینے۔''

''بدتمیزی تو نہیں کرتی، میرا مطلب ہے اونچا بولنا'' میں نے سوال کیا۔

''پہلے تو نہیں کرتی تھی، مگر پچھلے ایک مہینے سے جھڑک کر جواب دیتی ہے، یا تیز لہجے میں بولتی ہے'' وہ اداسی سے بولی۔

''حالانکہ تم تو بہت دھیما بولتی ہو'' میں نے اتنی دیر میں اندازہ لگالیا تھا کہ اس کا لہجہ بہت دھیما تھا، ایسے لوگ اگر کسی پر غصہ بھی کریں تو یقین نہیں آتا کہ یہ غصہ تھا۔

''جی میں تو کسی کو ڈانٹوں تو وہ بھی سامنے سے ہنس پڑتا ہے'' اس نے وضاحت دی۔

''تمہاری ساس کیسی عورت ہیں، کہیں وہ تو.....''

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''نہیں، بالکل بھی نہیں، وہ بہت سمجھدار عورت ہیں، میں نے تو ان کو اپنی والدہ سے زیادہ اپنے لئے فکرمند پایا ہے، ان کی تعریف کے لئے میرے لئے الفاظ نہیں ہے، وہ بچوں کی بھی بہت اچھی دوست ہیں، انہوں نے بھی صائمہ کے رویے کو محسوس کیا اور اسے سمجھایا بھی، اور مجھے بھی انہوں نے مشورہ دیا کہ میں اسے کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں اور پھر آپ کا ایڈریس بھی انہوں نے لاکر دیا، آج بھی وہ بچوں کے پاس ہیں، تو میں یہاں آئی ہوں، ان کی ذات سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے، انہوں نے سب کو صرف دیا ہے، ان کی زندگی کے بارے میں آپ کو بتاؤں گی تو بات کہیں اور نکل جائے گی، بس اتنا سمجھ لیں کہ میری لاڈلی بہن کی انہوں نے زندگی میں کبھی برائی نہیں کی، حالانکہ عائشہ مزاج کی بہت تیز تھی'' وہ خاموش ہوگئی۔

''شاذونادر ہی کوئی اپنی ساس کی تعریف کرتا ہے، اور کوئی نئی بات جو تم سمجھتی ہو کہ رہ گئی ہو صائمہ کے متعلق'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں، کچھ عرصے پہلے شارق کی پیدائش سے پہلے نوید کی شادی ہوئی تھی اور نوید کی بیگم اُنس کی بہن ہے، مجھے اس کی طرف شک تھا، کیونکہ اُنس نے ابھی تک شادی نہیں کی، وہ کہیں کوئی بات نہ کرتی ہو، مگر میں نے اس کو بھی مخلص پایا ہے، وہ بھی سمجھدار اور مجبوریوں کو سمجھنے والی ہے۔''

''ٹھیک ہے ماہ جبین، تم جمعے والے روز.....''

''نہیں، ڈاکٹر صاحبہ ہفتے کو پلیز''..... اس نے میری بات کاٹی۔

''مگر آج کل تو اسکول کی چھٹیاں ہیں'' میں نے بات پوری کی۔

''ہاں، مگر جمعے کو عام روز کی نسبت نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''ہاں، میں بھی صرف ایک پیشنٹ دیکھتی ہوں، اسی لئے کہہ رہی ہوں اور اس دن میں ایسے پیشنٹ رکھتی ہوں کہ اگر وقت زیادہ ہوجائے تو فکر نہ ہو، ورنہ اگر دوسرے پیشنٹ انتظار کررہے ہوں تو پھر مشکل ہوجاتی ہے اور یہ بچی ہے اس لئے میں جمعے کو بلانا چاہ رہی تھی۔''

''ٹھیک ہے، میں لے آؤں گی۔''

''ٹھیک پانچ بجے'' میں نے ڈائری میں نوٹ کیا۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔''

☆.....☆.....☆

''السلام علیکم ڈاکٹر صاحبہ، یہ میری بیٹی صائمہ ہے'' ماہ جبین نے تعارف کرایا۔

''وعلیکم السلام رحمۃ اللہ'' صائمہ نے ہاتھ بڑھایا، میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔

''کیسی ہو صائمہ؟'' میں نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں'' وہ گویا ہوئی۔

''ماہ جبین آپ باہر انتظار کریں پلیز۔''

''ٹھیک ہے، میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

''صائمہ آرام سے یہاں صوفے پر آجاؤ'' میں صائمہ کو لے کر صوفہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''مجھے یہاں کیوں چھوڑ کر گئی ہیں مما، میں بیمار تھوڑی ہوں۔''

''میں سائیکاٹرسٹ ہوں'' میں نے اس کو بتایا۔

''مگر میں کیا کروں، آپ ڈاکٹر ہیں'' مجھے اس نے غور سے دیکھا۔

''مجھے تو آپ قرآن کی ٹیچر لگ رہی ہیں'' اس نے میرا حلیہ دیکھ کر کہا۔

''کیوں ڈاکٹر کو اسکارف پہننا منع ہے؟'' میں ہمیشہ اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھتی ہوں حالانکہ میرے کلینک پر صرف اور صرف عورتیں آتی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کندھے اچکائے۔''

''نہیں، منع تو نہیں ہے، مگر پہلی دفعہ ایسا دیکھا ہے اور اچھا لگ رہا ہے۔''

''تم اتنی چھوٹی سی ہو، تم نے کتنی ڈاکٹر دیکھ لیں؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ڈاکٹر کوئی خاص نہیں، مگر آپ سائیکاٹرسٹ ہیں، ویسے مجھے سائیکاٹرسٹ کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں ہے، یہ کیا ہوتا ہے؟'' اس نے مجھ سے سوال کرنا شروع کردیئے جو کہ بچوں کی فطرت ہے۔

''صائمہ کون سی کلاس میں پڑھتی ہو'' میں نے بات پلٹ دی۔

''اب (Level-7) میں جاؤں گی'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا چھوٹی سی لگتی ہو۔''

''جی میں بارہ سال کی ہوں، بلکہ شاید چھ مہینے زیادہ، ویسے آپ مجھے بتائیں سائیکاٹرسٹ کیا ہوتا ہے، وہ کون سا ڈاکٹر ہوتا ہے اور مما مجھے آپ کے پاس کیوں چھوڑ کر گئی ہیں، مجھے مما کیوں لائی ہیں۔'' اس نے اسی بات کی تکرار کرنا شروع کردی۔

''مما کہتی ہے، صائمہ بہت خاموش ہوگئی ہے، پہلے جیسے چہکتی نہیں ہے، تو میں صائمہ کو چیک کروں، وہ کیوں ڈسٹرب ہے، میں سمجھ لو (Behaviour) کی ڈاکٹر ہوں۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں میرا (Behaviour) بھی ٹھیک ہے، مجھے زیادہ بات کرنا نہیں اچھا لگتا اور ان سے تو بالکل نہیں۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''کیوں بھئی، ایسی کیا کردیا مما نے اور ایسی کیا ناراضگی، یہ بی ہیویر (Behaviour) تو بہت غلط ہے، یہ تو پرابلم ہے جو (Solve) کرنا ہے۔''

''بس اب وہ مجھے اچھی نہیں لگتیں اور میں آپ کو کیوں بتاؤں۔'' وہ ضد میں آگئی۔

''اچھا، اب مما تو چھوڑ کر چلی گئی ہیں، تھوڑی گپ شپ کرلیں۔'' میں نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

''اچھا'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔

''مجھ سے دوستی کروگی؟'' میں نے پوچھا۔

''مگر میں ڈاکٹر کی دوست کیوں بنوں اور آپ تو بہت بڑی ہیں اور میں بہت چھوٹی ہوں اور کوئی بڑا چھوٹے کا دوست نہیں ہوتا اور میری مما کہتی ہیں''..... وہ اتنا کہہ کر رک گئی۔

''کیا کہتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کیوں بتاؤں، وہ کیا کہتی ہیں'' جسٹ ایمیجن (Just Imajine)۔

''آپ اتنی بڑی ہیں، میں اتنی چھوٹی'' وہ مسکرائی۔

''میری مما بھی ایک بات کہتی تھیں'' میں نے جواباً کہا اور مسکرائی۔

''وہ کیا کہتی تھیں؟'' اس نے جھٹ سوال کیا۔

''میں کیوں بتاؤں'' میں نے انکار میں سر ہلایا۔

''یعنی مجھے فرینڈ شپ کرنی پڑے گی'' وہ آہستہ سے بولی۔

''مرضی ہے'' میں نے اسی کی طرح کندھے اچکائے۔

(ہر بندے کی نفسیات الگ ہوتی ہے خاص کر بچے کی الگ، ان کے قریب ہونے کے لئے ہمیں ان کو مختلف طریقوں سے بہلانا پڑتا ہے تاکہ وہ کھل جائیں، جو باتیں ضروری نہیں ہوتیں، وہ میں حذف کردیتی ہوں تاکہ سلسلہ جڑا رہے، اس تسلسل کو جاری رکھتی ہوں اور بعض دفعہ ربط میں فرق بھی آتا ہے، اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، مگر مجھے یقین ہے میری بات قارئین کی سمجھ میں یقیناً آجاتی ہوں گی)

''میری مما کہتی ہیں بڑی لڑکیوں سے دوستی مت کیا کرو، صرف اپنی عمر کی لڑکیوں سے (Friend Ship) کرنی چاہئے اور پھر ہمارے اسکول کی بڑے

گریڈ کی لڑکیاں تو مجھے ویسے بھی پسند نہیں ہیں، سب خود کو بہت کچھ سمجھتی ہیں، ایسا لگتا ہے اسکول میں نہیں پارٹی میں آئی ہیں۔''

''ویسے آپ کی مما بالکل صحیح کہتی ہیں، مگر میں تو آنٹی ہوں'' میں نے اسے دیکھا تو وہ سر ہلا رہی تھی (بچوں کی تربیت میں سب سے اہم بات یہ بھی ہے کہ بچے اپنے ہم عمر سے ہی دوستی رکھیں، اس طرح دس سال کی عمر سے بستر علیحدہ کردینے کا حکم ہے، بہن بہن کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور بھائی بھائی کے ساتھ ایک بستر میں نہیں سوسکتا، مگر ہمارے معاشرے میں ان باتوں پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی) ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بچوں کی تربیت کے لئے یہی تعلیم فرمائی ہے۔

''ہوں ٹھیک ہے، پھر آپ بتائیں آپ کی مما کیا کہتی تھیں۔'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''میری امی بھی وہی کہتی تھیں جو تمہاری امی کہتی ہیں اور جب تم امی بنوگی تو اپنی بیٹی کو بھی یہی کہوگی۔'' میں نے اس کو دیکھا تو وہ ہنس پڑی۔

''ویری فنی (Very Funny)'' میری بات مجھ کو لوٹا دی۔ ''پھر وہ ایکدم سنجیدہ ہوگئی'' مگر یہ میری اسٹیپ مدر Step Mother ہیں، میری مما مرچکی ہیں۔

''صائمہ مما صرف مما ہوتی ہیں، اسٹیپ سوتیلی کچھ نہیں ہوتا'' میں نے اس کی بات رد کردی۔

میں Blind اندھی نہیں ہوں، مجھے سب سمجھ میں آتا ہے'' وہ چبا کر بولی۔

''ہمارے آج کے بچے حد سے زیادہ کانفیڈنٹ (Confident) ہوچکے ہیں اور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ کہ بچوں کا رویہ اپنے والدین کے ساتھ غلاموں جیسا ہوجائے گا، وہ بھی آج کے دور میں پورا ہوتا نظر آرہا ہے، اگر آج کل کے بچوں کو والدین کے ساتھ بات کرتا دیکھ لیں تو طبیعت خراب ہوجاتی ہے، ایک سال سے لے کر ہر عمر کا بچہ والدین کو جواب دینا اپنا حق سمجھتا ہے اور جواباً والدین بچوں کے آگے پیچھے جاتے ہیں کہ بچہ بڑا ذہین ہے جب کہ یہ ذہانت نہیں بلکہ بدتمیزی کا تخم پروان چڑھتا ہے۔ اب تربیت کا انداز بالکل ہی بدل چکا ہے، معذرت کے ساتھ اچھے خاصے دینی گھرانوں میں بھی یہی ماحول ہے، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا کرے، میں صائمہ کے انداز سے نہ جانے کس سمت کو سوچنے لگی۔''

''بہن بھائیوں میں کون اچھا لگتا ہے'' میں نے بات بدل دی۔

''یہ تو آپ نے پوچھا نہیں، کتنے بہن بھائی ہیں'' اس نے الٹا مجھ سے سوال کردیا۔

''اوہ سوری، یہ تو میں بھول گئی، چلو اب بتادو'' میں نے معذرت کی۔

''میرے دو بھائی ہیں اور ایک بہن ہے اور مجھے شارق سب سے اچھا لگتا ہے، گڑیا اور صائم تو بالکل ہی اچھے نہیں ہیں، صائم تو ہر وقت میرا دادا بنا رہتا ہے کہ میرا مما کے ساتھ رویہ بہت خراب ہوتا جارہا ہے، وغیرہ وغیرہ اور گڑیا بھی بس مما کو چپکی رہتی ہے، بس شارق میرا اچھا منا ہے۔''

''شارق شاید آپ کی دوسری امی کا بیٹا ہے'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''Sowhat''

''وہ میرا بھائی ہے، وہ بالکل دیکھنے میں میرے جیسا ہے، اس کو جو بھی دیکھتا ہے، وہ کہتا ہے یہ تو صائمہ سے ملتا ہے۔''

''اچھا یہ بتاؤ پڑھائی کیسی جارہی ہے'' مجھے سمجھ میں آرہا تھا کہ کسی نے اس کا مائنڈ واش کیا ہے اور اس کے دماغ میں ایسی ہی کچھ الٹی سیدھی باتیں ڈال دی ہیں جس کی وجہ سے وہ صرف ماہ جبین کو تنگ کررہی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پڑھائی کرنے کا میرا دل نہیں کرتا اور اوپر سے یہ بور ٹیوٹر، ہر وقت ناولز اور ڈراموں کی باتیں کرتی ہیں، دماغ خراب کر دیتی ہے، مما پڑھاتی تھیں تب مزا آتا تھا، اب میرا پڑھنے کا دل نہیں کرتا، بس ہر وقت شارق سے کھیلنے کا دل کرتا ہے۔"

"تم اس ٹیوٹر کو نکلوا کیوں نہیں دیتیں، مما کو کیوں نہیں بتاتی؟"

"ٹیچر نے منع کیا تھا، بے چاری غریب ہے، اس کی پے بند ہو جائے گی، تو اس کی اسٹڈیز پوری نہیں ہو سکے گی۔"

"دوستیں کتنی ہیں تمہاری، کیا وہ بھی ایسی ہیں" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بھئی میری دوستیں صرف دو ہیں، نائمہ اور سعدیہ، وہ میری Neigh bours پڑوسی بھی ہیں اور کلاس میٹ بھی اور وہ بہت سوبر ہے، کیا آپ سب کو دوست بنا لیتی ہیں" اس نے مجھ سے سوال کر دیا۔

"ہاں، مجھے بچے اچھے لگتے ہیں" میں اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

"آپ میرڈ Married ہیں" اس نے پھر پوچھا۔

"ہاں، میرے بھی چار بچے ہیں ایک بیٹی اور تین بیٹے۔"

"اچھا گڈ، مگر آپ بھی اپنے بچوں کو ٹائم نہیں دیتیں" اس نے مجھ سے ایسا سوال کیا کہ میں یکدم گڑبڑا گئی۔

"نہیں بیٹا ایسا نہیں ہے، شام میں صرف تین گھنٹے میں اپنے کلینک پر ہوتی ہوں، اس وقت ان کے ابو ان کو قرآن بھی پڑھاتے ہیں اور ہوم ورک بھی کراتے ہیں" میں نے وضاحت دی۔

"اچھا میرے ابو کے پاس تو ٹائم ہی نہیں ہوتا، اگر ہوتا بھی ہے تو صرف مما کے لئے" وہ چڑ کر بولی۔

"نہیں بیٹا، بری بات ایسا نہیں کہتے" میں نے اسے ٹوکا۔

"کیوں نہیں کہتے، آج شاپنگ پر جانا ہے، کبھی کسی کے گھر جانا ہے، ہمیں پڑھانا بھی چھوڑ دیا اور شارق کا بھی دھیان نہیں کرتیں، بس گڑیا کو سر پر چڑھایا ہے بدتمیز ہو گئی ہے، پوری ال مینرڈ" وہ شکوے سے بولی۔

"تو تم کو یہاں پر کون لایا ہے" میں نے جواباً کہا۔

"لے کر آئیں اور یہاں پر بھی اکیلا چھوڑ دیا، میرے لئے تھوڑی دیر باہر نہیں بیٹھ سکتی تھیں، گھوم رہی ہوں گی، کسی شاپنگ مال میں۔"

"تم بھی ساتھ چلی جایا کرو، تم کو آخر نہیں کرتیں" میں نے پوچھا۔

"نہیں مجھے مارکیٹ جانا بالکل پسند نہیں ہے، بہت بور کام ہے، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"پھر تم کو کیا اچھا لگتا ہے صائمہ؟" میں نے اس کو بغور دیکھا۔

"مجھے عائشہ مما کے ساتھ گھومنا اچھا لگتا تھا، اب میں ان کو اور ابو کو ساتھ گھومتے پھرتے دیکھتی ہوں تو میرا دل کرتا ہے میں کہیں چھپ جاؤں، مجھے میری ماما بہت یاد آتی ہیں، میری مما میرا اور صائم کا جتنا خیال رکھتی تھیں، انہوں نے بھی ہمارا خیال رکھا، مگر اب تو ان کو صرف گڑیا نظر آتی ہے، اس گڑیا ہی کی وجہ سے میری مما بھی اللہ میاں کے پاس چلی گئیں، یہ گڑیا یا پھر مما بس یہ دونوں مجھے اب اچھی نہیں لگتیں۔"

"خیر یہ سب فطری ہے، وہ فطری باتیں ہی کر رہی تھی، اچھا یعنی پہلے اچھی لگتی تھیں، اب اچھی نہیں لگتیں۔" میں نے اس کے جملے کو دہرایا۔

"ہاں" وہ گڑبڑا گئی۔

"تو اب جو فرق ہے وہ تمہارے بڑے ہونے سے آیا ہے" میں نے پوچھا۔

"ہاں اب میں سمجھ دار ہو گئی ہوں، مجھے اب سب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے" وہ بڑے موبرانہ لہجے میں بولی تو میری مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"باجی ان کی امی آ گئی ہیں، اندر بھیجوں" ماسی نے اندر آ کر کہا۔

"ہاں، بھیج دو" میں نے نوٹ بک بند کر دی۔

"دوبارہ آؤ گی میرے پاس" میں نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پیر کو لے کر آ سکتی ہیں" میں نے ماہ جبین سے بات کی "ٹھیک ہے ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحبہ میں لے آؤں گی۔"

☆.....☆.....☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ" صائمہ نے اندر آ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" میں نے جواب دیکھ کر آگے پیچھے دیکھا اور پوچھا۔

"اکیلی آئی ہو؟"

"ان کے پاس میرے لئے وقت کہاں، ڈرائیور کے ساتھ آئی ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"کیوں خیریت کوئی تو وجہ ہو گی" میں نے وجہ جاننا چاہی۔

"شارق کو بخار ہو رہا ہے جس کی وجہ سے وہ چڑچڑا ہو رہا ہے، مگر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے (Maid) نوکرانی تو ہے ناں" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

"پھر تو تمہارے ابو کو تم لوگوں کے لئے دوسری شادی نہیں کرنی چاہئے تھی (Maid) نوکرانی تو تھی ناں" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا، ویسے نہ کرتے تو بہتر تھا، جب تک خالہ تھیں تب تک بہتر تھا، جب سے مما بنی ہیں، گھر کی ہر چیز پر قبضہ جما لیا ہے، ابو پر، دادی پر، صائم پر، گڑیا پر، شکر ہے میں بچ گئی" وہ یہ کہہ کر ہنسے گی۔

"الٹا سیدھا کیوں سوچتی ہوں صائمہ، اتنی چھوٹی سی ہو" میں نے اس کو ٹوکا۔

"چھوٹی ہوں مگر ڈاکٹر آنٹی میرا experience بہت زیادہ ہے، وہ میں نے جو لاسٹ مووی دیکھی تھی اس میں اسٹیپ مدر کو دکھایا تھا، کیسے دوسری ممی بچوں کے ساتھ کرتی ہے، اف اور ایک اور مووی۔"

"پلیز صائمہ بس کرو، کس کے ساتھ اور کہاں مووی دیکھتی ہو" میں نے بات کاٹ کر پوچھا۔

"میں اپنی فرینڈ کے گھر پر دیکھتی ہوں، اپنے گھر میں دادی اور مما دیکھنے نہیں دیتیں، دادی جب بھی آتی ہے، سختی سے امی ابو کو منع کرتی ہیں، ٹی وی دکھانے پر، مگر مما اور ابو صرف کارٹون وغیرہ دکھا دیتے ہیں بور، میری کارٹون دیکھنے کی عمر ہے، سب دوستیں میرا مذاق اڑاتی ہیں، سب تو نہ جانے کتنی فلموں کی باتیں کرتی ہیں اور مجھے منی کہہ کر چھیڑتی ہیں" اس نے وجہ بتائی۔

"اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ نماز پڑھتی ہو" میں نے موضوع بدل دیا۔

"اف آپ نے بھی دادی جیسی باتیں شروع کر دیں، صبح جلدی اٹھو، نماز پڑھو، اب بتائیں بھلا یہ جلدی اٹھنے کا زمانہ ہے، میری دوست کی دادی تو کہتی ہیں چھٹی والے دن دیر سے اٹھو، آرام کرو، یہی مزے کرنے کے دن ہیں، پھر تو انسان ذمہ داریوں میں لگ جاتا ہے، ویک اینڈ پر جا کو کھیلو، کودو اور ایک میری دادی ہیں، جو کہتی ہیں، زندگی با مقصد بناؤ، صبح اٹھ کر نماز پڑھو، قرآن پڑھو، رات کو جلدی سو جاؤ، جب دادی جتنی ہو جاؤں گی، تب پڑھوں گی" اس نے بات مکمل کی۔

آج ہمارے معاشرے میں رات کو دیر سے سونا اور صبح دیر سے اٹھنا بھی فخر سے بتایا جاتا ہے، بچوں کو اسکول بھیجنے کے لئے تو ہم صبح سویرے اٹھا دیتے ہیں، مگر نماز پڑھنے کے لئے نہیں اٹھاتے کہ ان کی نیند خراب ہو گی، ہماری تربیت کے انداز ہی بدل گئے ہیں، وہ مائیں ہی نہیں رہیں، جو محمد بن قاسم اور محمود غزنوی جیسے بچے جنم دیں سکیں، ایسے لوگ صرف آٹے میں نمک کے برابر ہیں، جو اپنے بچوں کی تربیت خالص اسلامی اصولوں پر کرنا چاہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ معاشرے میں اب جس نہج پر بچوں کی تربیت ہو رہی ہے، اس کی تصویر ہم ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپر حکمرانوں کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔

"یعنی تم اس وقت تک زندہ رہو گی" میری بات سن کر وہ چونک گئی۔

"نہیں ضروری تو نہیں، میری مما کتنی جلدی مر گئیں۔" وہ اداس ہوگئی۔

"پھر یوں کیوں کہتی ہو کہ دادی جتنی ہو کر پڑھوں گی، اچھا یہ بتاؤ، قرآن شریف مکمل پڑھ لیا تم نے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"بس آخری پارہ ہے میرا، اسی مہینے شاید ختم ہو جائے، آخری تین پارے کتنے مشکل ہیں ناں" وہ وضاحت دینے لگی۔

"یعنی تم 12 سال کی عمر میں قرآن شریف مکمل کرو گی" مجھے حیرت نہیں دکھ ہوا، یہ ہمارے نیم مارڈن لوگ نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔

"مما کہہ رہی تھیں تم خاندان کی پہلی بچی ہو، جس نے 12 سال میں مکمل کرو گی، ورنہ عام طور پر 10 سال تک بچے کر لیتے ہیں، صائم نے بھی کر لیا تھا" اس نے پوری بات سمجھائی۔

"تم نے اتنا وقت کیوں لگا دیا" میں نے پوچھا۔

"میری مما جو مر گئی تھی، میرا دل کچھ کرنے کو نہیں چاہتا تھا" وہ بہت آہستہ سے بولی۔ میرا دل کٹ رہا تھا کہ یہ امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے۔

"پھر صائم نے کیسے مکمل کر لیا" میں نے صائم کے متعلق پوچھا۔

"اس کی کوئی فیلینگز (Feelings) ہی نہیں ہیں، مجھے تو لگتا ہے اسے مما کا افسوس بھی نہیں ہے، اس نے کہا۔

"افسوس تم کو ہونا تو تم بھی اپنی مما کے لئے تو ضرور قرآن پڑھتیں، ایک ہی طریقہ تو ہے جس سے ہم اپنے عزیزوں کو مرنے کے بعد تحفہ دے سکتے ہیں، تم اگر قرآن پڑھ کر اپنی والدہ کو بخشیں تو تمہیں بہت سکون ملتا، اللہ نے ہمارے دلوں کا سکون اپنے ذکر میں رکھا ہے اور اللہ کو یاد کرنے کے لئے ہمیں نماز اور قرآن پڑھنا چاہئے۔"

"آنٹی پھر اللہ ہم کو دکھ کیوں دیتا ہے، ہم سے ہمارے پیارے کیوں چھین لیتا ہے" وہ رو پڑی۔

"صائمہ یہ جو زندگی ہے دنیا کی وہ ایک (Examination Hall) ہے اور اس کو پاس کرنے کا طریقہ ہمیں قرآن مجید میں بتلا دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی چیز دے کر آزماتا ہے اور کسی سے کوئی چیز لے کر آزماتا ہے، تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے، امی کے بدلے بھی خالہ کو امی بنا دیا جو کہ ماں کے برابر ہے، ماں باپ، بہن، بھائی، زندگی کی ہر سہولت تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے، کیا تم نے کبھی غریب بچوں کو کام کرتے دیکھا ہے، کبھی سڑکوں پر بچوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے، کبھی کچرا چنتے ہوئے بچوں کو کچرے سے کھانا اٹھا کر کھاتے دیکھا ہے، کسی کے پاؤں میں چپل نہیں تو کسی کے سر پر ڈوپٹا نہیں، کیا تم نے گھروں میں تمہاری عمر کی بچیوں کو کام کرتے نہیں دیکھا، بلکہ اب تو اکثر گھروں میں عورتیں اور بچیاں کام کرتی ہیں، کبھی تم نے سوچا، ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے، یہ تو اللہ کی مرضی ہے کہ وہ کس کو بھی کہیں پیدا کر دیں، حدیث مبارکہ میں ایک دن میں ملازم کو 70 دفعہ معاف کرنے کا حکم ہے، مگر تم نے دیکھا ہوگا کہ ہم میں سے اکثر لوگ ان کے ساتھ کیسا سلوک رکھتے ہیں، صرف چند پیسوں کے عوض ان کو کس طرح ذلیل کرتے ہیں اور تم کو صرف تمہاری مما کچھ کہہ دیں تو تم کو برا لگتا ہے" میں رکی تو وہ بول پڑی۔ "صحیح کہہ رہی ہیں، وہ فاطمہ" شارق کا پیپر تک چیکنگ کراتی ہے میں تو وہ کام کبھی نہ کروں، اف کتنا گندا کام ہے۔"

"یعنی تم سمجھ رہی ہو جو میں تم کو سمجھا رہی ہوں، یہ صرف اللہ کی مرضی ہے، ہم اس کے بندے ہیں اور ہمیں اسی میں راضی رہنا ہے، ٹھیک اسی طرح کہ جو

ہمارے امی ابو ہمارے لئے کرتے ہیں، وہ صحیح ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمارے لئے جو کرتے ہیں، وہی صحیح ہوتا ہے، انسان کی چھوٹی عقل اس کی بڑی باتیں نہیں سمجھ سکتی، کیا تم نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں پڑھا، بلکہ اگر تم ہر نبی کے بارے میں پڑھو گی تو تم کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کے پیارے بندے دنیا میں کتنی آزمائشوں سے گزرتے ہیں تاکہ ہم ان کی زندگی کو دیکھ کر حوصلہ رکھیں اور کبھی بھی زندگی میں اللہ سے شکایت نہ کریں، کیونکہ ہمیں ہر حال میں صرف اللہ کا شکر ادا کرنا ہے" میرے خیال میں کافی زیادہ ہی میں نے اس کو سمجھا دیا تھا۔

"آنٹی آپ مجھے اسلامیات کی ٹیچر لگتی ہیں، وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بولی پھر میری دادی، وہ بھی ایسی ہی باتیں کرتی ہیں، سمجھ تو آتی ہیں مگر ان پر عمل کرنا مشکل لگتا ہے۔"

"تمہاری جو مرضی سمجھو، مگر میں تم کو اپنی بیٹی سمجھ کر سب سمجھا رہی ہوں" وہ اثبات میں زور زور سے سر ہلانے لگی۔

"ارے اتنے زور زور سے سر ہلاؤں گی تو ٹوٹ جائے گا" میں نے مذاقاً کہا۔

"اتنا نازک تھوڑی ہے میرا سر" اس نے پٹ سے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ، مما سے کیوں ناراض ہو" میں اس کو اصل بات کی جانب لے کر آ گئی۔

"مما در اصل" وہ رک گئی اور مجھے غور سے دیکھنے لگی۔

"اچھا مما نے مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے، میں نے ثمرہ کے ساتھ سائیکاٹرسٹ کو ڈسکس کیا تھا۔"

"کس لئے بھیجا ہے مما نے" میں نے اسی سے الٹا سوال کر دیا۔

"مجھ سے ہر وقت مما یہی پوچھتی رہتی ہیں، ناراض ہو، چند اچپ چپ کیوں رہتی ہو، مجھ سے بات کیوں نہیں کرتی، اسٹڈیز پر دھیان کیوں نہیں دیتیں اور دادی کو کہا تھا، تو دادی نے مجھے بہت ڈانٹا، مگر میں بہت روئی تو پاپا نے پھر مما کو ڈانٹا، بہت ڈانٹا۔"

"تم کو اچھا لگتا ہے جب تمہارے ابو، امی کو ڈانٹتے ہیں یا لڑتے ہیں" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، پہلے مجھے احساس نہیں تھا، مگر اب مجھے Realize (احساس) ہو رہا ہے کہ وہ میری امی کو تو خوب ڈانٹتے تھے اور ان سے لڑتے تھے، مگر ان کو کبھی نہیں ڈانٹتے، ان کے بس نخرے اٹھاتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے ابو ان کو بھی خوب ڈانٹیں۔"

"تم کو یاد ہے کہ وہ تمہاری مما کو ڈانٹتے تھے یا لڑتے تھے۔" آج کل کے بچے ہر چیز کو محسوس کرتے ہیں، خیر آج کل کے بچوں کے ساتھ سب کچھ ممکن ہے۔

"ہاں مجھے سب یاد ہے کہ وہ مما کو چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے اور ممی پھر بہت چیخ چیخ کر روتی تھیں اور وہ بھی چیزیں توڑ دیتی تھیں، مجھے سب یاد ہے" وہ بتانے لگی۔

"تو پھر تم نے سوچا کہ وہ اس والی مما کو کیوں نہیں غصہ کرتے؟" میں نے اسی سے سوال کر دیا۔

"یہ تو کبھی زور سے بولتی ہی نہیں ہیں، اگر میری وجہ سے جب بھی پاپا نے ان کو ڈانٹا تو یہ تو چپ چاپ سنتی رہتی ہیں" میں تمام پوائنٹ نوٹ کرتی رہی۔

"تو پھر یہ تو اچھی بات ہے، آپ کے گھر میں اب سکون رہتا ہے، کیونکہ غصہ کرنا اور ڈانٹنا یا لڑنا وغیرہ اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے؟" وہ بھی اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"دیکھو صائمہ، سب سے پہلے تم اس بات کو قبول کر لو کہ تمہاری خالہ ہی تمہاری امی ہے اور تم سے سب سے زیادہ محبت بھی وہی کرتی ہیں، زندگی تو گزارنی ہے اب یہ تم پر ہے تم اس کو ٹینشن بنا کر گزارو یا پرسکون رہ کر، بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

دیکھو بیٹا، میرا اندازہ ہے کہ تمہیں جو مسائل درپیش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں، وہ کوئی خاص نوعیت کے نہیں ہیں، مگر تم اسے کسی کے ساتھ جب شیئر کرتی ہو تو وہ خاص ہو جاتے ہیں، تم اپنی گھر کی باتیں کس سے ڈسکس کرتی ہو'' میں نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔

''وہ میں کسی سے مگر.....'' اس کے لہجے میں بے اعتمادی شامل ہوگئی تھی۔

''دیکھو بیٹا، آج آپ نے اگر اپنی اس عادت پر قابو نہ پایا تو آپ اپنی پوری زندگی اسی طرح پریشان رہ کر گزارو گی کیونکہ جو تمہارے اندر ڈالا جا رہا ہے، وہ غلط سوچیں اور منفی رویے ہیں، وہ دوسروں کے علاوہ خود تمہاری زندگی بھی تمہارے لئے مشکل کر دیں گی'' میں ایک لمحے کو اپنے خیالوں میں مستغرق ہوگئی تو صائمہ کی آواز آئی۔

''میں ثمرہ سے ڈسکس کرتی ہوں'' اس نے قدرے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ثمرہ کون؟ ابھی تم نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔''

''وہی ٹیوٹر میری'' اس نے بات مکمل کی۔

''مگر تم تو اس کو بہت بور کہتی ہو، تمہیں تو اس کے ساتھ بالکل مزا نہیں آتا'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ٹھیک ہے مجھے مزا نہیں آتا مگر روز دو گھنٹے ساتھ گزارنے ہوتے ہیں، مختلف قسم کی باتیں ہوتی ہیں، جس میں ہم بہت ساری چیزیں ڈسکس بھی کرتے ہیں، زیادہ تر اس کی باتیں تو میرے سر سے گزر جاتی ہیں مگر کچھ چیزیں ہم دونوں کی Same (ایک جیسی) ہیں، جیسے اس کی بھی مما مر گئی ہیں اور اب اس کے ابو کے پاس صرف اسی کے لئے پیسے نہیں ہیں تو بے چاری کو ٹیوشن پڑھانی پڑتی ہے، وہ غریب لوگ ہیں، جب سے اس کی دوسری امی آئی ہیں، اس نے اس بے چاری کو ایک ایک چیز کے لئے ترسانا شروع کر دیا ہے، پہلے وہ بھی میری مما جیسی تھیں، آہستہ آہستہ انہوں نے اس کے ابو کو ایسا بدلہ کہ اب صرف وہی اس کے ابو کو دکھائی دیتی ہیں، جبکہ میری مما بھی ایسا ہی کر رہی ہیں'' وہ ایک لمحے کے لئے رکی اور پھر دوبارہ کہنے لگیں:

''پھر میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میں نے اپنی فرینڈز کے ساتھ بھی موویز دیکھی تھیں، اس کے علاوہ اکثر ثمرہ جو کہتی ہے وہ صحیح ہوتا ہے تو مجھے لگتا ہے وہ میری مما کے متعلق بھی صحیح کہتی ہوگی۔''

''ثمرہ ایسا کیا کہتی ہے جو صحیح ہوتا ہے'' میں نے وضاحت چاہی۔

''مثلاً میرے فائنل کے رزلٹ پر مما خوش نہیں ہوئی تھیں اور صائم کو تحفے بھی دیئے تھے، مجھے ثمرہ نے کہا تھا کہ دیکھ لینا یہ اب تم سے خوش نہیں ہوں گی اسی طرح میری اور صائم کی برتھ ڈے سیلیبریٹ نہیں کی اور گڑیا کی کی، مجھے ثمرہ نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا'' وہ رکی تو میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اکثر اس کی جو باتیں غلط ہوتی ہوں گی تو وہ کہتی ہوں گی، کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے، ورنہ میری زیادہ تر باتیں تو صحیح ہوتی ہے جیسے پچھلی دفعہ ہوا تھا۔''

''Exactly آپ کو کیسے پتہ؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''یہ چھوڑو، یہ بتاؤ تم اس کو الگ سے کتنے پیسے دیتی ہو'' میں نے دوسرا سوال کر دیا۔

''کیا مطلب، میں سمجھی نہیں'' وہ چونک گئی۔

''ایک تو تمہاری مما، ان کو ماہانہ پیسے دیتی ہوں گی، اس کے علاوہ اکثر اس کو جو ضرورت ہوتی ہوگی، وہ تم سے مانگتی ہوگی اور تم اپنی پاکٹ منی سے کچھ پیسے دے دیتی ہوگی اور کچھ چیزیں وغیرہ بھی'' میں نے اس سے پوچھا۔

''جی کبھی کبھی دے دیتی ہوں'' وہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

''وہ منع بھی کرتی ہوگی، واپس بھی کبھی کبھی کر دیتی ہوگی'' میں نے پوچھا۔

''منع تو کرتی ہے مگر واپس کچھ نہیں کرتی'' اس نے

جواباً کہا۔

''دیکھو صائمہ، اب تم میری باتیں دھیان سے سنو اور جو میں کہوں، اس پر عمل کرو اور ایک ہفتے بعد آؤ، باقی چیزیں میں تم کو اگلے ہفتے سمجھاؤں گی۔'' پھر میں نے اس کو سمجھایا کہ اسے ایک ہفتے کیا کرنا ہے اور اسے اگلے ہفتے کا اپائنٹمنٹ دے دیا، اگلے ہفتے صائمہ آئی تو اس کے ساتھ ماہ جبین بھی تھی۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ ڈاکٹر صاحبہ'' دونوں نے آکر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام، کیسے ہیں آپ لوگ'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''بالکل ٹھیک'' ماہ جبین جواباً بولی اور صائمہ مسکراتی رہی۔

''ماہ جبین آپ سے تھوڑی دیر بعد بات کروں گی'' میں نے ماہ جبین سے معذرت کی۔

''جی میں باہر ہوں، مجھے بھی کام ہے آپ سے'' ماہ جبین نے وضاحت دی اور باہر چلی گئی۔

''جی صائمہ کیسا رہا تجربہ'' میں نے صائمہ کی آنکھوں میں دیکھا، کبھی کبھی انسان کا چہرہ خود اپنی چغلی کھانے لگتا ہے، اس وقت اس کی کیفیت چہرے پر نمایاں تھی۔

''بہت کامیاب اور آپ نے جیسا کہا تھا، وہی ہوا اور میں آپ کو بتا نہیں سکتی میری کیا Feelings ہیں'' وہ ہنس پڑی۔

''میں تمہاری دل کی کیفیت سمجھ رہی ہوں، اب تم کو صرف کچھ باتیں یاد رکھنی ہیں، پہلی یہ کہ انسان کا اخلاق ہی سب کچھ ہے اور پھر ماں کا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کوئی بدل نہیں رکھا، ماں، ماں ہے، اس لئے اپنے زبان کی تیزی اس ماں پر نہ آزماؤ، جس نے تم کو بولنا سکھایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہاری زندگی میں تمہاری مما بہت اہمیت رکھتی ہیں'' میں نے اس کو سمجھایا تو وہ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

''بیٹا، ہم سوچتے ہیں ہی نہیں ہیں کہ اللہ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں، ہر مقام شکر ہی کا ہے اور دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے حساب نعمتیں نہ ہوں، اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا بھی چاہیں تو ہم شمار نہیں کر سکتے، سب سے بڑی نعمت ہم کو مسلمان پیدا کیا، پورا مکمل پیدا کیا، اتنی نعمتوں سے نوازا، والدین، بھائی، بہن، گھر، آسائش غرض ہم کو ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 34 میں فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر اس چیز سے حسب حکمت و مصلحت حصہ دیا جو تم زبان یا حال سے چاہتے تھے'' یعنی زبان سے سوال کئے بغیر ہی تمہارے حال کے مطابق تمہاری ضرورت کی چیزیں عطا کیں، اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے، بے شک انسان بڑا ظالم اور ناشکرا ہے'' میں نے اتنا کافی سمجھا اور اس سے کہا کہ ''اب آپ تھوڑی دیر باہر بیٹھو تو میں آپ کی مما سے بات کر لوں۔''

''جی میں باہر بیٹھی ہوں'' صائمہ کہہ کر چلی گئی اور ماہ جبین اندر آ گئی۔

''تھینک یو سو مچ ڈاکٹر صائمہ Thankyou so much'' ماہ جبین نے آتے ہی کہا۔ ''تم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔'' میں نے اس سے پوچھا۔ ''جی وہ'' وہ گڑبڑا گئی۔

''مشکل کشا تو صرف اللہ کی ذات ہے، ماہ جبین اسے نے آسانی کی ہے ''نماز پڑھتی ہو۔'' میں نے سوال کیا۔

''جی پوری کوشش ہوتی ہے کبھی کبھی رہ جاتی ہے'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''نماز پابندی سے پڑھو اور کوئی پریشانی ہو تو دو رکعت صلوٰۃ حاجت کی نیت سے پڑھو اور پریشانی دور ہو تو دو نفل شکرانے ادا کر لیا کرو، اور ہاں کچھ وقت دین کی تعلیم کے لئے نکالو'' میں نے بات مکمل کی۔

''جی پوری کوشش کروں گی'' اس نے اعتماد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہا۔

"ٹھیک ہوگئی صائمہ" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، دو دن پہلے اس نے اپنے رویے کی معافی مانگی اور اس کے رویے میں فرق تو تین چار دن پہلے ہی آ گیا تھا، مسئلہ کیا تھا ڈاکٹر صاحبہ" اس نے وضاحت چاہی۔

"مسئلہ اس کی ٹیوٹر تھی، اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں تھیں جیسے وہ تمہارے شوہر کا رویہ تمہاری بہن سے الگ اور تم سے الگ پاتی تو محسوس کرتی اور کچھ ردعمل ہوتا مگر یہ تو فطری ہے، اصل مسئلہ اس کی ٹیوٹر شاید ثمرہ نام ہے اس کا" میں نے نوٹ بک دیکھی۔

"جی ثمرہ ہے۔"

"یہاں تم سے جو غلطی ہوئی کہ تم نے ایسی بچی کو ٹیوٹر رکھ لیا جو سوتیلی ماں کے ہاتھوں پریشان ہے، وہ اپنی تمام کیفیتیں اس سے ڈسکس کر کے اس کو نفسیاتی مریض بنا رہی تھی، پچھلے ہفتے میں نے اس کو سمجھایا کہ تم اتنا کرو کہ روزانہ کچھ نہ کچھ اس کو دو اور نام امی کا لگانا کہ امی کہتی ہے اچھی بچی ہے اس کو ضرورت ہوگی، دے دو، میرے خیال سے اس نے اپنی اچھی خاصی چیزیں چار پانچ دن میں اس کو دے دی ہیں، تیسرے دن سے ثمرہ نے تمہارے قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے ہیں، اب تم ثمرہ کے لئے بھی اور صائمہ کے لئے بھی بہترین عورت ہو" میں چپ ہوئی تو وہ مسکرائی۔

"اف ڈاکٹر صاحبہ اتنی سی بات اور دیکھیں بتنگڑ۔"

"نہیں ماہ جبین یہ اتنی سی بات نہیں ہے، یہ تو تم نے شکر ہے محسوس کر لیا اور بچی کا بروقت علاج کروا لیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہر چیز کی تعلیم دی ہے ان میں بچوں کی تربیت بھی ہے، میں نے مفتی رشید احمد صاحب کی کتاب "بچوں کی تربیت کیسے کریں" اس کی طرف بڑھائی۔

"بچے بڑے ہو جائیں تو ماں باپ کی دو آنکھوں کے بجائے چار آنکھیں ہو جاتی ہیں، ان کے دوست، ان کے ملنے ملانے والوں پر نظر رکھنا ضروری ہے، اب اگر تم ان دونوں کو اکیلا نہ چھوڑتیں یا اکثر ان کو سامنے رکھتیں تو یہ مسائل پیدا نہیں ہوتے اور یہ علاج جو میں نے صرف صائمہ کا برین واش کرنے کے لئے تجویز کیا تھا وہ صرف چند دن کا تھا، اب آگے تمہیں خود سوچ سمجھ کر اس بچی ثمرہ کو صائمہ سے دور کرنا ہوگا، ورنہ آئندہ مستقبل میں بھی پریشانی رہے گی، کیونکہ اس کی عادت خراب ہو چکی ہے، صائمہ اس کی پہلے بھی مدد کرتی رہی ہے۔"

"اچھا" اس نے اچھا کو کھینچا۔

"جی اب تم نے فوراً تو نہیں لیکن کچھ دنوں میں اس کا کچھ اور بندوبست کر لینا ہے کہ وہ غریب بچی کا روزگار بھی ختم نہ ہو اور تمہارے گھر کی پریشانیاں بھی ختم ہو جائیں، اور اب جو بھی ٹیوٹر رکھو، ان کا بیٹھنے کا اس طرح نظام رکھو کہ ان کی باتیں تم تک پہنچتی رہیں اور وہ پڑھائی بھی کر لیں اور کبھی کبھی ضرورت محسوس کرو تو صائمہ کو لے آیا کرو میں سمجھا دیا کروں گی۔" میں نے انٹر کام بجا کر صائمہ کو بھی اندر بلوا لیا۔

"جی بیٹا اب مما کو تنگ نہیں کرو گی ناں" میں نے بڑے اعتماد سے صائمہ سے پوچھا۔

"ان شاء اللہ نہیں" صائمہ مسکرا دی۔

"ماہ جبین مجھے گڑیا سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے" میں نے کن انکھیوں سے صائمہ کو دیکھا۔

"کبھی لے کر آؤں گی ملوانے" وہ مسکرا دی۔

"میں لے کر آؤں گی" صائمہ بول پڑی تو میں مسکرا دی۔

آج کے زمانے میں بچوں کی تربیت کے لئے تقریباً ہر ماں روتی ہوئی نظر آتی ہے، اگر ہم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرآن کریم اور نبی پاک کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلائے ہوئے طریقے پر بچوں کی تربیت کریں تو ان شاء اللہ بے سکونی سکون میں تبدیل ہو جائے گی، آپ کی باجی فردوس

☆.....☆.....☆

کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں.....

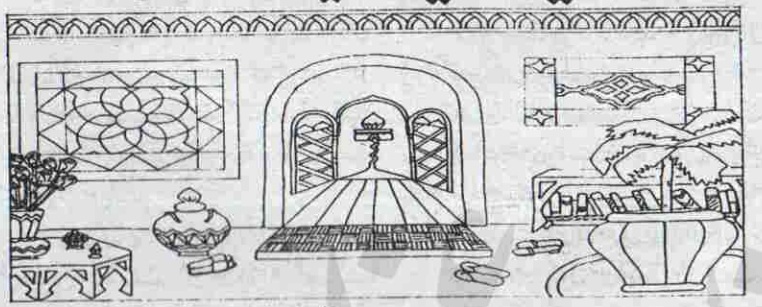

بنت مولانا عبدالمجید قسط نمبر 2

عاکف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اندرون سندھ کے ان دیہاتوں میں پہنچ چکا تھا جو قد آدم تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، وہاں کے رہائشیوں کی حالت اس کٹی پتنگ کی مانند تھی جو خاردار کانٹوں میں الجھ کر جگہ جگہ سے پھٹ چکی ہو، اپنے چہیتوں کی لاشیں پانی کے ریلے میں تیرتے دیکھ کر ان باسیوں کی آنکھیں جو پانی برساتیں، وہ اس پانی سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا جو ان کے لئے پیام اجل بن کر آیا تھا، امدادی قافلے جوق در جوق آ رہے تھے، بعض مقامات پر سرکاری کشتیوں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے متاثرین کو نکال کر محفوظ مقام تک پہنچانے کا عمل بھی شروع ہو چکا تھا، شہر جو اپنی تباہی سے محفوظ تھا، وہاں کی بڑی عمارتیں اور تعلیمی اسکول متاثرین کے نام کئے جا چکے تھے، لیکن ان لٹے پٹے بد نصیبوں کی تعداد اتنی تھی کہ ہنگامی طور پر خالی میدانوں میں کیمپ لگائے گئے جہاں زندگی سے مایوس افراد کو حیات نو کی ہلکی سی کرن نظر آ رہی تھی، امدادی کارکن جب راشن تقسیم کرنا شروع کرتے تو ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا، کئی دنوں کے بھوکے، غموں کے ستائے ہوئے، زخموں سے چور چور اور مستقبل و حال سے مایوس افراد یوں جھپٹتے کہ ایک دوسرے کا ہی نقصان کر دیتے، کارکن چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے کہ انتظار کرو، قطار لگاؤ، سب کو ملے گا لیکن پیٹ کی آگ حواسوں پر چھا جاتی اور دھکم پیل میں نوالے نوالے کو ترستے ہوئے کمزور و معمر افراد تاب نہ لا کر گر پڑتے، امدادی کارکنوں کے لئے یہ مرحلہ سب سے ہی مشکل ہوتا ان میں سے ہر ایک امداد تقسیم کرنے سے گھبراتا تھا۔

تہہ بار سنگ گراں ہے دل
کہ ہے خاک خاک اٹا ہوا
کہیں فرد فرد سے رابطے
کہیں شہر بھر سے کٹا ہوا

کارکنوں کی نظر میں یہ غریب دیہاتی بے وقوف اور احمق سے کم نہ تھے جو ایک پاؤ گندم کے لئے یوں ٹوٹتے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت مل گئی ہو، لیکن انہیں کیا خبر کہ جو بوڑھا اپنا آدھا خاندان پانی کی طغیانی کے حوالے کر آیا ہو، اپنے گھر کی چھت سے لے کر تن کا کپڑا بھی لٹا آیا ہو، جس کی فاقہ کشی نے زخموں سے رستا ہوا خون منجمد کر دیا ہو، جس کا کلیجہ اپنے گھر کی مسکراتی کلیوں کو بلبلاتا ہوا دیکھ کر پھٹنے کے لئے بے تاب ہو اور جس کی نگاہیں مارے بوجھ کے زمین میں گڑ چکی ہوں، ایسا شخص ہر اس آواز کی طرف دیوانہ وار دوڑتا ہے جہاں ننھی سی بھی رمق حیات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میسر ہونے کا امکان ہو، اپنے گھر کے افراد کے سامنے مکافات کرنے کے لئے وہ اپنی جان بھی لٹا سکتا ہے اور جو شخص اپنے منھوں کو کوئی امید دے کر آیا ہو وہ یہ کیسے گوارا کرے گا کہ خالی ہاتھ لوٹ جائے بس یہی احساس متاثرین کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے پر مجبور کرتا اور وہ قانون وقواعد سے بے نیاز لپکتے، جھپٹتے، گرتے، سنبھلتے، چیختے، چلاتے اور روتے پیٹتے مقدر کا ملا حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔

نوجوان کارکن انہیں آداب وقواعد اور اصول و طریقے سمجھاتے رہتے، لیکن ان کی آواز غموں سے نڈھال آہوں میں ہی دبتی چلی جاتیں، پہلے پہل تو متاثرین مجتمع ہوکر سب قوانین ازبر کرتے کہ قطار لگانی ہے، ہاتھ کھڑا کرنا ہے، اپنے گھر کے افراد کے حساب سے راشن لینا ہے لیکن جیسے ہی امداد نظر آتی وہ سب رٹے ہوئے اسباق پاؤں تلے روندتے ہوئے اٹھ کر بھاگ کھڑے ہوتے اور کارکن انہیں منظم رکھنے کی سعی لاحاصل ہی کرتے رہ جاتے اور وہ خود ہی سمجھ جاتے کہ شکم کی آگ اور بے کسی و بے سروسامانی کا لاوا جب بھڑکتا ہے تو اس کی چنگاریاں سب اصول وقواعد کو جلا کر خاکستر کردیتی ہیں۔

انسان کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں، بتدریج وہ اسرار

☆.....☆.....☆

منہل نے اپنی دونوں بھتیجیوں کا پرتپاک استقبال کیا، الہام اور ارقم بھی ان کی آمد سے چہک رہے تھے۔

ارے بہنا آپ نے تو بہت تکلیف کی ہے، حلاحل نے پرتکلف دسترخوان کو دیکھ کر کہا، منہل نے کھانے میں خوب انتظام کیا تھا۔

آیانی تم اتنی خاموش کیوں ہو کچھ کھا بھی نہیں رہی، منہل نے کہا، یہ شاید تھک گئی ہے لمبے سفر کی وجہ سے، عابش نے کہا۔

چلو کھانا کھا کر ریسٹ کرلو، اوکے..... آیانی نے سر ہلایا۔

پھوپھو! تھینک یو آپ نے بہت مزے کا کھانا بنایا ہے اور رائس بہت ٹیسٹی تھے، عابش نے انگلیاں صاف کیں۔

کھانے سے فارغ ہوکر انہوں نے چائے پی اور پھر حلاحل نے گھر جانے کی اجازت چاہی۔

ماموں کچھ دن تو رکیں نا۔

ابھی مجھے جلدی جانا ہے کیونکہ عاکف بھی گھر پر نہیں ہے اور قدسیہ اور بے بی اکیلی ہیں، چھٹیاں ختم ہوتے ہی عابش اور آیانی کو لینے آؤں گا تو طویل قیام کروں گا۔

ٹھیک ہے ماموں، نانی جان اور ممانی کو بھی لائیے گا۔

اوکے بیٹا..... حلاحل نے بچوں کو پیار کیا، منہل کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر بچیوں کی طرف مخاطب ہوکر بولے۔

اچھا تنگ مت کرنا میری بہن کو، ایسا نہ ہو کہ ایک ہفتے سے بھی پہلے فون آئے کہ اپنی شرارتی بلیوں کو واپس لے جاؤ۔ اوہ پاپا..... دیکھنا جب ہم جانے لگیں گے تو یہاں کارواں رواں ہمیں پکارے گا۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو..... میری عزت رکھ لینا، حلاحل نے کہا تو سب ہنس دیئے، سب سے سلام کرکے اور ارغد سے بغلگیر ہوکر وہ گاڑی میں بیٹھے اور رات تک واپس کراچی پہنچ گئے۔

آیانی..... آیانی..... اٹھ جاؤ اب ناشتہ ٹھنڈا ہورہا ہے، منہل اسے کب سے جگا رہی تھی لیکن وہ ہوں، ہاں کرکے دوبارہ بستر میں دبک جاتی۔

صبر ماما میں جگاتا ہوں، ارقم نے کہا اور جھاڑو کا تنکا نکال لایا اور اس کے کان میں ڈالا تو وہ اچھل گئی۔

اسٹوپڈ ارقم..... اس نے سر پر بھی چادر تان لی۔

یہ حربہ کارگر نہ ہوا تو وہ اس کے پاؤں کے نیچے گدگدی کرنے لگا، وہ بھی کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی، اس نے چیختے چلاتے ہوئے پاؤں پسار لئے، ارقم نے بھی ہمت نہ ہاری، وہ مسلسل گدگدی کررہا تھا۔

واہ آیانی، ہمت نسواں مدد خدا، منہل نے دیکھ کر کہا۔

ارے ہٹو..... مجھ سے پوچھو، عابش نے ۲ کمبل آیانی پر ڈالے اور پنکھا بند کرکے باہر نکل گئی۔ وہ سب ناشتہ کرنے چلے گئے اور آیانی جب پسینہ پسینہ ہوئی تو خود ہی اٹھنا پڑا۔

آیانی کبھی میں بھی ایسی تھی، راحل مجھے یوں ہی تنگ کرتا تھا، منہل نے اپنا وقت یاد کیا۔

ہیں ماما..... اب آپ دوبارہ ویسی ہی بن جائیں، میں آپ کو جگایا کروں گا، ارقم نے کہا تو قہقہہ بلند ہوا۔

میں بھی سوچتی ہوں کہ آیانی کی شادی کرنی چاہئے تاکہ یہ بدل جائے، عابش نے کہا تو آیانی اسے غصے سے گھور کر رہ گئی۔

الہام میرے بیگ سے سب سے اوپر والا سوٹ وارڈروب میں رکھ دو، آیانی نے اسے کہا۔

ناشتے کے بعد اسے الہام نے کہا کہ آپ کے کپڑے باتھ روم میں ہیں، آپ نہالیں، تو وہ نہانے چلی گئی۔

نہانے کے بعد اس نے اپنے کپڑے اٹھائے تو دنگ رہ گئی، براؤن جینز کی پینٹ اور بلو کلر کی شرٹ الہام نے اس کے لئے رکھی تھی۔

شاید یہ ارغد پھوپھا کے ہوں، اس نے یہ سوچ کر باتھ روم کے ہر کونے کو چھان لیا، ٹب اور بالٹیاں بھی الٹی کرکے دیکھ لیں، لیکن اس کے کپڑے ہوتے تو ملتے، چار و ناچار وہ وہی کپڑے پہن کر نکلی جو اس نے اتارے تھے، اس کے دل میں الہام کے لئے شدید غصہ تھا، بھلا یہ بھی کوئی مذاق ہے۔

کیا ہوا، نہائی نہیں کیا؟ عابش نے اسے انہی کپڑوں میں آتے دیکھ کر پوچھا۔

میں واپس جارہی ہوں، تایا ابو کو فون کرو، وہ روہانسی ہوکر بولی۔ کیوں؟؟؟ کیا ہوا؟؟ عابش نے اسے حیرت سے دیکھا، منہل بھی اس کی آواز سن کر اندر آئی، الہام نے میرے کپڑوں کے بجائے ارغد پھوپھا کے کپڑے باتھ روم میں رکھ دیئے تھے۔

کہاں ہے یہ الہام! الہام ادھر آؤ ذرا، یہ کیا حرکت کی ہے تم نے، مہمانوں کے ساتھ یوں کرتے ہیں، منہل نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

ماما میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

صفائیاں مت پیش کرنا، تم نے میرے کپڑے کہاں چھپائے ہیں، جلدی بتاؤ۔ آیانی نے کہا تو الہام حیرت سے اسے دیکھے گئی۔ میں نے آپ کے بیگ میں سب سے اوپر والا سوٹ اٹھا کر رکھ دیا تھا، غور سے نہیں دیکھا تھا کہ وہ کس کے کپڑے ہیں۔

تمہارے ابا کے کپڑے میرے بیگ میں کہاں سے آگئے، آیانی نے کہا۔

ہوسکتا ہے آپ پاپا کے لئے گفٹ لائی ہوں، ارقم کے کہنے پر سب بے ساختہ مسکرا دیئے۔

آیانی نے اپنے بیگ کی زپ کھولی تو اندر چار مردانہ جوڑے اس کا منہ چڑا رہے تھے، اس نے بیگ فرش پر الٹا اور حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

آیانی باجی لگتا ہے آپ نے میرے پاپا کے کپڑے چوری کرلئے ہیں۔

اسٹاپ ٹالکنگ ارقم! وہ بے چینی سے بولی۔

عابش نے آگے بڑھ کر کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو بے ساختہ بولی، یہ کپڑے تو عاکف بھیا کے ہیں، آیانی اور عابش حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، جبکہ ارقم اور الہام دیوانہ وار قہقہے لگا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

عاکف دن بھر کا تھکا ہارا جب رات کو کیمپ میں پہنچا تو اس کے کپڑے دن بھر کے گرد و غبار اور کیچڑ سے آلودہ ہوچکے تھے، اس نے کپڑے تبدیل کرنے کا سوچا، اس کیمپ میں ۳ گروپ رہتے تھے، ایک کراچی سے آیا ہوا اور دوسرا راولپنڈی سے جب کہ تیسرا ملتان کا تھا، یہ تمام گروپ امدادی ہی تھے، راولپنڈی کے گروپ کے افراد ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے، جب کہ ملتانیوں کا گروپ اپنے اپنے بستر لگا رہا تھا، کراچی گروپ ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی لوٹا تھا، سو عاکف کپڑے تبدیل کرنے کے لئے بیگ کے قریب گیا، اس نے زپ کھولی تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اس نے کئی بار دیکھا یہ بیگ اس کے گھر کا ہی تھا، اس نے تسلی کے لئے اپنے ساتھی کو آواز دی، عمران یار یہ کس کا بیگ ہے؟؟

تمہارا ہی ہے..... اپنا بیگ بھی بھول گئے ہو۔

لیکن..... لیکن..... اس میں..... میرا سامان تو نہیں ہے۔

کیوں، کس کا سامان ہے؟؟ عمران نے پوچھا اور آس پاس کے دیگر لڑکے بھی متوجہ ہو گئے۔

عاکف تو مارے حیرت کے بیگ کو ہاتھ بھی نہیں لگا رہا تھا، عمران نے آگے بڑھ کر خود ہی اس کے بیگ میں ہاتھ ڈال کر سامان نکالنا شروع کیا..... واؤ یار شیمپو، لوشن، واہ واہ جیولری، اور یہ نفیس کپڑے..... عمران ایک ایک چیز اٹھا اٹھا کر باہر رکھتا جا رہا تھا اور سب حیرت کا بت بنے بیٹھے تھے۔

یار کسی لیڈی کے گھر چھاپہ تو نہیں مارا، کسی ایک نے کہا۔ یہ بیگ تو عمرو عیار کی زنبیل لگ رہا ہے، قیمتی چیزیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی، عبدالرحیم نے بھی حیرت سے کہا، یہ کیا معمہ ہے یار! عاکف ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

بیگ تیرا، معمہ میں بتاؤں!! عمران نے اسے آنکھیں دکھائی۔

دن بھر کے تھکے ہارے لڑکے اس معمے کو نہ سمجھتے ہوئے بستروں پر دراز ہو گئے، لیکن عاکف جوں کا توں ہی بیٹھا تھا کہ اس نے دیکھا ملتان گروپ کے لیڈر اس کی طرف آ رہے تھے، وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، کیونکہ وہ شکل سے بہت وجیہہ اور بردبار تھے، گروپ کے لڑکے انہیں مولانا صاحب کہہ کر پکارتے تھے اس لئے عاکف نے بھی ان کا احترام کیا۔

پریشان لگ رہے ہو بھائی!

جی..... کچھ نہیں.....! اس نے مختصر سا جواب دیا۔

مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا بیگ گم ہو گیا ہے اور آپ پریشان ہیں، پریشانی اور فکر کی بات نہیں ہے، ان شاء اللہ آپ کا بیگ مل جائے گا، رات کا وقت ہے، اس لئے اندھیرے میں ادھر ادھر ہو گیا ہو گا، انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

جی مگر میرے پاس ابھی تبدیل کرنے کے لئے کوئی لباس نہیں، اور یہ کپڑے بہت گندے ہو گئے ہیں، عاکف کے لہجے سے پریشانی واضح تھی۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے کپڑے پہن لیں، میرے پاس زائد کپڑے ہیں، انہوں نے اتنے خلوص سے کہا کہ عاکف انکار نہ کر سکا اور ضرورت نے اس سے خود ہی اثبات کروا دیا۔

جب وہ اپنے کپڑے لے کر آئے تو عاکف کے بدن پر ایک جھرجھری سی آئی، سفید کرتہ، شلوار اس نے تو کبھی زندگی میں ایسا لباس زیب تن نہیں کیا تھا، وہ اس کے انداز سے سمجھ گئے اور مسکرا کر بولے، مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو یہ لباس پسند نہیں آئے گا، لیکن میرے پاس یہ ہی ہے، آپ کے پہننے سے مجھے خوشی ہو گی۔

عاکف نے تذبذب میں کپڑے اٹھا لئے، کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے اپنے سراپے پر ایک نظر ڈالی تو شرما گیا، ڈھیلا ڈھالا اس کے بدن پر لہراتا ہوا کرتہ اور کھلی سی شلوار اسے عجیب سی لگ رہی تھی، وہ تو ہمیشہ سے جینز اور شرٹ کا عادی تھا، لیکن مجبوری نے اسے یہ لباس پہنا دیا تھا۔

ماشاء اللہ! ماشاء اللہ، آپ تو بہت خوبصورت لگ رہے ہیں، آپ ایسے کپڑے ہی پہنا کریں، انہوں نے اسے دیکھ کر کہا۔

جی بالکل، آپ تو میرے بھائی لگ رہے ہیں، کل سے سب مجھے مولانا صاحب کہیں گے، عاکف نے ہنس کر کہا تو وہ کہنے لگے۔

ان شاء اللہ، اللہ آپ کو بھی مولانا بنا دے گا، چلیں ٹھیک ہے آپ آج سے میرے بھائی ہیں، کیونکہ میرا

کوئی بھائی نہیں۔

اچھا، واہ..... یہ تو بہت اچھا ہوا، کیونکہ میرا بھی کوئی بھائی نہیں ہے، عاکف کے کہنے پر انہوں نے اس کی طرف مصافحہ کے لئے گرمجوشی سے ہاتھ بڑھایا، ٹھیک ہے پھر دونوں بھائی بن گئے..... عاکف نے بھی ان کا ہاتھ تھام لیا اور پھر بے اختیار بولا..... کیا میں اپنے بھائی کا نام جان سکتا ہوں؟

بالکل..... میں جنذب نوشیروان ہوں اور آپ؟

میں عاکف حلاحل ہوں۔

ماشاء اللہ..... پیارا نام ہے اور پھر کچھ دیر بات چیت کے بعد مولانا جنذب اپنے بستر کی طرف چلے گئے اور عاکف اپنے بستر پر چلا گیا اور دونوں جلد ہی سو گئے۔

☆.....☆.....☆

منہل اگلے دن آیانی کو لے کر حیدرآباد کے بازاروں میں گھومتی پھر رہی تھی، اس نے آیانی کے لئے ریڈی میڈ کپڑے خریدے اور اس کی خواہش کی تمام چیزیں اسے دلا دیں، جب وہ گھر لوٹیں تو خوب تھک چکی تھیں، اندر داخل ہوتے ہی ارقم نے اسی کے ہاتھ پر جھپٹا مارا اور ایک تھیلا کھینچ کر بولا..... میرے لئے کیا ہے؟

تمہارے لئے ساڑھی لائی ہوں؟

ساڑھی..... بھلا میں ساڑھی میں اچھا لگوں گا؟؟ اور یہ تو عورتوں کے کپڑے ہیں، الہام کو دے دینا، ارقم نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

جب تم لوگ مجھے پہننے کے لئے جینز دے سکتے ہو تو کیا میں تمہیں ساڑھی نہیں دے سکتی؟ آیانی نے کہا تو ارقم کو دوبارہ گزشتہ کل کی ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

بس بھی کرو ارقم! منہل نے اسے تنبیہ کی تو اس نے بمشکل خود پر کنٹرول کیا، سچ سچ بتائیں، اس دن کیا کہانی ہوئی تھی؟

بس کرو، آیانی نے اس کے سر پر تھپڑ مارا، ارقم اسی کا مذاق اڑا رہا تھا اور آیانی نے اس کا بدلہ لینے کے لئے ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرا اور بولی، کرلو، کرلو، میں معاف کرنے والی نہیں ہوں، دیکھنا آیانی کہیں وہی بدلہ نہ ہو جائے جو عاکف سے لیا تھا، عابش کے کہنے پر آیانی خجل سی ہو گئی۔

عابش بھائی بتائیں نا کیا ہوا تھا، کیا بدلہ تھا؟ ارقم نے عابش کا دامن پکڑ لیا، وہ اس کی مسلسل منتیں کر رہا تھا، بالآخر عابش کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور اس نے وہ کہانی بھی سنا دی، اب تو کمرہ کشتِ زعفران بن گیا، الہام تو ہنستے ہنستے صوفے پر گر گئی جبکہ آیانی نے اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے قریب پڑا ناول اٹھا لیا۔

آیانی ایبا! آپ نے مجھ سے بھی ایسا بدلہ لینے کی تو نہیں ٹھان لی، کتنا مزہ آئے گا جب آپ مجھے ایسی چاکلیٹ دیں جو آپ کے لئے ہی وبال جان بن جائے۔

دیکھ لیں گے بچے، دیکھ لیں گے..... ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے، جب میں اپنے مزاج میں ہوں تو آنا میرے سامنے..... آیانی نے شاہانہ مزاج سے کہا۔

چیلنج او کے..... ارقم نے اچھل کر کہا اور چیلنج چیلنج کہتے ہوئے باہر نکل گیا، اس کا دماغ اب آیانی کے ساتھ کوئی مسخرہ پن کرنے کا سوچ رہا تھا جبکہ آیانی، عابش سے کہہ رہی تھی کہ اس کے شر سے مجھے بچا لو۔

☆.....☆.....☆

اوئے تو خواب میں عالم بالا کی سیر کر کے آیا ہے کیا؟؟ صبح عاکف کو اسی نئے روپ میں دیکھ کر اس کے دوست نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

لازمی نہیں ہے کہ شریف بننے کے لئے عالم بالا کی سیر کرنی پڑے بلکہ کبھی کبھی اللہ دنیا میں بھی فرشتوں کو بھیج دیتے ہیں، عاکف نے طمانیت سے کہا۔

امیزنگ، صاف بول یار کہ مجبوری کا نام شکریہ!! عمران کے کہنے پر اس کے گروپ کے لڑکے ہنس پڑے، ان سب کے لئے عاکف ان کپڑوں میں بالکل نیا نیا سا تھا جبکہ عاکف خود بھی اپنے حلیے پر کچھ جھجک رہا تھا۔

السلام علیکم! مولانا جنذب ان کی طرف آئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وعلیکم السلام..... ان کو دیکھ کر اس کے ساتھی سمجھ گئے کہ یہ ان کے کپڑے ہی ہیں۔

راشد نے ہلکی سی سرگوشی کی کہ مولوی کا سایہ پڑ گیا بیچارے پر، اب تو خدا خیر کرے، جسے مولانا جندب نے سن تو لیا لیکن ظاہر نہ ہونے دیا۔

بھائیو! آپ نے ناشتہ کرلیا ہوگا یقیناً؟..... وہ مٹھاس بھرے لہجے میں بولے۔

جی نہیں، ابھی کریں گے۔

ناشتہ کیا ہے یار..... شور بے جیسی چائے ہے اور روکھے پھیکے پاپے، بڑی مشکل سے حلق سے اترتے ہیں، راشد نے تیوری چڑھا کر کہا، تو مولانا جندب کے چہرے پر ناگواری کا واضح تاثر ابھرا، لیکن وہ بمشکل لہجہ نرم کرتے ہوئے بولے۔

اللہ کا صد احسان ہے میرے بھائی کہ ہمیں یہ بھی میسر ہے، کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بے سروسامانی کی حالت ہے ان کی، اللہ سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ہمیں بھی ایسی آزمائش میں نہ ڈال دے، اللہ کی ناشکری سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آتی ہے، آپ نے اگر مقام عبرت پر پہنچ کر بھی عبرت حاصل نہیں کی تو اپنے انجام کی فکر کریں، یقیناً یہ لوگ بھی اپنے گھروں میں عیش وعشرت میں ہوں گے، کبھی شاید انہوں نے ٹھنڈا سالن بھی نہ کھایا ہوگا لیکن آج باسی لقمے کے لئے بھی جھگڑ رہے ہیں، یہ تو وہ دن ہیں جنہیں اللہ لوگوں کے درمیان پھیرتا رہتا ہے، وہ ذات کبھی دے کر آزماتی ہے اور کبھی لے کر آزماتی ہے، اگر اللہ کا شکر ادا کریں گے تو اللہ آپ کو اس سے زیادہ دے گا اور اگر ناشکری کریں گے تو اس کی ناراضگی کے ساتھ ساتھ نعمتوں میں تنقیص کا بھی اندیشہ ہے۔

مولانا جندب کہہ کر رکے تو سب لڑکے اثبات میں سر ہلانے لگے اور راشد نے اپنا سر جھکا لیا۔

مولانا آپ محسوس نہ کریں۔ یہ مذاق کر رہا تھا، ہم بالکل اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس حال میں رکھا ہوا ہے، ایک آواز پر مولانا مسکرائے۔

آپ کیسا شکر ادا کرتے ہیں میرے بھائی..... شکر تو یہ ہے کہ مالک کائنات کی نعمتوں سے جائز اور بھرپور فائدہ اٹھانے کے بعد اس کی بارگاہ میں سربسجود ہوا جائے، اس کی نعمتوں کا سب سے بڑا شکر تو یہ ہی ہے کہ ہم نماز پڑھیں، اس کی اطاعت کریں اور کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ میں سے آج صبح کون کون اس کے دربار میں حاضر ہوا ہے، یہ شکر ادا کرنے کے لئے کہ اس نے آپ کو ایک دن کی اور زندگی عافیت کے ساتھ عطا کی؟ مولانا جندب کے کہنے پر سب کے سر جھک گئے اور دیر تک طویل خاموشی رہی، آخر وہ خود ہی گویا ہوئے۔

میرے بھائیو..... یہ مت سمجھنا کہ ہمارے پاس کثیر وقت ہے، ہم یہ نہ سمجھیں کہ بڑھاپے میں توبہ کرلیں گے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم موت سے بے حد قریب ہیں، وہی پانی کا ریلہ جو کل تک اس سندھ کے آدھے نوجوانوں کو بہا کر لے گیا، وہی ریلہ ہمارے سروں پر موجود ہے، اس پانی کو ٹھہرا ہوا مت سمجھنا، ہماری سرکشی دیکھ کر کہیں اس میں طغیانی نہ آجائے اور ہم اپنے قدموں پر بھی کھڑے نہ رہ سکیں، کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں ان نوجوان لاشوں کو جو کل سے پانی میں بے یار ومددگار تیر رہی ہیں، کیا آپ کو یقین ہے کہ اگر یہ ریلہ ہم پر آجائے تو ہم توبہ کریں گے؟؟

مولانا جندب کی جوشیلی آواز نے ان سب کے دلوں کو ہلا دیا اور سب سے پہلے عاکف بولا:

بھائی صاحب ہمیں معاف کردیں، آج سے ہم سب باقاعدہ نماز پڑھیں گے اور اپنے گناہوں سے توبہ کریں گے۔

ان شاء اللہ!! سب نے با آواز بلند کہا۔

مجھ سے معافی نہیں مانگیں، ٹھیک ہے۔

جی بالکل، ہم آپ کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں، راشد نے کہا تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور بولے۔

تو آپ پر بھی مولویت کا سایہ پڑ گیا..... اور راشد

نے خفت سے نظریں جھکالیں، وہ اس کی شرمندگی مٹانے کے لئے مسکرا کر بولے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

☆.....☆.....☆

وہی لڑکے جو کل تلک متاثرین کو غیر منظم افراد اور بد تہذیب دیہاتی کہتے تھے، آج ان پر شفقت اور ترحم کی نظریں ڈال رہے تھے، یہ سب مولانا جندب کی محنت تھی، انہوں نے اپنی پرسوز آواز سے سب کے دلوں کو موہ لیا تھا، متاثرین ہوں یا امدادی کارکن، وہ ہر ایک کے دل کی آواز بن گئے تھے، ان کی بات ماننا سب اپنی سعادت سمجھتے تھے، وہ اپنی اقتداء میں سب کو نماز پڑھاتے اور پھر 2 گھنٹے کا ایمان افروز درس دیتے، جس نے سب میں روحِ ایمانی پھونک دی تھی، امدادی کارکن زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے اور مولانا جندب مسکرا کر فرماتے:

"بھائی آپ لوگ ان کا جسمانی علاج کریں اور میں تو روحانی علاج کیا کروں گا" انہوں نے چھوٹے بچوں اور مردوں کو تجوید کے ساتھ قرآن مجید اور دین کی بنیادی معلومات سے آراستہ کرنا شروع کردیا تھا، عاکف ان کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتا، اسے وہ عین شباب کے نوجوان نظر آتے، گھنی داڑھی، باریک ہونٹوں سے موتیوں کی مانند چمکتے ہوئے دانت، سرخ وسفید رنگت، کشادہ پیشانی اور گہری فراست افروز آنکھیں، دراز قد وقامت کہیں سے بھی ان میں حسن کی کمی نہ تھی، پھر کیا چیز تھی کہ اتنا حسین اور باصلاحیت ہونے کے باوجود وہ دنیا کی رنگارنگی اور ان فتنوں سے کوسوں دور تھے جو آج کے نوجوان کے لئے فرض کا درجہ رکھتے ہیں، وہ یقیناً ایمان اور دین کی روشن کرن تھی جو ان کے سینے میں جل رہی تھی اور اس کا نور ان کے چہرے سے چھلکتا تھا، اس کا دل بے اختیار چاہتا کہ وہ بھی ان کے جیسا بن جائے، یہ خیال صرف عاکف کا ہی تھیں ہوتا بلکہ ہر اس شخص کا ہوتا جو ان سے ایک بار مل لیتا۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کارکن جو امداد لائے تھے وہ تقریباً ختم ہونے کی تھی، جبکہ یہاں کے لوگوں کی ضروریات اس قدر تھی کہ انہیں مزید شدید اور فوری امداد کی ضرورت تھی، کارکن پورا دن بستی بستی گھومتے اور انہیں امداد دیتے، جن دیہاتوں میں پانی کچھ اتر گیا تھا وہاں کے لوگ واپس اپنی زمینوں پر جانے کو ترجیح دے رہے تھے اگرچہ وہاں کچھ بھی نہیں بچا تھا، لیکن وہ لوگ کیمپوں اور عمارتوں کی زندگی سے بیزار تھے، مولانا جندب اور چند بااثر کارکنان نے اپنے اپنے شہروں میں فون کرکے مزید امداد کا مطالبہ کیا اور کئی ویلفیئر ٹرسٹ اور فاؤنڈیشن اداروں نے مزید امداد بھیجنے کا کہا، امداد پہنچنے میں 2 سے 3 روز لگ سکتے تھے، لہٰذا کارکن حضرات موجودہ اشیاء کو نہایت کفایت شعاری سے استعمال اور تقسیم کررہے تھے کہ مبادا ختم ہونے کی صورت میں متاثرین پر گراں نہ گزرے، شام کا وقت تھا، مولانا جندب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک خیمے میں مریض بوڑھے کی عیادت کرکے لوٹ رہے تھے کہ انہیں خیموں کے عقبی جانب بڑی گاڑی رکنے کی آواز آئی، انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک خاص وردی میں ملبوس افراد کا غول گاڑی سے اترتا دکھائی دیا، ایک دوسری گاڑی امداد اور اعلیٰ خوراک ولباس سے بھری ہوئی تھی، گاڑی سے اترنے والے افراد نے اپنی رہائش کے لئے میدان کے جنوبی کنارے پر موزوں جگہ دیکھ کر خیمہ تصیب کرنا شروع کردیا، انہیں دیکھ کر مولانا جندب کے ماتھے پر تفکر کی واضح لکیریں ابھریں اور وہ بے ساختہ دھیمی آواز میں خود سے گویا ہوئے..... "ایمان کے دشمن، دین کے لٹیرے، اور مسلمانوں کے تقدس سے کھیلنے والے ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے آگئے۔" ان کے بڑبڑانے پر ان کے ساتھیوں نے چونک کر انہیں دیکھا تو ان کا چہرہ شدت غضب سے سرخ ہو رہا تھا..... (جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

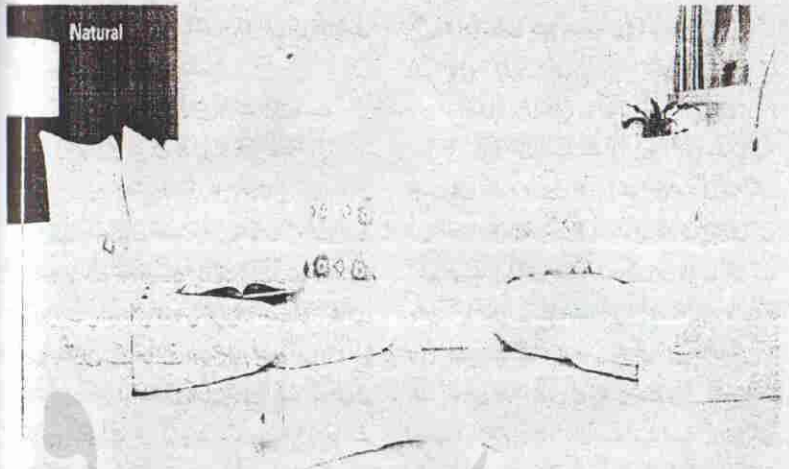

معجزہ

تبسم محسن علوی

یوں تو خونی رشتے ناطے رحمت خداوندی ہوتے ہیں، مگر جب یہ رشتے اپنی تمام محبتوں اور خلوص کو کھو کر بے رحم بے وفا بن جائیں، تو پھر یہ رشتے عذاب بن جاتے ہیں، میں نے غربت وافلاس کی رداوڑھے، دو بیٹوں، تین بیٹیوں کو جنم دے کر پروان چڑھایا، میرے شوہر بے پناہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے جلد ہی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھے، کئی بیماریوں میں مبتلا ہو کر بھری جوانی میں مجھے بیوہ کر گئے، پھر ان پانچ بچوں کو بڑی محنت و مشقت سے پال و پوس کر جوان کیا اور ان کی قسمتوں کے مطابق ان کی شادیاں کیں، دونوں لڑکوں نے بھی شادی کے بعد مجھ بڑھیا کو تنہا چھوڑ کر الگ الگ گھر بسالئے، مگر دونوں ہی میرے خرچے کے لئے کچھ نہ کچھ دے جاتے، محنت ومزدوری کرتے کرتے میرے بوڑھے جسم کو ذرا ستانے کا موقع ملا، مگر شاید قسمت بنانے والے نے میری قسمت میں آرام لکھا ہی نہیں، جب ہی تھوڑے عرصے میں میرے لاغر ناتواں کندھوں پر ننھی منی مریم کا بوجھ آ گیا۔ یہ میری پوتی میرے بڑے بیٹے بہو کے درمیان ہونے والی طلاق کی وجہ سے لاوارث ہو کر میری گود میں آ گئی اور وہ دونوں اپنی اپنی پسند کی شادیاں کر کے اپنی زندگیوں میں ایسے مگن ہوئے کہ کبھی بھولے سے بھی اس ننھی سی گڑیا کی یاد نہ آئی، میری بوڑھی ہڈیوں نے اس معصوم کی پرورش شروع کی، اللہ نے اس کو حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت ذہانت سے بھی نوازا، بہت حساس طبیعت کی مالک، مریم میری قربت میں بہت خوش رہتی، وہ ہر لحہ ہر پل میری مشکور رہتی کہ میں نے ماں باپ کے ہوتے ہوئے اس بے سہارا کو سہارا دیا، اسے تحفظ دیا، دنیا کے اس جنگل میں اسے بھٹکنے سے

بچالیا، وقت تو پر لگا کر اڑنے لگا، دن مہینوں میں اور مہینے سال میں بدلنے لگے اور مریم دھیرے دھیرے شعور کی منزل پر پہنچ گئی، اس کی جوانی مجھے اور بوڑھا کر گئی، اب تو مجھے اس کا گھر بسانے کی فکر ہوئی، دس جماعتوں سے زیادہ پڑھانے کی مجھ میں ہمت بھی نہ تھی، میں نے ایک مناسب رشتے پر حامی بھی بھرلی، عید کے چاند پر شادی طے ہوگئی، بڑے بیٹے کو بلا کر یہ خوشخبری سنائی اور اس کو اچھی طرح رخصت کرنے کے لئے باراتیوں کے کھانے اور جہیز وغیرہ کے لئے کہا، کیوں کہ لڑکے والے اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے، اس لئے میری خواہش تھی، میری پوتی ذرا قرینے سے رخصت ہو، مگر میرے بیٹے کے رویے نے تو مجھے بے پناہ اذیت میں مبتلا کر دیا، اس نے ایک پیسہ بھی دینے سے انکار کر دیا، میرے چار اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان ہی کی دال روٹی کے لئے مجھے کتنی جان مارنی پڑتی ہے، یہ جہیز وہیز میرے کھاتے میں کیوں ڈال رہی ہو، لڑکے والے سے کہہ دو لاوارث بچی ہے، ایسے ہی لے جائیں..... میں ٹھرا کر رہ گئی، بے یقینی اور صدمے سے میں بے حال، میں وہیں چارپائی پر ڈھیر ہوگئی، زمین و آسمان سب ہی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے، کچھ ہوش میں آئی تو اپنے اوپر مریم کے وجود کو پایا، پیاری اماں بی مجھے شادی وادی نہیں کرنی، بس آپ کی چھاؤں میں رہنا ہے، میری اچھی اماں بی، میری وجہ سے آپ نہ پریشان ہوں، آپ کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی، میں تو ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ یتیم، ویسے ہی رہی، مجھے تو کوئی خوشی نہیں چاہئے، کچھ بھی نہیں چاہئے، اس کی ڈبڈبائی آنکھیں لہجے کی دل گیری، دلسوزی میرے دل کو زخمی کئے جا رہی تھی، میں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کو اپنے سینے سے بھینچ لیا، نہیں میری بیٹی، تو میرے ہوتے ہوئے نہ یتیم ہے، نہ بسیر، میں تیری ماں بھی ہوں اور باپ بھی، میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی، میری خواہش تھی کہ جلد سے جلد اس معصوم ومظلوم بچی کو جلد سے جلد بیاہ دوں، کچھ دنوں بعد ہی رمضان کی آمد تھی، میری خواہش یہی تھی کہ عید کے چاند کے ساتویں دن اس کا نکاح پڑھوا کر رخصت کر دوں، اپنے دوسرے بیٹے اور لڑکیوں سے بھی مدد کے لئے کہا، لیکن جب سگا باپ ہی صاف انکار کر گیا تھا اور لوگ کیا کرتے، وہ بھی جب سب ہی مفلسی کے مارے ہوں، رمضان المبارک کی مقدس و پرنور ساعتیں شروع ہوئیں تو ہر لمحے مریم کے جہیز کے لئے اس کے مستقبل کے لئے رو رو کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں، مریم نے تو جیسے چپ کا روزہ ہی رکھ لیا ہو، پوری پوری رات وہ عبادت میں مصروف رہتی، تلاوت کلام پاک لمبے لمبے سجدوں میں پڑتی، اپنے رب سے راز ونیاز مصروف رہتی، ۲۱ ویں شب مبارک کی پرتقدس لمحات پل پل کر کے بیت رہے تھے، میں اپنے کچے صحن کے بیچ پڑی چارپائی پر پڑی تسبیح وتہلیل میں مصروف تھی اور قریب ہی بچھی جا نماز پر مریم نوافل میں مصروف تھی، آسمان کا چاند پوری آب تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، چاندکی سنہری سنہری کرنیں ہولے ہولے ہوا کے سنگ سنگ جیسے اللہ کی حمد وثنا میں مصروف تھیں، چار سو پرنور سکوت چھایا ہوا تھا، میرے کانوں پر مریم کی سرگوشیاں ہلچل مچانے لگی، اے رب ذوالجلال تو نے جو دیا، زندگی میں راضی برضا رہی، تقدیر میں ماں کی ممتا، باپ کی شفقت سے محروم رکھا، پھر بھی تیرا شکر ہے، تیرے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا، اب بھی تیرے ہی سامنے خالی دامن پھیلائے فقیر بنی کھڑی ہوں، میری دادی کی مشکل کو آسان کر دے، تو اپنی قدرت وعظمت سے کن فیکون کہہ کر میرے جہیز کے مسئلے کو حل کر دے، اگر تجھے میری کوئی بھی نیکی نہ بھائے تو میری دادی کے بڑھاپے پر ترس کھا کر غیب سے مدد فرما، ہمارے ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھوں کو اپنی مخلوق کے آگے پھیلنے سے بچائے رکھنا، لمحہ لمحہ ٹوٹتی بکھرتی امیدوں کو اپنی عظیم سخاوت سے پورا کردے، بتا اگر تو بھی عطا نہ کرے گا تو ہم غریبوں کو کون عطا کرے گا، ہم صرف تیرا ہی در تھامے کھڑے ہیں، اے رب کریم، ہماری مدد فرما، اپنی شان وعظمت دکھادے، میرے مولا، نہ جانے کب تک وہ معصوم اپنے رب کے آگے سجدہ ریز، اس کی ہر نکلتی سسکتی دعا پر میرے لبوں سے آمین نکلتی رہی، ۲۷ ویں جلیل القدر شب کی بات ہے کہ بعد تراویح میرے ٹین کے دروازے پر دستک ہوئی، تین بار دستکوں کے بعد باہر جھانک کر دیکھا تو ایک شخص کھڑا کہہ رہا ہے کہ حاجی صاحب نے کچھ سامان بھجوایا ہے، نہیں بھائی، میں کسی حاجی صاحب کو نہیں جانتی، میں نے صاف انکار کر کے پلٹ آئی، پانچ منٹ بعد ہی پھر دستک ہوئی، میں چادر اوڑھے باہر نکل آئی، اماں کیا آپ کے گھر میں کسی بچی کی شادی ہے؟ ہاں، مگر..... اماں یہ سامان حاجی صاحب نے اسی کے لئے بھجوایا ہے، اس نے سامنے کھڑے سامان سے بھرے ہوئے ٹرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ لیکن بیٹا میں تو کسی حاجی صاحب کو نہیں جانتی، اماں حاجی صاحب نے اپنے بارے میں کچھ بتانے کے لئے سختی سے منع کیا ہے، ان کو خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ آپ کے گھر میں یہ سامان پہنچادیا جائے، وہ بھی رات کے اندھیرے میں یہ بچی کا جہیز رکھ لیجئے اور سمجھئے کہ اللہ بزرگ برتر نے غیب سے بھیجا ہے۔ میں تو حیرت کے سمندر غوطے کھاتے ہوئے اللہ کی قدرت وعظمت کے معجزے کو دیکھتی ہی رہ گئی، فریج، واشنگ مشین، سلائی مشین، جوسر بلینڈر، بیڈ روم فرنیچر، بڑے سے بکسے میں بیس جوڑے کپڑے، تین زیور کے سیٹ، میرے تنگ تاریک کوارٹر میں اتنا سامان کہاں سماتا، کچھ پڑوسیوں کے گھر رکھوا کر جب میں گھر میں داخل ہوئی تو مریم حیران پریشان سامان کو تکے جارہی تھی، اماں یہ، اتنا زیادہ سامان کہاں سے آیا، بیٹی جس اللہ سے تو نے مانگا تھا اسی نے بھیجا ہے، جا کے اس کے آگے خلوص دل سے سجدہ ریز ہوجا۔

☆.....☆.....☆

انسانی جسم کی مثال

جو دن آج ہماری زندگی میں غروب ہوا، یہ لوٹ کے دوبارہ طلوع نہیں ہوسکتا، یہ دن گزر گیا، اب جو دن باقی ہیں، وہ گزریں گے اور بالآخر زندگی گزر جائے گی، انسان یہی سوچتا رہتا ہے، جب پوچھتے ہیں ایک دوسرے سے کہ کیا حال ہے، وقت اچھا گزر رہا ہے؟ ہم یہی کہتے ہیں کہ وقت اچھا گزر رہا ہے اور موت کے وقت پتہ چلے گا کہ وقت نے تو کیا گزرنا تھا، میں خود ہی گزر گیا، ہم جیسے کئی آئے اور گزر گئے، اس لئے کسی عارف نے کہا کہ بے کار انسان سے تو مردہ زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ مردہ کم جگہ گھیرتا ہے، بیکار انسان زیادہ جگہ گھیرتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جو پانی کھڑا ہوتا ہے، اس میں کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں، جس طرح کھڑے پانی کے اندر کیڑے جنم لے لیتے ہیں، اسی طرح فارغ ذہن کے اندر مذموم خیالات جنم لے لیتے ہیں، جو شخص اپنے دل و دماغ کو اللہ کی طرف متوجہ نہیں کرے گا، شیطانی شہوانی نفسانی خیالات خود بخود اس کے ذہن میں آئیں گے۔

(انتخاب:.....آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

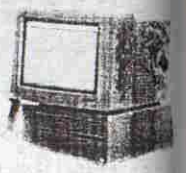

ٹی وی سے انٹرویو

یاسمین سردار

سوال: یوں تو آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں، لیکن پھر بھی آپ کا تعارف، تاریخ پیدائش، ابتدائی حالات؟

جواب: مجھے تخلیق کیا، فلیو فرنسوتھ نے 1927ء میں جب وہ چودہ سال کا تھا، ابتدائی حالت اس سے بھی پہلے کے ہیں، 1884ء میں پول ٹکپر نے اسکیننگ ڈسک کی شکل میں بنایا، اس کو فلیو نے جدت دی، فلیو کا شمار نائم میگزین نے بیسویں صدی کے سو بڑے سائنس دان اور مفکرین میں کیا ہے، وہ مجھے اپنی ملکیت تصور کرتا تھا، لیکن عالمی حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ 1949ء میں استفادۂ عام پر آمادہ ہوا۔

سوال: آپ اپنے کردار پر کچھ روشنی ڈالیں، مصروفیات ومشاغل کیا ہیں؟

جواب: میں بظاہر ایک مشین ہوں، لیکن اتنی طاقتور ہوں کہ میں نے دنیا کو ایک گاؤں بنا کر قریب کردیا ہے، میں جس طرح سے چاہوں حالات وواقعات کو شکل دے کر پیش کردوں، ملمع سازی میرا مشغلہ ہے، میرے بغیر لوگوں کا رہنا مشکل ہے، روٹی اور تعلیم کہیں ہو نہ ہو، میں آپ کو ہر جگہ نظر آؤں گا، بقول مستنصر حسین تارڑ بے کہ! ''وقوف بنانے کا آلہ ہوں۔''

سوال: آج کل آپ کو کنٹرول کون کررہا ہے؟

جواب: یہودی لابی کا میرے اوپر اختیار آج کل انہی کا ہے، وہ جیسے چاہتے ہیں، مجھے استعمال کرتے ہیں اور پوری دنیا کو اپنی مرضی کی چیز دکھاتے ہیں۔

سوال: کیا یہ آپ کا ایک نقصان نہیں کہ جو نشر کیا جاتا ہے، وہ سب لوگ دیکھنے پر مجبور ہیں، ایک عام شخص بھی اور ایک خاص آدمی بھی؟

جواب: بھئی جو نہ دیکھنا چاہے نہ دیکھے.....! ویسے ہر طبقۂ عمر وفکر مجھے دلچسپی سے دیکھتا ہے، میں بچوں بڑوں کا دل بہلاتا ہوں۔

سوال: اچانک کوئی نامناسب سین آجائے تو کیا ایسا نہیں کہ پھر پروگرام کے شروع اور آخر میں میوزک، فحش اشتہارات، بے مقصد ڈرامے دیکھنے والے کو بے حس بنارہے ہیں؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ میرے ذریعے ہر اَن پڑھ اور پڑھے لکھے کو کتنی معلومات مل جاتی ہے، علمی پروگرامز کے ذریعے نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ وہ بصری اثرات قوی ہونے کے باعث ذہن پر نقش ہوجاتی ہے۔ ماضی سے آگاہی اور مستقبل کی تیاری ہوتی ہے۔ دنیا کی قوموں کے کلچر سے واقفیت اتنے آسان اور سستے ذریعے ہی سے ہوجاتی ہے اور تو اور پوری دنیا کی سیر بغیر وسائل اور وقت کے خرچ کے ہوجاتی ہے۔

سوال: یہ تو نہیں کہ وقت کے خرچ کے بغیر نہ کیا ایسا نہیں کہ ٹی وی کے سامنے بیٹھنے سے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا اور وقت بہت ضائع بھی ہوجاتا ہے؟

جواب: اس سے مجھے انکار نہیں، لیکن فوائد اپنی جگہ، اتنا موثر ہتھیار ہوں جو بات پہنچانا، جو رائے بنانا چاہے، مجھ سے فائدہ اٹھائے، میں آپ کی معلومات کے بارے میں بتارہا تھا، ڈائنوسار کے بارے میں کتابوں میں پڑھ کر اتنا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا، جتنا ٹی وی میں دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے، جدید معلومات، جلد بہم پہنچانے کا ذریعہ ہوں، برمودہ ٹرائی اینگل کے بارے میں واقفیت، سیاروں کی کیفیت و حرکات کا اندازہ آپ بہتر انداز سے ٹی وی دیکھ کر ہی کرسکتے ہیں، مشاہدہ مطالعہ کی بہ نسبت مضبوط ذریعہ ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوال: آپ کے خیال میں آپ کا اور کوئی فائدہ؟

جواب: کیوں نہیں، فائدے بہت ہیں، اصلاحی ڈراموں کے ذریعے معاشرتی اقدار کی منتقلی ہوتی ہے، بچوں کے اندر ذخیرہ الفاظ بڑھتا ہے، الفاظ کا استعمال جانتے ہیں، ان کا تلفظ بہتر ہوتا ہے، معاشرتی مسائل اور ان کے حل سے واقف ہوتے ہیں، اقدار کی منتقلی اور ملی شعور پیدا کر کے یکجہتی پیدا کرتا ہوں، اسلام کی تبلیغ کا موثر ذریعہ ہوں، بے شمار لوگ مجھے دیکھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔

سوال: میرے خیال میں تو آج کل تلفظ صحیح نہیں ہوتا بلکہ خراب ہوتا ہے، مزاحیہ اور بے ہنگم ڈرامے نہ صرف تلفظ کی خرابی بلکہ اقدار کی پامالی کا سبب بھی بن رہے ہیں، آپ بچوں کی بات کر رہے ہیں، بچے تو بہت بگڑ رہے ہیں؟

جواب: والدین کی ذمہ داری ہے توازن قائم کرنا، جو بچے بہت کارٹون اور پروگرامز دیکھتے ہیں، ان ہی کی پڑھائی متاثر ہوتی ہے، ان کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا، کتابوں سے بھاگنے لگتے ہیں، اسکول میں بیٹھے بھی خلاؤں میں گھور رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں ٹی وی پروگرامز ہی گھوم رہے ہوتے ہیں، ان کے اندر جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے، پیٹ بھی خراب ہو جاتا ہے، آرام کے اوقات، روٹین خراب ہوتا ہے، جسمانی ورزش کا اہتمام کم کرتے ہیں، ان کی آنکھوں اور دماغ میں، ٹی وی سے نکلنے والی لہریں برے اثرات مرتب کرتی ہیں اور تخلیقی صلاحیت کو قدغن لگاتی ہیں، ان کو سوچنے کا موقع کم ملتا ہے کیونکہ ذہن فارغ نہیں ہوتا، ہوس اور خواہشات بڑھتی ہیں، وہ والدین کی اطاعت کم کرتے ہیں، ان کے اندر مطالعہ کا ذوق کم ہو جاتا ہے۔

سوال: کون لوگ آپ کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟

جواب: جو وقت کا غلط استعمال کرتے ہیں، گھنٹوں میرے سامنے بیٹھے رہتے ہیں، ان کے وقت میں سے برکت بھی ختم ہو جاتی ہے، بعض لوگ تفریح کے لئے، بعض خبریں دیکھنے کا بہانہ بنا کر دیکھتے ہیں۔

سوال: آپ کے بارے میں لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ آپ جانبدار ہیں جو آپ کے چلانے والے چاہتے ہیں، وہ بھی نشر ہوتا ہے؟

جواب: ایسا ہی ہے، ان کے ہاتھ میں یہ ہوتا ہے وہی اپنی مرضی کی چیز دکھاتے ہیں اور اسی لئے لوگوں کا خیال ہے کہ کانا دجال کے بارے میں یہ بات کہ وہ بیک وقت پوری دنیا کو مخاطب کرے گا، مجھ پر صادق آتی ہے۔

سوال: آپ پر الزام بھی ہے کہ اسلامی اقدار کی پامالی کا سبب بن رہے ہیں؟

جواب: اس لئے کہ اسلامی ہاتھوں میں نہیں ہوں، ہر جگہ یہودی اشاروں پر چل رہا ہوں، اسلامی اقدار کیونکر منتقل ہوں گی، ذہنوں اور زبانوں پر اللہ کے ذکر کے بجائے اشتہارات، گانے، میوزک ہے، حیا و شرم کا فقدان، اخلاقی معاملات اور وقار متاثر ہو رہا ہے، نگاہوں کی حفاظت جو ممکن نہیں.....! والدین اور اولاد کے تعلقات متاثر ہو رہے ہیں، وقت، میں کھا جاتا ہوں، بات کرنے کا موقع نہیں ملتا، بچے والدین سے شاکی رہتے ہیں، والدین کو بچوں کے ذہنی خیالات سے واقفیت نہیں ہوتی، بچے اداکاروں، فنکاروں کو دیکھ کر اپنے والدین کو ان کے جیسا دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی طرز گفتگو اور رہن سہن میں انہی لوگوں کا رنگ نظر آتا ہے، اچھائی، برائی کا معیار تبدیل ہو گیا ہے، اسی لئے والدین اساتذہ کی بات کم اہم لگنے لگتی ہے، تشدد دیکھ دیکھ کر تشدد پسند ہوتے ہیں۔

سوال: کون لوگ آپ کو ناپسند کرتے ہیں؟

جواب: جو مجھے لغویات سمجھتے ہیں، جن کے پاس بے کار وقت نہیں ہوتا، بعض لوگ مجھے تھکاوٹ کا سبب سمجھتے ہیں۔

سوال: ہمارے قارئین کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟

جواب: سچی بات تو یہ ہے کہ میں تو ایک برتن ہوں، نیک لوگ آگے بڑھیں اور میرا درست استعمال کریں آپ کا بہت شکریہ۔

مولانا عبدالحلیم شرر (۱۸۶۰ء تا ۱۹۲۶ء) برصغیر کے ممتاز معروف اردو ادیب اور صحافی تھے، اردو زبان میں تاریخی ناول لکھنے کا سہرا آپ کے سر ہے، آپ کا شمار اپنے دور کے مقبول ترین ناول نگاروں میں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے ناولوں کے ذریعے مغرب کی جانب سے اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے منفی پروپیگنڈوں کا بھرپور جواب دیا۔ یوں تو آپ کا ہر ناول دل چسپ اور قابل مطالعہ ہے، لیکن "فردوس بریں" ان سب میں منفرد ہے، اس ناول میں فرقہ باطنیہ کی اسلام کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کیا ہے، اس ناول میں ماضی کے پرعظمت نقوش، جن میں اخوت، مساوات، بہادری و سرفروشی کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ یہ روایات اگرچہ اسلامی تاریخ سے وابستہ ہیں لیکن اہل نظر و فکر کی دور بین نگاہوں میں ان کی حیثیت اور وقعت بین السطور ہی ہے۔ عبدالحلیم شرر کا دل چسپ اور اسلامی تاریخ سے مزین اردو ادب کا شاہکار ناول "فردوس بریں" قارئین حیا کے لئے قسط وار پیش ہے۔

"بے شک فردوسِ بریں یہی ہے! یہیں آ کے نیکو کاروں اور ایمان داروں کو اپنے اعمالِ نیک کا صلہ ملتا ہے۔ مگر افسوس! اے زمرد! تو کہاں؟" یہ جملہ ناتمام ہی تھا کہ پاس کے چمن کے پھولوں کے نیچے سے ایک شیریں و دل کش آواز سے کسی نے کہا: "تو ابھی جنت کے چمنوں ہی کو دیکھ رہا ہے۔ ذرا محلوں اور قصروں کو بھی نظر اٹھا کے دیکھ۔"

اُس نے یہ آواز سنی ہی تھی کہ سامنے سے ایک نہایت ہی نازک اندام اور قیامت خیز نازنین نے گلے میں باہیں ڈال دیں اور مسکرا کے کہا: "میں بھی تیرے لئے ہوں" حسین ذرا جھک کر اس سے علیحدہ ہوا، غور سے اس کی صورت دیکھ کر کہا: "مگر میں پیاری زمرد کے سوا کسی کو نہیں چاہتا۔"

نازنین: "وہ بھی مل جائے گی، آپ کی خوشی کا پیمانہ تنگ ہے، ذرا ان سروری مسرتوں سے نگاہ اور دل آشنا ہو لیں تو ان سے ملیے گا۔ دیکھئے جو سامنے موتی کا قصر ہے، وہ آپ ہی کے لئے ہے اور زمرد اسی میں ہے۔"

حسین نے نظر اٹھا کے اس رفیع الشان قصر کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی نظر دیگر عمارتوں پر بھی جا پڑی۔ اسے نظر آیا کہ یہ عمارتیں باغوں سے بھی زیادہ مسرت انگیز ہیں۔ بعض بالکل سونے کی، بعض مونگے اور بعض موتیوں کی نظر آتی ہیں۔ تمام مکانات جو حسب حیثیت محل، قصر اور کوشک کے لفظ سے تعبیر کئے جا سکتے ہیں، مذکورہ اشیا کے علاوہ ان ہی میں کوئی فیروزے کا، کوئی زمرد کا، کوئی یاقوت کا اور کوئی ہیرے کا ہے، موتی کے محل جن میں سے ایک حسین کے لئے ہے، ایسے آب دار رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کہ نیچے سے اوپر تک ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی موتی میں ترشے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، ان میں جا بجا صدف صادق کے جھلکتے ہوئے ٹکڑے جڑے ہیں۔ تمام محلوں پر علاوہ اس رنگ کے جس طرف وہ محل منسوب ہیں، ہر در و دیوار کے گرد بلور اور شیشے کے ٹکڑوں کا حاشیہ بنا ہوا ہے اور ان شیشوں کے نیچے ڈاک دی ہوئی ہے، یہ آئینے دن کو آفتاب کی اور رات کو ہزارہا کافوری شمعوں کی روشنی میں اس قدر جگمگا اٹھتے ہیں کہ تیز سے تیز نگاہ چُندھیانے لگتی ہے، اس کے علاوہ ان دیواروں میں اندر باہر جواہرات جڑے ہیں جو اپنی کرنیں چمکا چکا کے ایک عجیب لطف پیدا کرتے ہیں، بہرتقدیر اس مجموعی سامان، سنہری رو پہلے اور رنگ برنگ کے قصروں، ان کے آئینوں اور جواہرات نے ہر چہار طرف ایک ایسی کیفیت بنا رکھی ہے کہ نظر پڑتے ہی انسان کے دل میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حسین ان محلوں کو دیکھ کر ذرا مبہوت کھڑا رہا مگر ہوش کے آتے ہی اس خاص محل کی طرف متوجہ ہوا جس کی نسبت اس پری پیکر کی زبان سے سنا تھا کہ خاص اس کے لئے ہے اور جس میں پیاری زمرد کے ملنے کی امید تھی، اس نے کسی چیز کی طرف نظر اٹھائی، نہ کسی سامان عشرت کو دیکھا اور سیدھا اس قصر کے دروازے پر جا پہنچا۔ زمرد استقبال کے لئے محل سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ ایک غیر معمولی مگر نہایت دلربا وضع سے بال کھولے اور زلفوں کو شانوں اور پیٹھ پر بکھیرے کھڑی تھی۔ آنکھیں دو چار ہوئیں کہ بے اختیاری کے جوش میں دونوں کی زبانوں سے ایک دوسرے کا نام نکلا اور وہ دوڑ کے لپٹ گئے۔ حسین تو حسرت میں تھا ہی، زمرد کے چہرے سے بھی ایک غیر معمولی مسرت و جوش دیکھ کر بے اختیار ہو کے رونے لگا۔ اس کی سانس سے رونے کا پتا پا کے زمرد نے اپنے آپ کو علیحدہ کیا اور کہا:

حسین! ”یہاں رونا حرام ہے، پس آنسو پونچھ ڈالو۔“

حسین: ”(آنسوؤں کو پونچھ کے) زمرد، یہی فردوسِ بریں ہے؟“

زمرد: یہی۔

حسین: تم یہاں چلی آئیں اور مجھے اس دروالم میں چھوڑ دیا۔

زمرد: یہ تو میرے اختیار کی بات نہ تھی، مجھے تو ایک اتفاقی شہادت نے یہاں پہنچایا ہے، مگر تمہاری زندگی باقی تھی، اور ضروری تھا کہ اتنے مدارج و مراحل طے کر کے یہاں آؤ، مگر اس جنت میں بھی تم نے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، کیا کہوں، کس قدر دشواریوں سے مجھے اتنی اجازت ملی ہے کہ تمہیں اپنے پاس آنے کا راستہ اور طریقہ بتاؤں۔

حسین: میرے تو ایسے اعمال تھے کہ شاید مرنے کے بعد بھی یہاں نہ پہنچ سکتا۔ صرف تمہاری محبت تھی جو خضر طریقت بن کے لائی۔

زمرد: میری محبت؟

حسین: ہاں، تمہاری محبت۔

زمرد: لیکن اگر تمہارے دل میں طلب صادق نہ ہوتی تو میں کیا کر سکتی تھی؟

حسین: مگر اس طلب سے تھوڑا ہی ممکن تھا کہ اس ملاءِ اعلیٰ میں آپہنچتا۔ میں تو دل میں ٹھان چکا تھا کہ اس قبر کے پاس اور اس چٹان کے سامنے جس پر تمہارا نام کندہ ہے، پڑے پڑے دم توڑ دوں گا۔

زمرد: خیر، یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی اب اندر چل کے آرام سے بیٹھو۔ شراب طہور کے دو جام پیو اور دیکھو اس خداوند جل وعلیٰ نے تمہارے لئے کیسے کیسے سامانِ راحت اور کیسی کیسی لذتیں فراہم کر رکھی ہیں۔ (یہ کہہ کر زمرد حسین کو اندر لے گئی) جس وقت حسین نہر کے کنارے کشتی سے اترا ہے، سرِ شام کا وقت تھا، مگر اب رات ہو گئی تھی، ہر طرف کافوری شمعیں روشن ہوئیں۔ ایک خاص قسم کی ٹھنڈی روشنی جس کا پتا نہ چلتا تھا کہ کہاں سے آتی ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے دروازوں اور بند کھڑکیوں

اور چھت کے روشن دانوں سے رہ رہ کے چمک اٹھتی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ گویا یکا یک ہزار مہتابیاں چھوڑ دی گئیں۔ اس تیز روشنی میں شمعیں ماند پڑ جاتی تھیں اور سارے ہم صحبتوں کا چہرہ ایک دوسرے کو پیارا اور دلفریب نظر آنے لگتا تھا۔ اس غیبی روشنی کو حسین نے حیرت سے دیکھا اور دریافت کیا کہ یہ کیسی روشنی ہے؟ وہ بار بار دروازے سے باہر جھانک کے دیکھتا مگر کچھ حال نہ کھلا۔ صرف اتنا معلوم ہوا کہ اس روشنی کا مرکز و منبع اردگرد کی پہاڑیوں کی چوٹی پر ہے جہاں وہ زیادہ چمکتی ہے اور وہیں سے اس کی کرنیں آ کے تمام مکانات کو روشن کر دیتی ہیں۔ ایک یہ بات اس نے دیکھی کہ جب روشنی پوری اور کمال پر آجاتی تو چاروں طرف سے لوگ چلا اٹھتے ہیں: ”علی ھذا الذی وعدنی ربی“ سب کے ساتھ ایک بے اختیاری کے جوش میں یہی کلمہ خود حسین کی زبان سے بھی کئی مرتبہ نکل گیا۔ جب اس روشنی کا راز حسین کے لئے حل نہ ہو سکا تو اس نے زمرد سے پوچھا: ”یہ کیسی روشنی ہے؟“

زمرد: تم نے نہیں پہچانا؟ یہی وہ نورِ الٰہی ہے جو موسیٰ کو وادی ایمن میں نظر آیا تھا۔ تم نے قرآن و حدیث میں پڑھا ہے کہ جنت میں خدا کا دیدار ہوگا، اس سے یہی نور مبارت ہے۔

حسین: تو یہی خداوند جل وعلیٰ ہے؟

زمرد: یہ تو نہیں کہہ سکتی مگر ہاں، اس کے تنوع اولیٰ کی سب سے زیادہ مکمل اور سچی تصویر یہی ہے، یہ جواب سن کر حسین اس نور کے سامنے سجدے میں گر پڑا مگر زمرد نے اٹھایا اور کہا: ”یہاں عبادت کی تکلیف نہیں، یہ نور صرف اس غرض سے ہے کہ لوگوں کے دل میں اطمینان کی مسرت پیدا ہو۔“

اب حسین نے مکان کے فرش اور تمام سامان کو دیکھا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ سب نوری سامان ہے جو دنیا میں نہ کبھی انسان کے دل میں گزرا ہے نہ کسی کے قیاس و گمان میں آسکتا ہے۔ زمرد اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے یہاں کی عجوبہ چیزیں دکھاتی پھرتی تھی اور حسین ہر چیز پر خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرت و رحمت کا جوش و خروش سے اعتراف کرتا تھا۔ آخر پھرتے پھرتے ایک مقام پر رک گیا اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ زمرد سے لپٹ گیا اور کہا: ”یہ سب لطف اور سارے سامان عیش کے ہیں۔ مگر زمرد! میرے لئے کوئی تجھ سے بڑی نعمت نہیں ہو سکتی۔“

زمرد: یہی محبت تمہیں یہاں لائی ہے، ورنہ یہ وہ مقام ہے جہاں کسی زندہ انسان کا بہت کم گزر ہوتا ہے، یہ تمہاری بڑی فضیلت ہے کہ اس جسم خاکی کے ساتھ اس نورستان میں آپہنچے۔ حسین کو جنت میں پھرتے اور زمرد کے حسن و جمال سے لطف اٹھاتے پورا ایک ہفتہ گزر گیا ہوگا اور یہ ہفتہ اس حالت میں گزرا کہ دل کش اور نشاط انگیز نغموں کی آواز پر اثر کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔ بہت سی حوریں اس کی خدمت کو حاضر تھیں اور سب پری جمال و زاہد فریب تھیں۔ مگر اسے زمرد کے سوا کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ ہر وقت زمرد کی بغل میں ہاتھ رہتا اور دونوں ہمیشہ فرحت بخش وادیوں اور روح افزا مرغزاروں میں ٹہلتے رہتے۔ زمرد نے اتنے زمانے میں پھر پھر کے اسے یہاں کی تمام نزہت گاہیں اور سب عجائبات دکھا دیئے۔ ایک مرتبہ حسین نے کہا: ”زمرد! میں سنتا تھا کہ جنت میں ہمیشہ صبح کا وقت ہوتا ہے مگر آ کے دیکھا تو یہاں بھی دنیا ہی کے سے تغیرات موجود ہیں۔“

زمرد: اس امر میں لوگوں کو سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ہر وقت صبح ہی رہتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی وقت کا لطف انسان یہاں اٹھا سکتا ہی نہیں، ایسا ہو تو جنت سے ایک بڑا لطف اٹھ جائے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ یہاں ہر وقت کوئی ایسا مقام ضرور مل جائے گا جہاں انسان جس وقت کا چاہے، لطف اٹھائے۔

حسین: کیونکر؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمرد: زبان سے کہنے کی نہیں، میں چل کے تمہیں آنکھوں سے دکھائے دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر زمرد اسے لئے ہوئے محل سے باہر نکلی اور کہا: ”دیکھو! یہاں دوپہر کا سماں ہے، اب آگے چلو۔“ تھوڑی دیر بعد دونوں ایک ایسے درختوں سے گھرے ہوئے سبزہ زار میں پہنچے جہاں آفتاب کی روشنی کو درخت روکے ہوئے تھے، ہر طرف اندھیرا اچھایا ہوا تھا اور مشرقی قلہ ہائے کوہ سے ہلکی ہلکی روشنی نمودار تھی، زمرد یہاں پہنچ کے بولی: ”دیکھو، یہ صبح کا وقت ہے۔“

حسین: بے شک، ہے۔

زمرد، آگے چلو۔

یہاں سے روانہ ہو کے تھوڑی دیر میں دونوں ایک ایسی چھوٹی سی وادی میں پہنچے جو ہر طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہاں بھی درختوں نے خفیف تاریکی پیدا کردی تھی اور ذرا فاصلے کے مقامات پر ہلکا دھواں اٹھتا نظر آتا تھا۔ کہیں کہیں طیور کے چہچہانے کا شور بلند تھا اور مغرب کے قلعے پر آفتاب کے غروب ہونے کی بھی شعاعیں نظر آرہی تھیں۔ زمرد نے یہاں رک کے کہا: ”اور یہ شام ہوئی۔“

حسین: اس میں کسے شک ہوسکتا ہے۔

زمرد: دن کا سماں دیکھ چکے اور شام بھی دیکھ لی، صرف رات کا وقت باقی ہے، چلو، وہ بھی دکھائے دیتی ہوں، یہاں سے واپس آکے زمرد حسین کو لئے ہوئے ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہوئی جہاں نہایت خوبی سے ایک نشیبی راستہ بنا ہوا تھا۔ زینے نہ تھے بلکہ زمین جو پختہ سطح اور رنگ برنگ کی تھی، ساعت بساعت نیچی ہوتی جاتی تھی۔ اس زمین دوز راستے میں جاتے جاتے دونوں ایک نہایت ہی عالیشان اور پُر لطف جگہ میں پہنچے، جہاں ہر جگہ کافوری شمعیں روشن تھیں، جھاڑ اور فانوس کثرت سے لٹک رہے تھے اور در و دیوار اور شیشے کے رنگ برنگ ٹکڑوں کو ان شمعوں کی شاخیں کچھ ایسی عجیب روشنی سے چمکا رہی تھیں کہ نظر خیرہ ہو جاتی تھی۔

زمرد: دیکھو! یہ رات ہے، اور کیسی پیاری رات!

حسین: پیاری زمرد! اگر تو ساتھ ہو تو ہر چیز پیاری ہے۔

یہ سب سامان دیکھ کے دونوں اپنے قصر میں واپس آئے اور باہم عشق و محبت کی باتیں کرنے لگے، مگر پہلے سے زمرد اب کسی قدر افسردہ تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ زبردستی کوشش کر کے چہرے کو بشاش بنالی ہے مگر دل اندر سے بیٹھا جاتا ہے۔ حسین نے اس امر کو حیرت سے دیکھا اور کہا:

”زمرد! اس فردوس بریں میں آج تم بھی ملول نظر آتی ہو؟“

زمرد: نہیں، مگر ہاں، گزشتہ مفارقت کسی کسی وقت یاد آجاتی ہے تو خواہ مخواہ دل بھر آتا ہے۔

حسین: مگر خدا نے وہ مصیبت کاٹ دی ہے اور اب امید ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ یوں ہی ایک دوسرے کے وصل سے حظ اٹھاتے رہیں گے۔

زمرد: خدا کرے ایسا ہو، مگر حسین، مجھے اس کی امید نہیں۔

حسین: (حیرت سے) امید نہیں؟ حیرت ہے! یہاں کے لطف تو سرمدی و ابدی ہیں، یہاں نہ کسی دشمن کا اندیشہ ہوسکتا ہے، نہ کسی حاسد کے حسد کا، پھر ناامیدی و حسرت نصیبی کا کیا سبب؟

”لاتقنطو امن رحمة الله.“

زمرد: بے شک، مگر تم یہاں قبل از موت آئے ہو اور ابدی و سرمدی لطف اٹھانے کے لئے وہی لوگ آتے ہیں جو مرنے کے بعد دنیا سے قطع تعلق کر کے آئیں گے، تم نے ابھی اس مادی دنیا کے علائق قطع نہیں کئے اور اس مادی جسم کو ساتھ لائے ہو جس کو وہیں دنیا میں چھوڑنے کے لئے تمہیں ایک روز اس عالم میں جانا ضرور ہے، دیکھو! حضرت مسیح یہاں زندہ آئے اور اب تک ہیں، مگر انہیں کبھی کسی لطف میں پورا مزہ نہیں آتا۔ اس لئے کہ جانتے ہیں کہ یہ قفس عنصری چھوڑنے کے لئے ایک مرتبہ

پھر جانا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کثافت مادہ اس نورستان میں نہیں۔

حسین: افسوس! پھر کب جاؤں گا؟

زمرد: جب حکم ہو جائے، مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلدی جانا پڑے گا۔ اس لئے کہ وہاں کی شدید ضرورتیں تمہیں بلا رہی ہیں۔

حسین یہ سن کے آبدیدہ ہو گیا اور نہایت جوش دل سے ایک آہ سرد بھر کر بولا:

”روے گل سیر ندید یم و بہار آخر شد

مجھے تو ابھی تیرے وصال کا لطف بھی نہیں حاصل ہوا، مگر زمرد! مجھ سے تو اب نہ جایا جائے گا۔ اس وقت سے میں ہر وقت تیرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے رہوں گا تاکہ کوئی مجھے تجھ سے جدا نہ کرے۔“ یہ سن کے زمرد بھی آبدیدہ ہو گئی اور بولی: ”حسین! یہ امر تمہارے اختیار سے باہر ہے، جب وقت آئے گا تمہیں خبر بھی نہ ہوگی اور ادنیٰ غنودگی تمہیں اس عالم میں پہنچا دے گی۔“

حسین: (روکر) تو پھر تو مجھ سے تمہارے فراق کی مصیبت نہ برداشت کی جائے گی، جاتے ہی اپنے آپ کو ہلاکر ڈالوں گا اور تم سے چھوٹے ایک گھڑی بھی نہ گزری ہوگی کہ پھر تمہارے پاس پہنچوں گا۔

زمرد: کہیں ایسا غضب نہ کرنا، خودکشی کرلی تو جنت تم پر حرام ہو جائے گی، پھر تو قیامت تک بھی ملنے کی امید نہیں۔

حسین: (زور سے سینے پر ہاتھ دھر کے) ہائے! مجھ سے کیوں کر زندہ رہا جائے گا؟ خدا کے لئے کوئی تدبیر بتاؤ۔ ورنہ سمجھ لو کہ ہمیشہ کے لئے مایوسی ہے، اس لئے کہ اب دنیا میں جا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہزار روکو، میرا خنجر میرے سینے پر اٹھ ہی جائے گا، اچھا اگر یہ نہیں تو تم میرے ساتھ چلو۔

زمرد: یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں، یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے بس میں ہوں، اتنا ہی لفظ زبان سے نکلا تھا کہ کانپنے لگی اور اٹھ کے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا ہے مگر جب کوئی نظر نہ آیا تو اطمینان سے آکر بیٹھ گئی اور بولی: ”حسین، اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں، تمہارے واپس جانے کا وقت آگیا ہے۔

حسین: (بے صبری سے چلا کے) کیا؟ ابھی سے؟ نہیں، میں ابھی نہ جاؤں گا۔“ یہ کہہ کے زمرد کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر پکڑ لیا۔

زمرد: ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں، جتنی زیادہ بے صبری دکھاؤ گے، اتنے ہی زیادہ خراب ہو گے، اس وقت تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع مل گیا ہے، اسے غنیمت سمجھو اور جو میں کہتی ہوں سنو! کوئی آگیا تو یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ عمر بھر کف افسوس ملو گے۔ ساری دنیا میں بھٹکتے پھرو گے اور مطلب نہ نکلے گا۔

حسین: (اپنے آپ کو سنبھال کر) اچھا سنتا ہوں، پیاری زمرد، تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ تو کام چلے گا (یہ جملہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ جی بھر آیا اور زار و قطار رونے لگا)

زمرد: (اپنے نازک ہاتھ سے منہ بند کر کے) کیا غضب کرتے ہو! خدا کے لئے سنبھلو، دنیا میں جا کے جی بھر کے رو لینا، مگر ابھی میری ایک بات ذرا ہوش و حواس درست کر کے سن لو۔

حسین: (نہ رکنے والے جوش کو روک کے) کہو، پیاری زمرد! دل و جان سے سن رہا ہوں۔

زمرد: یہاں سے جانے کے بعد پہلے تم کوشش کرنا کہ وہی لوگ جن کی مدد سے اس دفعہ یہاں آئے انہی لوگوں کی اطاعت کر کے، انہیں خوش کر کے، پھر یہاں آنے کا موقع پاؤ، اپنی حاجت روائی کے لئے تم ان کے کسی حکم سے انحراف نہ کرنا، اگر وہ تمہیں یہاں بھیجنے کا وعدہ نہ کریں اور سب طرف سے مایوس ہو جاؤ تو پھر اس وادی میں آکے ٹھہر جانا، جہاں میری قبر ہے اور جہاں خط بھیج کر میں نے تمہیں یہاں آنے کی تدبیر بتلائی تھی۔

حسین: کوہ طالقان میں؟

زمرد: ہاں، ہاں، وہیں، اگر تم ایک مہینے تک وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھہرو گے تو پھر میں کوئی تدبیر بتاؤں گی۔

دیکھو! خبردار کسی کو خبر نہ ہو کہ میں نے وہاں بلایا ہے۔

حسین: مگر پیاری زمرد! وہ تدبیر اسی وقت بتا دو کہ یہاں سے جاتے ہی اس پر عمل درآمد شروع کر دوں۔

زمرد: افسوس! تم نہیں سمجھ سکتے۔ بس تمہیں وہی کرنا چاہئے جو میں بتاتی ہوں، وہ تدبیر اس وقت بتانے کی نہیں۔

حسین: دیکھو، اب کتنے دن ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

زمرد: صبر کرو اور ضبط سے کام لو اور خبردار! ایسی کمزوری اور بزدلی نہ دکھانا کہ خودکشی کا ارادہ کر لو۔

حسین: میں اسی سے ڈرتا ہوں، پیاری زمرد، تیرے عشق میں بعض وقت اپنے ہوش میں نہیں ہوتا ہوں اور نہ نیک و بد سمجھتا ہوں، یہ تیرے لئے ہی تھا کہ میں نے اپنے چچا اور شیخ الوقت امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کر ڈالا۔

زمرد: میں جانتی ہوں، مگر اس میں مجھے شریک نہ کرو (کچھ آہٹ پا کے) اب خاموش رہو۔ ناگہاں چھ سات حوریں ناز و انداز سے قدم رکھتی ہوئی سامنے آئیں اور محبت کے لہجے میں حسین سے کہنے لگیں:

''اب چل کے باہر کی سیر کیجئے اور ان نورانی تختوں پر جلوہ افروز ہو جائیے جو چمنوں کے درمیان میں ہیں، اس وقت کی بہار دیکھنے کے قابل ہے، شراب طہور کے جاموں میں خاص مزہ ہے۔''

حسین: میں تو یہاں تنہا ہی اچھا ہوں۔

زمرد: وہاں چلنے میں کیا مضائقہ ہے، چلو، میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔

حسین: خیر، اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، اتنی دیر میں اور سب حوریں بھی آ گئیں اور زمرد حسین کو ساتھ لئے قصر زمردی کے باہر نکلی، سب کے سب لالہ زار کے درمیان میں طلائی تختوں پر جا کے بیٹھے۔ تخت کے دونوں جانب دو حوض تھے اور بغیر کہے صرف واقعات سے یقین دلایا جاتا تھا کہ ایک حوض کوثر اور دوسرا شراب طہور کا ہے، سامنے چند حوریں بیٹھ کے عجب دلربا اور وجد میں لانے والی دھن میں گانے لگیں، دو چار غلمان یعنی خوبصورت کم عمر لڑکے سونے کے جام و صراحی لا کے کھڑے ہو گئے اور نغمہ و سرور کے ساتھ دور بھی چلنے لگا۔ دو جاموں نے حسین پر از خود رفتگی کی کیفیت پیدا کر دیا اور جب وہ اس عالم نور کو بے خودی کی نیم باز آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، اسے نظر آیا کہ زمرد ایک ہاتھ تو اس کے گلے میں ڈالے ہوئے ہے اور دوسرے ہاتھ سے ایک چھلکتا ہوا جام اس کے منہ سے لگا رہی ہے، حسین اس لطف صحبت کا دل ہی دل میں مزہ اٹھا کے اس جام کو پی گیا مگر پینے کے بعد معلوم ہوا جیسے زمرد کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو ٹپک رہے تھے۔ بے خودی کے جوش میں پیاری دل ربا کی دل دہی کے لئے بڑھنے ہی کو تھا کہ مدہوش ہو کر گر پڑا۔ بس اس کے بعد اسے اپنے پرائے کی خبر نہ تھی۔

☆.....☆.....☆

پھر وہی عالم عناصر:..... دیر کی آزار رساں غفلت و بے ہوشی کے بعد حسین ذرا ہوشیار ہونے لگا تھا کہ کان میں آواز آئی ''اے جسم خاکی! اٹھ اور اس برزخ کبریٰ کا ہاتھ چوم جو تیرا امام ہے اور جس نے تیرے لئے باوجود مجرد محض ہونے کی صورت مادی اختیار کر لی ہے۔ حسین نے بے ساختہ آنکھ کھول دی اور بجائے جنت یا زمرد کے پہلو کے اپنے آپ کو اس تاجدار شخص کے سامنے پایا جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی تھی اور جو اس سفر جنت کی آخری منزل پر ملا تھا۔ حسین آنکھیں ملتا ہوا ادب سے اٹھ بیٹھا اور اس کے قدموں پر گر کر سر رگڑ کر کہنے لگا:

ممکن بیدار از یں خوابم خدارا!

شخص: نہیں، تجھے پھر عالم ارضی میں جانا ہے، میرا ہاتھ جس میں نور کے مادے کا بہت کم جز ہے، تیرے ہاتھ سے مل چکا ہے اور ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جن کے وسیلے سے تیری اس ملاء اعلیٰ تک رسائی ہوئی۔

حسین: مگر میں ابھی چند روز اور جنت میں رہنے کا آرزومند ہوں۔

شخص: اس مادی عالم کی زندگی میں ممکن نہیں کہ تو اس روحانی عشرت کدے میں جا سکے۔ جا اور اس وقت کا منتظر رہ، جب کسی ذیلی کوشش یا امام مرشد کے حکم سے تو جام فنا پیے گا۔

اتنے میں وہی پہلی پری وش نازنین لبریز جام ہاتھ میں لئے ہوئے آئی، جس کے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا: ''بس، اب زیادہ حجت نہ کر اور یہ شراب طہور کا آخری جام پی۔'' یہ کہہ کے اس نے جام اپنے ہاتھ سے حسین کی طرف بڑھایا۔

حسین اب جانتا تھا کہ یہ شراب طہور دار و ئے بے ہوشی کا اثر رکھتی ہے اور جس طرح اس کا نشہ پہلے اسے عالم نور میں لے گیا تھا، اب حضیض ظلمت میں لے جائے گا، مگر مایوسی کی تکلیف نے پیاس اس قدر تیز کر دی تھی کہ انکار کی جرأت نہ ہوئی، بے تکلف لے کے پی گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھول کھول کر دو مختلف سین دیکھنے لگا جو حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے تھے۔

آخر ایک شب کو اس کی آنکھ شیخ الجب کے سامنے کھلی، اس پہلے نگہبان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کے کہا: ''حسین! تو پھر اس تیرہ خاک دانِ عنصری کے حدود میں آ گیا اور ان آنکھوں سے جو انوار محضہ و مجردہ دیکھ چکی ہیں، پھر نور سینا کو اسی طرح ستر حجابوں میں دیکھ رہا ہے۔''

حسین: (آبدیدہ ہو کے) مگر میں تو اس ظلمت خاکی میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

طور معنی: بے شک نہ چاہتا ہو گا، جذبات نور وحدت ایسی ہی کشش رکھتے ہیں مگر کیوں کر ممکن تھا کہ اس جسم خاکی کا دھبا اس نور ستان میں ہمیشہ قائم رہتا۔

حسین: تو للہ کوشش کیجئے کہ اس وقت اس جسم خاکی کو چھوڑ کے اس سرو بستان اعلیٰ کا راستہ لوں۔

طور معنی: ان امور میں شیخ علی وجودی تمہارا طمینان کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں، اس پر عمل کرو۔

حسین: (جوش دل سے نوحہ و بکا کر کے) افسوس! میری اتنی ریاضت اور یہ مدتوں کی آرزومندی صرف اتنے مختصر زمانے کے لئے تھی! آہ! کیا کروں کہ پھر زمرد کا وصال نصیب ہو! یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کے اور زار و قطار رونے لگا اور یہاں تک رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

طور معنی: اے بلند حوصلہ مشت غبار! میرے عزلت کدے کو خالی کر اور صفحۂ ہستی پر جا کے اس میعادِ معینہ کو پورا کر، جتنے دنوں کے لئے تو اس ظلمت کدۂ ارض میں گرفتار ہے۔

حسین: کاش! یہ بھی معلوم ہوتا کہ اس مشت غبار کو کب تک اس عالم میں سرگرداں پھرنا اور خاک اڑانا ہے۔

طور معنی: تیرے لئے ان رموز کا ظاہر کرنا شیخ علی وجودی کا کام ہے۔ اس لئے وہی تیرے مرشد ہیں، مگر ہاں، تجھے ایک راز بتا سکتا ہوں، وہ یہ کہ پھر اس عالم نور کی زیارت فقط اس امام کے اختیار میں ہے جو لاہوت و ناسوت کا برزخ اور تجلی ہے، وہ تجلی جو مختلف جسد ہائے امامت و نبوت میں ظاہر ہوتی رہی۔

حسین: مگر ان تک رسائی کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اور ملاء اعلیٰ سے پھر میں اس قعر ظلمت میں پھینک دیا گیا تو؟

طور معنی: گو ان کا مرکز مقرر وہی نور ستان اعلیٰ ہے مگر یک گونہ تعلقات مادہ جن کی وجہ سے انہوں نے بہت سے جسد ہائے امامت بدلے، انہیں اکثر اوقات اس آتشستان میں کھینچ لاتے ہیں۔ مگر بغیر مرشد کے اس غرض میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر تو اصرار کرے گا تو تیرے مرشد شیخ علی وجودی تیری اس امر میں مدد کریں گے۔ پس اب تو اس خلوت کدۂ نور کو خالی کر اور مرشد کی قدم بوسی کے لئے روانہ ہو۔

اس تقریر نے امید کا ایک دھندلا چراغ اس کے سینے میں روشن کیا جس کی روشنی میں وہ غار سے باہر نکلا۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب دیکھا کہ کاظم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنوبی غار کے دہانے پر اسی وضع اور حالت میں کھڑا ہے جس وضع و حالت میں وہ اسے چھوڑ گیا تھا۔ کاظم جنوبی نے اس کی صورت دیکھتے ہی کہا: ''اب تو تم کو اطمینان ہو گیا کہ شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو۔''

حسین: اور آپ یہاں کب آئے؟

کاظم جنوبی: ابھی تمہارے ساتھ ہی آیا ہوں۔

حسین: ابھی؟

کاظم جنوبی: ہاں، ابھی۔

حسین: مجھے تم سے رخصت ہوئے کئی ہفتے گزر گئے۔

کاظم جنوبی: (ہنس کر) اس عالم اور اس عالم میں بڑا فرق ہے، یہاں کا ایک ایک دن وہاں کے ستر برس کے برابر ہے۔

حسین: وہ ایک گھڑی سہی، مگر تم یہاں ٹھہرے کیوں رہے؟

کاظم جنوبی: امام قائم قیامت کا حکم یہی تھا۔

حسین: امام قائم قیامت کون؟

کاظم جنوبی: وہی جن کے ہاتھ پر اس عالم نور کے سفر میں تم نے بیعت کی ہوگی۔

حسین: مگران کے احکام تم تک کیوں کر پہنچ گئے؟

کاظم جنوبی: انہی مرشد کے ذریعے سے جو راہ طریقت طے کرنے کے لئے میرے اور ان کے درمیان واسطہ ہیں۔

حسین: تو شاید تمہارے مرشد یہاں آئے ہوں گے؟

کاظم جنوبی: اس کی کچھ ضرورت نہیں، وہ ایک توجہ سے اپنے خیالات میرے دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔

حسین: افسوس! میں جنت سے زبردستی کھینچ کے نکالا گیا۔

کاظم جنوبی: ان امور ربانی کی شکایت نہ کرو، اور ان کے مصالح دریافت کرنا ہیں تو اپنے مرشد شیخ شریف علی وجودی کے پاس جاؤ۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ اب تم عالم نور کی سیر کر آئے ہو، لہٰذا ان کو اسی روحانی لقب سے یاد کرنا جو اس سرو شبستان میں مشہور ہے۔

حسین: کیا ان کا کوئی اور بھی لقب ہے؟ میں نے سنا نہیں۔

کاظم جنوبی: ہاں، اس عالم عناصر میں تو ان کا نام یہی ہے جو تم جانتے ہو، مگر اس عالم نور میں وادی ایمن کہے جاتے ہیں۔

حسین: (تعجب سے) وادی ایمن! (اور پھر سوچ کے) بے شک، انہیں وادی ایمن ہی کہنا چاہئے۔

انہی کے پہلو میں نور کی حقیقت کی پہلی شعاع نظر آئی۔

کاظم جنوبی: بس، اب چلو اور حلب کا ارادہ کرو۔

حسین: مگر مجھے اتنا ضرور بتا دیجئے کہ اس عالم نور میں کبھی پھر بھی میرا گزر ہو سکے گا؟

کاظم جنوبی: اس امر میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں، یقینی ہے کہ اگر تمہارے مرشد کی توجہ ہو تو سب باتیں ممکن ہیں۔

کاظم جنوبی نے اس جملے سے حسین کے سینے میں امید کے چراغ کو ذرا اور اُکسا دیا۔ آخر دونوں نے اُس وحشت ناک مسکن دام و در کو چھوڑا اور شہر اصفہان میں آئے۔ کاظم جنوبی نے اپنی مسجد کے دروازے پر پہنچتے ہی آواز لگائی۔ ''دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ'' جس کے بعد حسین نے اسے رخصت کیا اور شہر حلب کی راہ لی۔

اس سفر میں حسین ہر وقت جنت اور اس کی حوروں کی ادھیڑ بن میں رہتا۔ اگرچہ اس کا جسم اس دنیا میں تھا لیکن اس کے خیالات اور اس کے اعتقاد میں اس کی روح علی الدوام اس دوسرے عالم نور کے مزے لیتی رہتی۔ وہ خیال میں کہتا ''اتنے انقلابات کے بعد اب مجھے تو یہ معلوم ہو گیا کہ ''موتوا قبل ان تموتوا'' کے کیا معنی ہیں یا اس دنیا میں رہنے سہنے کے ساتھ انسان اس عنصر ستان سے قطع تعلق کر کے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ عالم ملکوت میں کیوں کر صرف کرتا ہے۔ اب اس مرتبہ جب کہ وہ اصفہان سے حلب کو جا رہا تھا، اسے ایک بہت ہی نئی

حیرت میں ڈالنے والی چیز نظر آئی۔ وہ جس گاؤں یا دشت میں گزرتا، اکثر لوگ خود بخود اسے پہچان لیتے کہ جنت کی سیر کر آیا ہے اور پاس آ کے مبارک باد دیتے۔ وہ دل میں پریشان تھا کہ یہ کیا بات ہے اور کون سی علامت ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو میری حالت معلوم ہو جاتی ہے! بعض لوگوں سے اس راز کو دریافت بھی کیا مگر کسی نے کچھ نہ بتایا، زمرد اب اس کے دل و دماغ پر پہلے سے زیادہ حاوی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر حالت میں اس کی دلفریب تصویر پیش نظر رہتی۔ کبھی اپنی طرف بلاتی تھی اور کبھی صبر و تحمل کی تاکید کرتی تھی۔ یہی پریشان کن خواب دیکھتا ہوا شہر حلب میں پہنچا اور شیخ علی وجودی کے سامنے جاتے ہی ان کے قدموں پر گرا۔ شیخ نے اٹھا کے پیشانی چومی اور پیٹھ ٹھونک کے اپنے برابر بٹھایا اور کہا: ''اے حسین! تو لاہوت اکبر کی سیر کر آیا۔''

حسین: یا شیخ! اس عالم نور کی میں نے پوری کیفیت دیکھ لی ہے اور اے وادی ایمن! تیرے پہلو میں مجھے وہ جلوہ نظر آ گیا جس کے اشتیاق کے سوال پر موسیٰ کو بھی ''لن ترانی'' کا جواب ملا تھا، مگر کیا کہوں کہ میں نے کن حسرتوں سے اس خطہ نور کو چھوڑا ہے۔

شیخ: اے تیرہ و تار مشت غبار! بتا تو نے وہاں کیا دیکھا؟

حسین: ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی۔

شیخ: جذبات نور ایسے ہی ہوتے ہیں، زمرد سے ملا تھا؟

حسین: (شیخ کے قدم چوم کے) ملا تھا۔ آہ! جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ نظر کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

شیخ: مگر تیرا جسم خاکی اس نورستان میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا، اگرچہ تو کہتا ہے مجھے یقین ہے کہ اس عالم نور کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مگر اے حسین، میں کہتا ہوں کہ تو نے نہیں دیکھا۔

''حسین: نہیں، اے شیخ اور اے وادی ایمن! میں نے دیکھا اور اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

حسین کا یہ جواب سنتے ہی شیخ کو جلال آ گیا، منہ میں کف بھر آیا، آنکھیں سرخ ہو گئیں، وہ جوش میں آ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حسین مارے خوف کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا: ''اے متکبر و مغرور مشت خاک! تیری کیا مجال کہ اس نور لم یزل کو ان ذلیل آنکھوں سے دیکھ سکے۔ تیرے جسم کے سامنے وہ تو غیر متغیر بن کے نمایاں ہوا تھا۔ اس کی اصلی کیفیات کو تیری یہ آنکھیں کسی طرح معلوم نہیں کر سکتی تھیں۔ مگر ہاں، تو اس کو دیکھے گا اور اس کی اصلی حالت و کیفیت میں دیکھے گا۔ مگر کب؟ اس جسم خاکی کو چھوڑ کے اور مجرد محض بن کے۔ اس وقت تجھے یہ بھی نظر آ جائے گا کہ اسی نور ازل کا چراغ تو بھی ہے۔''

حسین: (کانپتی آواز سے) مگر میں تو ابھی وہاں سے آنا نہیں چاہتا تھا۔

شیخ: بے شک نہ آنا چاہتا ہوگا، مگر یہ ممکن نہ تھا، نور کثافتِ مادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

حسین: لیکن اے شیخ! آپ وادی ایمن ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں پھر اس عالم نور میں جا سکتا ہوں۔ آہ! زمرد کے لئے بہت پریشان ہوں۔

شیخ: (پھر طیش میں آ کے) اگر ہوس است ہمیں قدر بس است۔ اس سرو شبستان کو بے دیکھے قبول کرنے کی زحمت نہیں دی جا سکتی۔ آگ میں کسی مادی چیز کو ڈال دو تو وہ اپنا تصرف کرنے کے بعد باقی ماندہ کثافت کو الگ پھینک دیتی ہے۔ اسی طرح نورستان نے تیرے جسم کو اپنے حیز سے نکال کے پھینک دیا ہے۔

حسین: تو پھر آپ ہی اپنے ہاتھ سے مجھے اس جسم خاکی کی قید سے آزاد کیجئے تاکہ تجرد اختیار کر کے جاؤں اور پیاری زمرد کو اپنے آغوش میں لے لوں۔ کیا عجب کہ اس وقت تک وہ میرے شوق میں اپنا آغوش پھیلائے ہوئے ہو۔

شیخ: اب وہاں تک تیری رسائی امام قائم قیامت کی دستگیری سے ہو سکتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسین: گو میں اس برزخ کبریٰ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں مگر اس درگاہ میں میری رسائی اسی وقت ہوگی جب آپ میری مدد کریں، آپ کی دستگیری سب پر مقدم ہے۔

شیخ: اچھا، مایوس نہ ہو، مجھے تیرا ایک دفعہ اور امتحان لینا ہے اگر تو اس امتحان میں پورا اترا تو میں تجھے اس دربار امامت میں سفارش کے ساتھ پہنچا دوں گا۔

حسین: جلدی فرمایئے، جو حکم ہو، اس کو بجالانے کو تیار ہوں، موت کا سب سے زیادہ آرزومند ہوں، اگر اس امتحان میں مجھے موت نصیب ہوگئی تو اس سے زیادہ میری کیا خوش قسمتی ہے۔

شیخ: اسی وقت شہر دمشق کی راہ لے اور جس طرح بنے امام نصر بن احمد کو جو ہم باطنین کے خلاف وعظ کہا کرتے ہیں، قتل کر کے واپس آ۔

حسین: ابھی چلا، مگر مجھے اتنا اور بتا دیجئے کہ کیا ہم ہی وہ باطنین ہیں جن کو کبھی لوگ قرامطہ کے اور کبھی ملاحدہ کے نام سے یاد کرتے ہیں؟

شیخ: بے شک، ہم اسماعیل بن جعفر صادقؑ کی امامت کے مدعی ہیں اور چونکہ امامت ظاہر ہوگئی، لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ اس کی تبلیغ و نقابت خفیہ اور باطنی طریقوں سے کریں، انوار ازل نے یہ قدیم ہی سے فیصلہ کر دیا ہے کہ جب تک امامت ظاہر رہتی ہے، نقابت و تبلیغ خفیہ ہوتی ہے اور جب امامت مخفی و باطنی ہو جاتی ہے تو نقابت و تبلیغ علانیہ ہونے لگتی ہے۔

حسین: مگر اس کا سبب میرے ناقص فہم سے بالاتر ہے۔

شیخ: بے شک بالاتر ہے (زور سے گھور کے) اور تیرے جاہلانہ شکوک اسے اور زیادہ بالا کرتے جاتے ہیں۔ خود خدا کی طرف خیال لے جا کہ وہ مخفی ہے اور اسی لئے اس کی توجہ کی تبلیغ علانیہ ہوتی ہے۔

حسین: یا وادی ایمان! نبوت تو ظاہر رہی اور اس کے ظہور کے زمانے میں برابر علانیہ تبلیغ ہوتی تھی۔

شیخ علی وجودی کے منہ میں کف بھر آیا۔ سخت برہمی کے لہجے میں وہ چلائے "ابھی تک شیطان تیرے دل میں بیٹھا ہے، وہ تجھے بہکا رہا ہے اور عالم نور میں جانے کی آرزو رکھتا ہے، سن! اس نظام کا تعلق صرف امامت سے ہے، نبوت ہمیشہ ظاہر رہی اور ظہور کے زمانے میں علانیہ تبلیغ ہوتی رہی۔ نبوت اور رسالت کس چیز کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے؟ خدا کی طرف اور فردوس بریں کی طرف اور یہ دونوں دنیا کی نظر میں مخفی ہیں۔

حسین: (ڈرتے ڈرتے) مگر امامت بھی تو انہی چیزوں کی طرف بلاتی ہے۔

اب شیخ کو غصے نے آپے سے باہر کر دیا۔ ایک دفعہ چمک کے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: "تو عالم نور کی سیر کرنے پر بھی جاہل اور شکی ہے۔ عہد نبوت میں جنت اور نور الانوار اس قدر نمایاں نہ تھے، جتنے کہ اب عہد امامت میں ہیں۔ رسالت نے کبھی کسی مادی پیکر کو اس سروشستان میں نہیں بھیجا اور امامت برابر بھیج رہی ہے، جس کا یہ قطعی نتیجہ ہے کہ فردوس بریں اور نور ازلی پہلے مخفی تھے اور اب نمایاں ہیں اور چونکہ اب نمایاں ہیں، لہٰذا تبلیغ اور نقابت کو خفیہ طریقوں سے ہی اپنا عمل کرنا چاہئے۔

حسین: یا وادی ایمن! اب مجھے اطمینان ہوگیا اور ضرور تھا کہ اپنے شکوک رفع کرتا، اس لئے کہ میں نے اس مذہب کی نسبت بہت سی بے سروپا باتیں سنی تھیں۔ سنا تھا کہ الموت کے قلعے میں لوگ طرح طرح کے فریبوں سے اس مذہب کے پابند بنا لئے جاتے ہیں۔

شیخ: یہ دشمنوں اور جہلا کی افترا پردازیاں ہیں، ایسے لوگ جن کو چشم بصیرت نہیں اور انوار ازلی کے سامنے خفاش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، ان کے کہنے کا کیا اعتبار، اتنے مدارج یقین طے کر کے تجھے نظر آ گیا ہوگا کہ ہم کس ملاء اعلیٰ پر ہیں اور کس آسانی سے سروشستان کی سیر کراتے ہیں اور وہ کس قعر جہالت میں پڑے ہیں

اور کس تحت الثریٰ کی طرف روز بروز زیادہ دھنستے چلے جاتے ہیں۔

حسین: مجھے معلوم ہے۔

یہ کہہ کر حسین، شیخ سے رخصت ہوا اور امام نصر بن احمد کی جان لینے کے لئے دمشق کی راہ لی۔ حسین اب ایسے کاموں کے لئے جری تھا۔ پہلے موقع پر جو شبہات اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے، اب نام کو بھی نہ تھے، اس کو یقین تھا کہ جنت یقیناً ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کا وہ معتقد ہے اور ان کے اشارے پر برے بھلے کام کا کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ باوجود اس کے ایک جلیل القدر عالم کے قتل میں اس کے دل نے کسی قدر پس و پیش ضرور کیا۔ مگر شیخ اور زمرد کے خیال نے پھر اس کا دل آگے بڑھایا۔ وہ نہایت سنگ دل کے ساتھ مرشد کے وحشیانہ حکم کی تعمیل کے لئے دمشق میں پہنچا اور امام نصر کے عقیدت کیشوں میں شامل ہوگیا۔

اس سفر میں بھی وہ حیرت سے دیکھتا تھا کہ بعض لوگ راہ چلتے چلتے پہچان کر اس سے بغلگیر ہوتے اور بیچتی واخوت کا ثبوت دیتے، جس سے اسے یہ بھی نظر آ جاتا تھا کہ اس کے ہم عقیدہ و ہم خیال کس کثرت سے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، خوش نصیبی یا دل کی بے صبری سے مہینے ہی بھر میں اسے اپنی غرض حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک رات پچھلے پہر جب کہ امام نصر پڑوس کی مسجد میں اور سب سے چھپانے کے لئے اندھیرے میں تن تنہا کھڑے نماز تہجد ادا کر رہے تھے، حسین کا خنجر ان کے دل میں اتر گیا۔ جب لاش بالکل ٹھنڈی ہوگئی تو پچھلی رات کے سناٹے ہی میں مسجد سے نکل کر چلا گیا اور راستے میں ایک نہر کے کنارے بیٹھ کے اپنے کپڑے دھو کر حلب کو روانہ ہوا۔

شیخ علی وجودی نے اس کی کارکردگی کی داد دی اور اس کی پیٹھ ٹھونک کے کہا کہ حسین، تو مراحل یقین کو بہت جلد طے کر رہا ہے اور اپنے اغراض میں کامیاب ہوگا۔

حسین: یا وادی ایمن: مجھے ایک امر پر بڑی حیرت ہے، میں جہاں جاتا ہوں اور جس جگہ جاتا ہوں، میرے ہم خیال و ہم عقیدہ صورت دیکھتے ہی مجھے پہچان لیتے ہیں اور میں ان کو نہیں پہچان سکتا۔ یہ سنتے ہی شیخ نے ایک صندوق سے ایک آئینہ نکالا اور اسے دکھا کر کہا کہ اپنی صورت دیکھ، تجھے اپنے چہرے پر کوئی چیز نظر آتی ہے؟

حسین: ہاں، پیشانی پر داغ ہے، مگر معلوم نہیں کیسا داغ ہے، شاید بچپن میں کبھی کہیں گر پڑا ہوں گا۔

شیخ: (مسکرا کے) نہیں، یہ حور کے بوسے کا نشان ہے، یہی ایک مہر ہے جو ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ انسان اپنے قفس عنصری کے ساتھ فردوس بریں کی سیر کر آیا ہے۔

حسین: تو جن لوگوں نے مجھے پہچانا، غالباً ان کی پیشانیوں پر بھی حور کے بوسے کا نشان موجود ہوگا۔

شیخ: بے شک ہوگا اور حسین! دیکھ میری پیشانی پر بھی موجود ہے۔

حسین: (شیخ کی پیشانی پر بھی وہی اپنا سا داغ دیکھ کر) بے شک، یہ مدارج یقین طے کرنے کا تمغا ہے۔

شیخ: حسین! یہ بہت بڑی چیز ہے، مرنے کے بعد سب مومنین جنت میں جائیں گے، مگر جو لوگ دنیاوی زندگی ہی میں اس مرکز نور کی سیر کر چکے ہیں، ان کا یہ فخر وہاں بھی موجود رہے گا، یہ داغ وہاں پیشانیوں پر نور کی طرح چمکے گا اور عام ناجیوں میں ہم لوگوں کو ممتاز ثابت کرے گا۔

حسین: مگر مجھے یہ داغ دنیا ہی میں عزیز ہے، کاش! میرے لب میری پیشانی تک پہنچ سکتے کہ میں اس داغ کو بوسے دے کے اپنے دل کی تسلی کرتا۔ میری پیشانی پر سوائے زمرد کے اور کسی کے بوسے کا نشان نہیں ہو سکتا۔ اگر میرے بوسے لئے ہیں تو صرف اسی کے لب لعلیں نے، مگر افسوس جس طرح زمرد میرے دل میں ہے، ہاتھ میں نہیں آ سکتی، اسی طرح اس کے بوسے کا نشان ہر وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے پاس ہے اور مجال نہیں کہ اپنے مشتاق ہونٹوں کو وہاں تک پہنچا سکوں۔

شیخ: اب ان شاعرانہ خیالات کو دور کرو اور امام قائم قیامت کی قدم بوسی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

حسین: لبیک! مگر اے وادی ایمن! اتنا اور بتا دیجئے کہ ان کو امام قائم قیامت کیوں کہتے ہیں؟

شیخ: یہ بھی رموز ربانی میں سے ایک رمز ہے، تجھے شاید ابھی تک ان ائمہ کے نام بھی نہیں معلوم نہ ہوں گے جو نور لم یزل کی شعاعیں ہیں اور مختلف جسدوں سے نمایاں ہوتے رہتے ہیں، یہی ائمہ ہمیشہ ناسوت اکبر ہوتے رہتے ہیں۔ وہی وجود آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، عیسیٰؑ اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے اجساد مطہرہ سے جلوہ فگن ہوتا رہتا تھا۔ آخر علی مرتضیٰؓ کے جسدانوں میں نمودار ہوا اور چونکہ اب نبوت ختم ہو چکی تھی، لہٰذا ایک روح نے مختلف اجساد بدلنے شروع کئے، پھر حسین اور علی زین العابدین و محمد باقر کے اجساد کی سیر کرتے کرتے وہ نور جناب جعفر صادق کے جسدانوں سے نمایاں ہوا اور وہ زندہ ہی تھے کہ ان کے پیکر جسدی کو چھوڑ کر پہلے جناب اسماعیل میں پھر محمد مکتوم ابن اسماعیل میں جو سابع امام تھے آیا، چند روز تک وہ نور سلسلہ وار امام منصور بن محمد مکتوم جعفر صادق اور حبیب بن جعفر کے اجسام مطہرہ میں خفیہ ہی خفیہ لمعہ فگن رہا۔ جناب اسماعیل سے اس وقت تک امامت مخفی ہی رہی۔

اب یکا یک اس نور نے عبید اللہ مہدی کی ذات سے نمایاں ہو کے اپنی پوری تنویر دکھا دی اور امامت ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد سے وہ نور برابر علانیہ طور پر مختلف اجساد ظاہرہ کو بدلتا رہا۔ پہلے قائم بامر اللہ کے جسم سے، پھر منصور کے، پھر معز الدین اللہ کے جسم سے چمکا۔ مستنصر باللہ کے بعد پھر حسن بن محمد پھر محمد بن علی کے جسموں سے لاہیت کبریٰ کا درجہ پایا اور فی الحال وہی انوار ازلی رکن الدین خورشاہ کے جمال جہاں آراء سے نمودار ہیں جو فرمانروائے الموت ہیں، وہ امام قائم قیامت برزخ اکبر ہیں اور لاہوت و ناسوت و تجلی ہیں جو مختلف جسد ہائے امامت و نبوت سے لمعہ افگن رہی ہیں۔

حسین: (حیرت سے) وہی جن کے ہاتھ پر میں نے اس عالم لاہوت میں بیعت کی تھی؟

شیخ: وہی۔

حسین: مگر آپ تو فرماتے ہیں کہ وہ الموت کے فرماں روا ہیں؟

شیخ: بے شک، مگر یہ علائق دنیوی ان کے تجرد اور ان کی اس نورانیت کو جو عالم سروش میں لے جاتی ہے، دھندلا نہیں کر سکتے، امام دینی اور عام لوگوں میں یہی فرق ہے کہ جس چیز کو ہم ریاضت سے حاصل نہیں کر سکتے وہ انہیں بدرجۂ اتم حاصل رہتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ عالمین برزخ کہے جاتے ہیں۔

حسین: اور وہ امام قائم قیامت کیوں کہلاتے ہیں؟

شیخ: (کسی قدر برہم ہوتے ہوئے رک کر) ہاں، میں نے اس کا راز ابھی نہیں بتایا، امامین مستنصر و نزار کے عہد میں ان میں انوار ازلی کی ایک نئی اور غیر معمولی شعع روشن ہوئی تھی۔ گو یہ شعع دراصل قدیم نور امامت کا انعکاس تھی مگر اتنا بڑا انعکاس کامل کہ اس کے جلوے سے تمام ممالک ارض چمک اٹھے۔ اس سے وہ چراغ نور مراد ہے جو صباح کے جسم صافی میں چمکا تھا۔ یہ لقب قائم قیامت اسی آئینہ پر تو نور ایزدی کا ہے جس نے یکا یک حدود مدارج اعلیٰ اور نورستان میں پہنچ جانے کے اتنے صحیح ذریعے مخلوق میں پیدا کر دیئے کہ ادنیٰ لوگوں کو وہ کمال حاصل ہو گیا جو گزشتہ عہدوں میں انبیاء اور ائمہ کے سوا کسی کو حاصل نہ تھا۔ پہلے کوئی فردوس بریں میں جانے کا خیال بھی نہ کر سکتا تھا مگر اب اس اعلیٰ پرتو ایزدی کے ظہور کے بعد یہ حالت ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے ایک دم میں اس عالم نور کی سیر کر آتا ہوں اور تم بھی اس سروشستان میں جا کے حوروں کی ہم کناری کا مزہ اٹھا

آئے ہو۔ قیامت کے معنی ظاہر پرستوں میں اس وقت کے ہیں جب کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ مگر حقیقت شناس جانتے ہیں کہ قیامت صرف اس حالت یا اس وقت کا نام ہے جب کہ مخلوق کو خالق سے یا پرتو کو نور سے قربت ہو جائے۔ حسن بن صباح نے چوں کہ اپنے عہد سے مخلوق کو ایسے تقرب کے درجے پر پہنچا دیا، لہٰذا وہ امام قائم قیامت کہلاتے ہیں، یعنی وہ امامت جس کی بدولت مخلوق اور خالق میں قربت ہو گئی اور اسی قربت کا نتیجہ ہے کہ ان کے چند ہی روز بعد امام علی ذاکرۃ السلام میں امامت قدیمہ جو جناب علی مرتضیٰ سے نسلاً بعد نسل چلی آتی تھی۔ نیز وہ امامت قائم قیامت جس کا چراغ پہلے پہل حسن بن صباح کے اخیر میں روشن ہوا، دونوں امامتیں جمع ہو گئیں اور یکا یک انوار لم یزلی ہیجان میں آ گئے۔ بس اسی دن سے تمام تکلیفات شرعیہ بندوں پر سے اٹھا دی گئیں۔ رمضان کی ۲۷ کو اس قربت پر نور کا جلوہ نظر آیا تھا اور مومنین شرعی ان قیدوں سے آزاد ہوئے تھے۔ اسی سبب سے وہ دن ہمارے لئے عید ہے۔

حسین: (متحیر ہو کے) مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ شب و روز ریاضت ہی میں مشغول رہتے ہیں اور آپ ہی کی طرح اس فرقہ ناجیہ کے جتنے پیرو مجھے ملے، سب پابند شرع، بڑے محتاط اور بڑے متقی و پرہیز گار نظر آئے۔

شیخ: جو لوگ عرفان و حقیقت کے مدارج طے کرنا چاہتے ہیں، ان کو مشکلات ریاضت طے کرنی پڑتی ہیں، مگر مومنین پر فرض اب کوئی عبادت نہیں۔ خاصۃً ان برگزیدگان لم یزلی کے لئے جو امام قیامت سے تقرب رکھتے ہیں۔

حسین: مگر اے وادی ایمن! میرا دل آپ کی توجہ کا محتاج ہے، تکلیفات شرعیہ کا اٹھا دینا ایک ایسی چیز ہے جس سے میرے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔

شیخ: (برہمی کے ساتھ) اتنے مدارج طے کرنے پر بھی شک؟ سروشستان عالم نور کی سیر کر چکنے کے بعد شک؟ اب یہ شک نہیں، گستاخی ہے، جانتا ہے کہ ساری عبادتیں خداوند جل و علی کی قربت حاصل کرنے کے لئے ہیں اور جب وہ قربت حاصل ہو جائے تو پھر کسی عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم نے سنا ہے اور دیکھ بھی لیا ہو گا کہ جنت میں کوئی شخص عبادت کا مکلف نہیں۔ اس کا یہی منشا ہے کہ ہم قرب انوار لم یزل کے لئے عبادت کرتے ہیں اور وہاں ہر ایک کو یونہی حاصل ہوتا ہے۔

حسین: بے شک، وہ منزل مقصود ہے اور عبادت کا راستہ، جنت میں پہنچ جانے کے بعد فی الحقیقت کسی عبادت کی ضرورت نہیں، لیکن جو لوگ ابھی اس کے باہر ہیں، ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ منزل مقصود کو پہنچ گئے یا چل رہے ہیں، یہ راستے میں ہیں لہٰذا ان کو عبادت کی بھی ضرورت ہے۔

شیخ: (انتہا سے زیادہ از خود رفتہ ہو کے اور منہ میں کف بھر لا کے) اس پیکر خاکی کو شبہات ہی نے خراب کیا ہے۔ برابر شک کرتا ہے اور اپنے شکوک میں بڑا ضدی ہے، سن اے حسین! امام قائم قیامت نے جو اپنے آپ کو بتایا کہ وہ اس عالم نور میں ہیں اور جزو عنصری سے باہر اس کے یہی معنی تھے۔ گو بظاہر ان کا جسد اس عالم مادی میں نظر آتا ہے مگر دراصل وہ ان مادیات سے دور سروشستان اعلیٰ میں ہیں اور ان سے ملنے اور ان کے جوار میں رہنے کے یہی معنی ہیں کہ گویا انسان اس تیرہ ظلمت کدۂ ارض سے نکل کر لاہوت اکبر کے قریب جا پہنچا۔ پھر وہاں پہنچ جانے کے بعد عبادت کیسی؟

حسین: بجا ہے، میرا شبہ دور ہو گیا، آپ کی تقریر سے ہمیشہ ایسے شکوک دور ہو جاتے ہیں اور یہی اطمینان حاصل کرنے کے لئے میں اپنے شبہوں کو بلا تامل آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں۔

شیخ: خیر، تم اس امتحان میں بھی پورے اترے ہو، اب تم کو امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجتا ہوں، جاؤ اور ان کے احکام کو بلا عذر اطاعت کرو، آج صفر کی ۲۰ ہے، رمضان کی ۲۷ کو عید قائم قیامت ہو گی، اس تاریخ کو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی وہاں آؤں گا اور شیخ طورِ معنی بھی وہاں موجود ہوں گے، اگر اتنے دنوں میں تم نے امام قائم قیامت پر اپنی عقیدت کیشی واطاعت کا پورا اثر ڈال دیا تو میں تمہاری سفارش کروں گا اور طورِ معنی بھی کریں گے اور اسی وقت تم کو زمرد سے ملنے میں کامیابی بھی حاصل ہوگی۔ مگر خیال رکھو کہ اس اعلیٰ دربار میں انسان کے سر سے بہت سے تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں۔ وہاں کی اطاعت وعبادت صرف انقیاد ہے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر اس کا علاج نہ میرے پاس ہے، نہ کسی اور شخص کے پاس، اس درگاہ کا راندہ مردود ازلی اور رحمت الٰہی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہے۔

حسین: میں کسی حکم سے سرنہ پھیروں گا۔

شیخ: وہ ایسا مقام ہی نہیں جہاں تم اپنے دل کے شکوک کو اسی بے تکلفی سے ظاہر کرو، جس طرح میرے سامنے کرتے ہو۔

حسین: کبھی کسی امر میں شک نہ کروں گا۔

شیخ: اگر اتنے مضبوط ہو تو کل صبح تم یہاں سے روانہ ہو کر الموت کی راہ لو۔ میں ایک خط لکھ دوں گا، اسے لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہونا اور جب تک وہاں سے یا مجھ سے کوئی حکم نہ ملے، اس دربار کو نہ چھوڑنا۔

حسین: ہرگز نہیں (یہ کہہ کے اس نے شیخ کے قدم چوم لئے)

دوسرے دن علی الصباح وہ شیخ علی وجودی سے خط سفارشی لے کے رخصت ہوا اور مشرق کی راہ لی، چند روز میں بغداد واصفہان ہوتا ہوا علاقہ رود بار میں پہنچا۔ اس سفر میں وہ اپنے ہم مذہبوں کو حوروں کے بوسوں کے نشان سے بے کچھ کہے سنے پہچان لیا کرتا تھا، جو ہر شہر وقریہ میں ملتے تھے اور اس کے ساتھ نہایت ہی خلوص وعقیدت سے پیش آتے تھے۔ دیلم کے ایک گاؤں میں ایک باطنی شخص جو اپنی پیشانی کے نشان سے بتا رہا تھا کہ وہ بھی جنت الفردوس کی ہوا کھا آیا ہے، حسین کو نہایت ہی خلوص و پاک دلی سے اپنے گھر لے گیا اور کئی دن تک مہمان رکھا۔

اس شخص کے گھر پر ایک صحبت میں کئی ایسے باطنی جمع ہوئے جن کو اسی دو سال کے اندر جنت کی ہوا کھلائی گئی تھی۔ لوگوں نے صحبت کو اغیار سے خالی اور اپنے ہم عقیدہ وہم خیال لوگوں ہی پر محدود دیکھ کے باہر جنت کا تذکرہ شروع کیا۔ اثنائے کلام میں ایک شخص بولا "مگر مجھے جنت میں بھی ایک تمنا رہ گئی۔"

دوسرا: (حیرت سے) وہ کیا؟

پہلا: وہاں ایک ایسی دل فریب نازنین نظر آئی کہ دل بے اختیار ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن خدا جانے کیا بات تھی کہ ہزار کوشش کی مگر اس آفت زمانہ حور نے بات کا جواب تک نہ دیا۔

دوسرا: واقعی تعجب کا مقام ہے، جنت میں تو ایسا نہ ہونا چاہئے، کسی حور کی طرف تمہارے دل کا میلان ہوا اور وہ التفات نہ کرے تو یقیناً سارا لطف خاک میں مل جائے گا۔

یہ سن کر ایک تیسرا شخص بول اٹھا: "حقیقت میں اس قسم کے بعض نقصانات وہاں انسان کو نظر آجاتے ہیں، اس مسئلے کو میں نے شیخ کے سامنے بھی پیش کیا تھا جنہوں نے بہت آسانی سے میرا اطمینان کر دیا۔ انہوں نے بڑے جوش وخروش سے کہا تھا اور گویا اس وقت بھی میرے کان میں کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے مادی پیکر کے ساتھ ہزارہا کثافتیں اور دنایتیں لے کے تو اس عالم نور میں جاتے ہو اور پھر امید کرتے ہو کہ سروشستان کو اسی پاک ومجرد حیثیت سے دیکھو جس طرح غیر مادی آنکھیں دیکھتی ہیں، خود تمہارے نقصان اور تمہارے مادی عجز ہیں جو اس حیز نور کو معیوب دکھاتے ہیں۔

پہلا: اور وہاں میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اس حور میں ذرا سا نقصان موجود تھا، پھر تم کو اپنی مادی آنکھوں سے اور زیادہ بدنما نظر آیا تھا۔

دوسرا: بے شک، یہی سبب ہوگا، اول تو اس حور میں

ذرا سا نقصان موجود تھا، پھر ہمیں اپنی مادی آنکھوں سے اور زیادہ بدنما نظر آیا۔

حسین: (کسی قدر تعلق خاطر سے) اور کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حور کا نام کیا تھا؟

پہلا: ہاں، مجھے بتایا گیا کہ اس کا نام زمرد ہے اور میری حور نے جس کے آغوش کا مزہ زندگی بھر نہ بھولے گا، یہ بھی بتایا کہ اسے کسی خاکی پیکر سے اس قدر تعلق ہے کہ جنت کی سیر کرنے والوں میں کسی کی طرف التفات نہیں کرتی۔

دوسرے دن حسین یہاں سے رخصت ہو کر آگے روانہ ہوا اور دو ہی چار روز میں قلعہ الموت کے پھاٹک پر کھڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

مردود ازلی:..... قلعہ الموت کے پھاٹک پر حسین روکا گیا اور چونکہ اندر داخل ہونے کا اجازت نامہ نہیں پیش کر سکا، لہٰذا وہی خط جو شیخ علی وجودی نے لکھ دیا تھا، اس سے لے کر قلعہ دار کے پاس بھیجا گیا۔ پھر رکن الدین خورشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا، جو ان دنوں تمام باطنین کا امام اور علی ذاکرۃ السلام کا پوتا تھا، خورشاہ کا ہنور اٹھتا شباب تھا، مگر چونکہ ان لوگوں کی عقیدت میں امام پیدا ہوتے ہی امام ہوتا ہے، لہٰذا ان کے تقدس ووجاہت میں نوعمری سے کوئی فرق نہیں ہونے پاتا۔ ان کے نزدیک اگر رتبہ امامت حاصل ہو تو ایک چھ برس کا بچہ اور ساٹھ برس کا بوڑھا دونوں یکساں معصوم ہیں اور دونوں کے احکام یکساں طریقے سے واجب التعمیل ہیں۔ یہ سلطنت اور یہ مذہب دونوں حسن بن صباح کی بے نظیر کوششوں سے قائم ہوئے تھے جس کو اب ڈیڑھ سو برس گزر چکے تھے اور باوجود یہ کہ دنیا میں بڑے بڑے انقلاب ہو گئے مگر اس خاندان کا وہی دور دورہ رہا۔ بعض دلیر اور اولوالعزم حملہ آوروں نے دو ایک مرتبہ یہاں سیاسی قوت کو ضرر پہنچایا مگر بعض اثرات پہلے سے زیادہ ترقی پر ہیں اور الموت کا قلعہ اسی طرح مامون ومحفوظ چلا آتا ہے جس پر مخالفت کے ساتھ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔

مذہبی مقتدائی کا تاج تو یہاں کے تاجداروں کے سر پر ابتداء ہی سے تھا مگر علی ذاکرۃ السلام کے عہد سے یہ لوگ اپنے آپ کو امام اور یادگار خاندان نبی فاطمہ بھی کہنے لگے۔ اس لئے کہ ذاکرۃ السلام نے دعویٰ کیا کہ جب میں بچہ تھا تو نزار بن مستنصر فاطمی کے پوتے سے مخفی طور پر بدل لیا گیا۔ اس وقت ان لوگوں نے علانیہ امامت کا دعویٰ کر دیا اور اب اپنے آپ کو نور محض اور لاہوت وناسوت کا برزخ ظاہر کرتے ہیں۔ جو لوگ بادشاہ یا امام کے احکام بے عذر، بے حجت، آنکھیں بند کر کے، بجالاتے ہیں اور جن کے خنجر سے سارا زمانہ کانپ رہا ہے، فدائی کہلاتے ہیں، ان کی یہ حالت ہے کہ مقتدا اور فرماں روا کے حکم پر جان دینا اور خودکشی ہی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ انہی فدائیوں کی وجہ سے جو رعب والدبدبہ رکن الدین خورشاہ کے دربار میں ہے، شاید اس عہد کے کسی بادشاہ کے دربار میں نہ نظر آتا ہوگا، یہاں کسی کی اتنی بھی مجال نہیں کہ بادشاہ کے سامنے بے ادبی ومخالفت کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

شیخ علی وجودی کا خط دیکھتے ہی حسین کو بازیابی کی اجازت دی گئی۔ حسین نے سامنے جا کے جیسے ہی فرماں روائے الموت کی صورت دیکھی ہودج کے قدموں پر گر پڑا اور چلایا:

"ہذا امامی! ہذا امامی" رکن الدین اس کے اٹھانے کے لئے جھکنے ہی کو تھا کہ اہل دربار میں سے بعض ممتاز لوگوں نے اسے اٹھا کے کھڑا کیا اور کہا: "بے شک یہی امام زمانہ ہیں اور نور محض ہیں مگر ادب وصبر سے کام لو اور جو التجا ہو، پیش کرو۔"

خورشاہ: اے نوجوان آملی! تجھ میں کیا بات ہے کہ وادی ایمن تیری انتہا سے زیادہ تعریف کرتے ہیں، وہ تیرے علم وفضل کے بھی مداح ہیں اور تیری بہادری وجاں بازی کے بھی۔

حسین: (ادب سے زمین چوم کر) صرف اسی سبب سے کہ میں نے ان کی خدمت گزاری میں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور کبھی اس بحرِ حقیقت کے حکم سے انحراف کرنے کی جرأت نہیں کی۔

خورشاہ: اور اب شیخ نے تجھے کس غرض سے یہاں بھیجا ہے؟

حسین: یا امام قائم قامت! میں فردوس کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔

خورشاہ: (غور کر کے) ابھی تک تو ان لمعات انوار لم یزل سے یہی آواز آرہی ہے کہ لن ترانی۔

حسین: یا امام قائم قیامت کی توجہ نے شفاعت کی تو ممکن نہیں کہ میری آرزو بر نہ آئے۔

خورشاہ: اے بوالہوس پیکر خاکی! ابھی اس کے متعلق تجھے کسی قسم کی امید نہیں دلائی جاسکتی۔ یہ کہہ کے خورشاہ ایک اور شخص کی طرف متوجہ ہونے کو تھا کہ حسین آبدیدہ ہو کے اور پُر درد اور مایوسی کی آواز میں کہا: ”تو اس ادنیٰ جاں نثار بارگاہ امامت کو اجازت ملے کہ اس آستانے پر ٹھہر کے اس وقت کا انتظار کرے جب کہ یہ آرزو بر آئے گی۔ آئندہ عید قائم قیامت کے موقع پر پروادیِ ایمن بھی یہاں تشریف لائیں گے اور کیا عجب کہ اس دن جب کہ قائم قیامت اور امام یک جا ہوں گے اور مخلوق کو خالق سے یا پرتو کو نور سے زیادہ قربت ہوگی، میری دعا قبول ہو جائے۔

خورشاہ: اچھا، ٹھہرو، مگر یہ خیال رہے کہ یہاں کے امتحان زیادہ سخت ہیں۔

حسین: میں ہر قسم کے امتحان دینے کو تیار ہوں۔

خورشاہ نے اس کے بعد دوسرے شخص کی طرف توجہ کی اور پوچھا ”دیدار کب آئے؟“

دیدار: (ہاتھ جوڑ کے) آج ہی صبح کو۔

خورشاہ: اور جس کام کے لئے گئے تھے، وہ پورا ہو گیا؟

دیدار: میرا خنجر کبھی خالی گیا ہے؟ اگرچہ مہم دشوار تھی مگر جنت کے شوق میں وہاں پہنچا اور امام کے حکم کو نہایت کامیابی سے پورا کیا۔

خورشاہ: ہاں، بیان کرو، تم نے چغتائی خان کو کیوں قتل کیا؟

دیدار: یا امام قائم قیامت! ترکستان میں اس جاں نثار کا نام متقی تھا۔ وہاں کی مختلف صحبتوں میں شریک ہو کے فدوی نے ایسی ہر دل عزیزی پیدا کی کہ منقو خان چغتائی خان کے بہادر بیٹے کے دل میں مجھ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے مجھے بلوا کے اپنے گھر میں رکھا اور کئی مہینے تک یہی حالت رہی کہ جب تک میں نہ ہوتا، کسی بات میں اس کا دل ہی نہ لگتا۔ اس نے مجھے اپنے باپ سے ملایا۔ چغتائی خان بھی میری باتوں کا دیوانہ تھا۔ چند روز تک باپ بیٹوں کا میرے سوا کوئی انیس و جلیس نہ تھا۔ چغتائی خان اپنی ذات سے ایسا زبردست اور قوی ہیکل واقع ہوا تھا کہ اس پر حملہ کر کے کامیاب ہونا مجھے نہایت دشوار نظر آیا اور اس وجہ سے مجھے کئی مرتبہ موقع ملنے پر بھی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ایک روز رات کو جب ہلاکو خان کسی بڑی مہم سے آیا تھا اور منقو خان اس سے ملنے گیا تھا، چغتائی خان مجھے تنہائی میں سوتا ہوا مل گیا۔ اس سے زیادہ مناسب موقع ملنے کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ میں نے چپکے ہی چپکے اس کے ہاتھ پاؤں تک رسی سے باندھ دیئے اور پھر اس پر چڑھ کے اس کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد میں واپس چلا آیا۔ مگر مجھے حکم ہوا تھا کہ ان لوگوں کو بتا بھی دوں کہ چغتائی خان قتل کر دیا گیا۔ اس غرض کے لئے ان تمام حالات کو ایک خط میں لکھ کے میں نے پہلے ہی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اب اسی خط کو لے کے ہلاکو خان کی فرودگاہ کی طرف چلا۔ خوش نصیبی سے چغتائی خان کی بیٹی راستے میں مل گئی جو ہلاکو خان سے مل کے اپنے گھر کو آرہی تھی۔ رات کے اندھیرے میں، میں نے وہ خط اس کے ہاتھ میں چپکے سے رکھ دیا اور بھاگ کے قریب کے جنگل میں چھپا رہا۔ دوسرے دن صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ قراقرم ماتم کدہ بنا ہوا ہے اور ہر شخص کو میری جستجو ہے۔ بعدہ، موقع پا کے میں نے ایک غار میں پناہ لی اور پورے آٹھ دن تک اسی میں

چھپا بیٹھا رہا۔ نویں دن جب میدان خالی نظر آیا تو اس غار سے نکل کے ادھر کو روانہ ہوا۔ تین مہینے بعد اب آستان بوسی کو عزت حاصل کر رہا ہوں۔

خورشاہ: بے شک، دیدار، تم نے بڑا کام کیا اور مستحق ہو کہ تمہیں آج ہی جنت کی سیر کرائی جائے۔

یہ سنتے ہی دیدار خورشاہ کے قدموں میں گر پڑا۔ خورشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اسے اٹھایا اور ساتھ ہی لے جانے کو تھا کہ حسین نے از خود رفتگی کے جوش کے ساتھ کہا ”اے بے رحم بادشاہ! میں سب سے زیادہ جنت میں جانے کا آرزومند ہوں اگر یوں نہیں تو میرا امتحان لیا جائے۔ بتایا جائے کہ میں بھی کسی کو قتل کروں۔ آہ! زمرد کے فراق میں صبر نہیں ہو سکتا۔

خورشاہ: ابھی نہ تمہارا امتحان لیا جاسکتا ہے اور نہ تم کو باغ فردوس میں جانے کا کوئی استحقاق ہے۔

حسین: (جوش و خروش سے) مجھ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں۔ میں نے امام نجم الدین نیشاپوری کی زندگی کا چراغ گل کیا ہے۔ امام نصر بن احمد کے خون میں ہاتھ رنگ چکا ہوں۔ اب اس کے بعد بھی کوئی مجھ سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے؟ میں صرف اپنی بے صبری ہی کی وجہ سے مستحق نہیں بلکہ ایک مینو نشین حور بھی میرے لئے حیران و پریشان ہے۔

یہ گستاخانہ جملہ سنتے ہی سب چونک پڑے۔ بعض حسین پر حملہ کرنے کو جھپٹے۔ قریب تھا کہ اردگرد کے قوی ہیکل فدائی اس کی بوٹیاں اڑا دیں کہ خورشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو روکا اور نہایت ہی متانت کے ساتھ حسین کا حال دیکھ کے بولا ”اس گستاخی اور بدتمیزی کی سزا میں تم سے کہا جاتا ہے کہ فوراً قلعے سے باہر نکل جاؤ۔ تم اس لائق نہیں کہ فردوس بریں کی پاک زمین تمہارے قدم سے ناپاک کی جائے۔ تمہاری سزا قتل تھی۔ چند ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے میں تمہارے قتل کو مناسب نہیں خیال کرتا۔ مگر اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس قلعے میں ایک گھڑی بھر کے لئے بھی ٹھہرنے پاؤ۔“

حسین کو فوراً اپنی گستاخی کا خیال آیا۔ ایک بے اختیاری کی شان سے وہ زمین پر گر پڑا اور عاجزی کے لہجے میں رو رو کے کہنے لگا ”یا امام قائم قیامت! میری خطا معاف ہو۔ میں جوش عشق میں بے اختیار و بے خود ہو گیا تھا“ لیکن بالکل شنوائی نہ ہوئی اور خورشاہ دیدار کو لئے ہوئے اپنے محل میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی لوگوں نے حسین کو زبردستی دھکے دے کے قلعے سے نکال دیا۔ اس نے ہزار منت سماجت کی مگر ایک پیش نہ گئی، بلکہ بعض لوگوں نے کہا کہ تم بڑے خوش نصیب تھے کہ صرف خارج البلد کئے جاتے ہو ورنہ یہاں گستاخی کی سزا قتل ہے۔

حسین: پھر اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟

لوگ: ہم نہیں جانتے، تمہیں اختیار ہے۔

حسین کی مایوسی کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی، صرف یہی نہ تھا کہ وہ زمرد کے وصال سے مایوس ہو گیا ہو بلکہ اپنے آپ کو رحمت باری اور نجات سرمدی سے بھی دور سمجھتا تھا۔ اس کے عقیدے میں تھا کہ جب میں اس درگاہ سے مردود ہو گیا تو پھر کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ غرض الموت کے باہر پہاڑوں میں روتا ہوا اور چٹانوں سے سر ٹکراتا تھا۔ دل میں آئی کہ اپنے شیخ علی وجودی کے پاس جا کے ان سے معافی کی درخواست کرے مگر خیال کیا اس بارگاہ امامت سے نکالے جانے کے بعد وہ بھی اپنے ہاں پناہ نہ دیں گے۔ خیال ہر طرف لے جاتا اور ہر طرف سے مایوسی کے آثار نظر آتے۔ آخر اسے زمرد کی نصیحت یاد آئی اور اس کے ساتھ ہی کوہ البرز کی گھاٹی اور زمرد کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ یکایک آپ ہی کہہ اٹھا ”تو مجھے وہاں چلنا چاہئے۔ پس اب میرے لئے وہاں کے سوا اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں“ مگر اس کے ساتھ ہی دل میں خیال گزرا کہ اب تو وہاں بھی مقدوری کی امید نہیں۔ جب اس نورستان اور سروشستان سے میرے تعلقات مطلقاً قطع کر دیئے گئے تو وہ بھی مجھ سے ناخوش ہوگی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر بالفرض خوش بھی ہو اور وہ قدیم محبت اس کے دل میں باقی بھی ہو تو یہ کیوں کر ممکن ہوگا کہ امام اور مرشد کے خلاف وہ مجھے کسی قسم کی مدد دے سکے۔ اب یہ بھی امید نظر نہیں آتی کہ پہلے کی طرح اور وعدے کے مطابق وہ مجھے کامیابی کا کوئی راستہ بتا سکے۔ یہ خیال کر کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ بار بار دل میں آتی تھی کہ انہی پہاڑوں سے ٹکرا کے خودکشی کرے مگر اس میں اور زیادہ مایوسی کا یقین تھا۔ آخر اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا چلو، زمرد ہی کی قبر پر چل کے بیٹھوں۔ اگر دل کی الجھن زیادہ بڑھے گی تو اس حوروش کی قبر کو سینے سے لگا لوں گا۔

یہ فیصلہ کر کے وہ روتا اور سر دھنتا ہوا پہلے قزوین گیا۔ پھر قزوین سے نکل کر کوہ البرز کی اتنی پرانی گھاٹی پر پہنچا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ اتنے انقلاب، اتنی سرگردانی کے بعد اب پھر وہ معشوقۂ دلبر کی تربت کا مجاور ہے۔ اسی طرح شب و روز عبادت و فاتحہ خوانی میں مصروف رہتا ہے۔ قبر کے پاس بیٹھ بیٹھ کے گھنٹوں زمرد کے خیال سے باتیں کرتا ہے اور بار بار رو رو کے کہتا ہے ”اے مینو نشین نازنین! خدا کے لئے اپنی قبر کی طرف توجہ کر اور دیکھ کہ میں کیسا حیران و پریشان ہوں۔ آہ! تیرے عشق اور تیرے فراق کی بے صبری نے دونوں جہان سے کھو دیا۔ نہ اس دنیا ہی کے کام کا رہا اور نہ اس عالم کے کام کا۔ او معشوقہ اور بارگاہ لم یزل کی نازنین، میرے حال زار پر توجہ کر، اس درگاہ میں میری شفاعت کرو اور اپنی محبت کا صدقہ، مجھے اپنے وصل سے مایوس نہ رکھ۔“

یہی خیال تھے جن کو وہ قبر کے سامنے ظاہر کرتا اور یہی دعا تھی جو ہر وقت اس کے لب پر تھی۔ آخر ایک دن اس کی امید بر آئی۔ صبح سویرے آنکھ کھول کر دیکھا تو قبر پر زمرد کا خط رکھا ہوا تھا۔ ایک نہیں، بلکہ دو خط، جن میں سے ایک لفافے میں بند تھا اور دوسرا کھلا ہوا۔ حسین نے دونوں خطوں کو اٹھا کے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر کھلے خط کو پڑھنے لگا، جس میں مضمون حسب ذیل تھا:

حسین تو نے بڑی غلطی کی، امام قائم قیامت کی خدمت میں اور گستاخی! عظیمت ہے کہ تو بچ گیا۔ افسوس کہ میں اپنے دل کو تیری طرف سے نہیں پھیر سکتی۔ چند روز کے لئے یہاں آ کر تو مجھے اور بے تاب کر گیا اور اسی بے تابی کا نتیجہ ہے جو میں تجھے خط لکھ رہی ہوں۔ افسوس! میں وہ کام کرنے پر آمادہ ہو گئی جو مجھے کرنا نہ چاہئے تھا، مگر مجبوری تھی۔ جو بات ہونے والی تھی کیوں کر رکتی۔ خیر، اب تو مستعدی سے میری تدبیر پر کار بند ہو۔ مگر یہ سمجھ لے کہ یہ بہت ہی نازک کام ہے، جسے ضبط و تحمل سے انجام دینا چاہئے۔ اگر تو نے ذرا بھی میرے مشورے کے خلاف عمل کیا تو تجھے ضرر پہنچے گا اور پھر ہم کبھی نہ مل سکیں گے۔ یہ آخری اور سخت تدبیر ہے اور اس کے عمل کے لانے پر میں اس وقت مجبور ہوئی ہوں جب یہ یقین ہو گیا کہ تیرے لئے اب امید اور آرزو کے سب دروازے بند ہو گئے۔ یہ دوسرا خط تجھے اس خط جو کے ساتھ ملے گا اور بند ہے، اسی طرح بند رکھ۔ اس کو لے کے مشرق کی طرف روانہ ہو اور سیدھا شہر قراقرم میں جو کاشغر کے قریب ہے، پہنچ۔ وہاں مغلوں کی شاہی خاندان میں ایک ملکہ ہے، بلغان خاتون، اس سے تنہائی میں ملنے کی کوشش کر اور میرا یہ خط اسے دے دے۔ اس امر کی کوشش نہ کر کہ اس میں کیا لکھا ہے اور نہ اس امر کو بلغان خاتون سے پوچھنا۔ وہ تجھ سے جو سوال کرے، بس اس کا صحیح جواب دے دے اور ملکہ بلغان خاتون جس امر کا ارادہ کرے، اس میں اس کی پیروی کر، اگر وہ تیرے ساتھ آنا چاہے تو اسے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہوں، ان سب کو میری قبر پر لا کر کے کھڑا کر دے۔ بلغان خاتون غالباً تجھ سے اخلاق سے پیش آئے گی اور یقین ہے کہ اپنی قوم کے ایک لشکر کے ساتھ ادھر آنے کا ارادہ کرے گی، تو خوشی سے اس کی رہبری کرنا اور منتظر رہ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

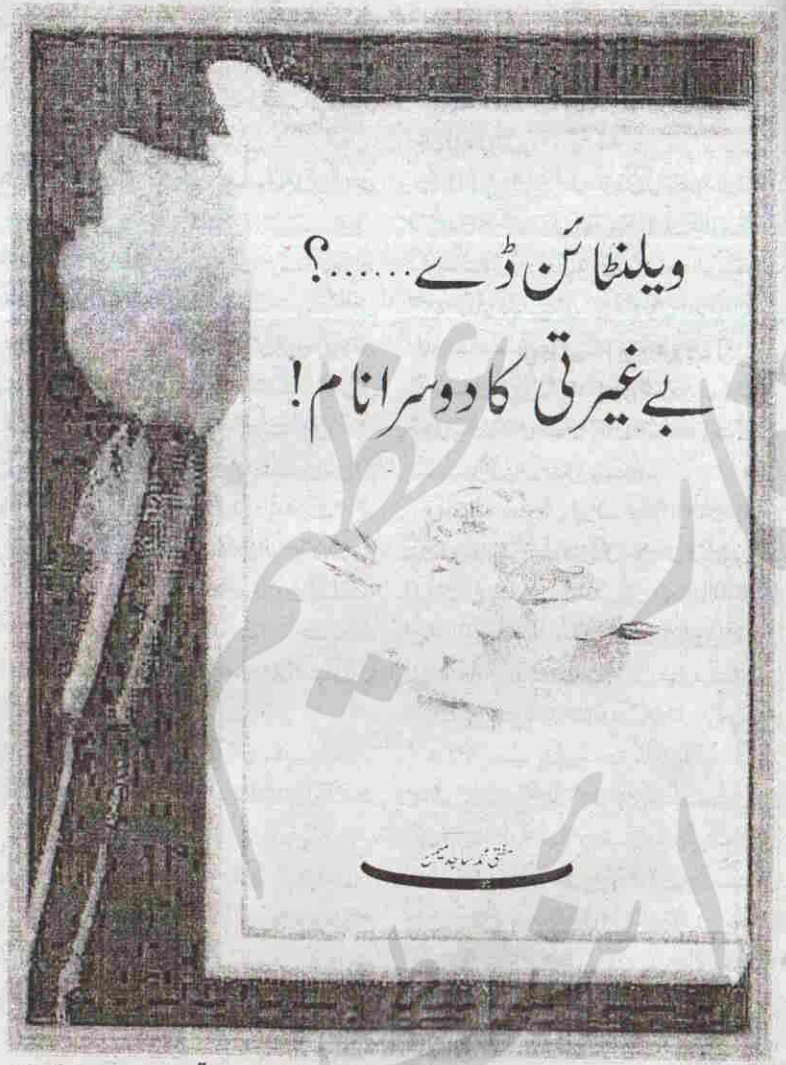

جیسے جیسے فروری کا مہینہ شروع ہوتا ہے، ہر جگہ ویلنٹائن ڈے منانے کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو جاتی ہیں، ہوٹلس، بیئر بار اور نائٹ کلب کا تو کیا کہنا! آج کل تو پورا کا پورا بازار اور گفٹ شاپس اسی ویلنٹائن ڈے کے سرخ رنگ اور دل کی علامت والے تحفے تحائف سے مزین ہو جاتی ہے، سونے پر سہاگہ یہ کہ موجودہ ذرائع ابلاغ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا رہی سہی کسر کو پورا کرتے ہوئے اس میں چار چاند لگا دیتا ہے اور پھر 14 فروری کو بڑے دھوم دھام کے ساتھ محبت کے نام پر داد عیش دی جاتی ہے، جام و سرور کا بازار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرم ہوتا ہے، شراب و شباب کی محفلیں جم جاتی ہیں اور آزادی کے نام پر آزادی کی تمام حدیں پار کی جاتی ہیں اور محبت جیسے پاکیزہ اور مقدس رشتے کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ اب یہ سارے کام صرف ہوٹل کے بند کمروں، نائٹ کلبوں ہی میں نہیں ہوتا بلکہ یہ تماشا گلی گلی اور ہر چوراہے پر پیش کیا جارہا ہے۔

پہلے پہل محبت کا یہ بدنام دن صرف امریکہ اور یورپ کی اخلاق واقدار سے عاری تنگ وتاریک محفلوں اور جھومتے گاتے نائٹ کلب کی بزم میں ہی روایتی انداز سے منایا جاتا تھا مگر آج تو ہر جگہ مغرب اور اس کی بدبخت تہذیب کی اندھی تقلید کا دور ہے، اہل مشرق جہاں ان کی نقالی اور رسم ورواج کو اپنانے ہی میں اپنا طرہ امتیاز جان رہے ہیں اور اخلاق واقدار کے تار پود بکھیرنے والے رسم ورواج، عید وتہوار اور خصوصی دنوں کو دین وشریعت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر بلا چوں چرا ماننے، منانے اور جشن کرنے کو اپنے مہذب اور مثقف ہونے کی علامت سمجھ رہے ہیں تو وہیں ویلنٹائن ڈے بھی اسی میں شامل ہوگیا ہے۔

ہمارے اکثر مسلمان بھائی بہن جانتے ہی نہیں کہ یہ ویلنٹائن ڈے آخر کیا ہے؟ آیئے، ذرا اس کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں۔

یوم محبت (ویلنٹائن ڈے) کی حقیقت اور تاریخ

ہر سال 14 فروری کو منایا جانے والا یہ دن در اصل موجودہ عیسائیوں کی ایک عید ہے جس میں وہ اپنے مشرکانہ عقائد کے اعتبار سے خدائی محبت کی محفلیں جماتے ہیں، اس کا آغاز تقریباً 1700 سال قبل رومانیوں کے دور میں ہوا جب رومانیوں میں بت پرستی عام تھی اور رومانیوں نے پوپ والنٹائن (ویلنٹائن) کو بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرنے کے جرم میں سزائے موت دی تھی لیکن جب خود رومانیوں نے عیسائیت کو قبول کیا تو انہوں نے پوپ ویلنٹائن (ویلنٹائن) کی سزائے موت کے دن کو یوم شہید محبت کہہ کر اپنی عید بنالی۔

14 فروری کو ویلنٹائن ڈے کی کچھ اور مناسبتیں بھی بیان کی جاتی ہیں:

(۱).....14 فروری رومیوں کی ایک مقدس معبودہ (معبود کی مونث، دیوی) یونو یا جونو کا دن تھا، اس معبودہ کے بارے میں رومیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کے سب معبودوں کی ملکہ ہے اور اس کو عورتوں اور شادی کے معاملات کے لیے خاص سمجھا جاتا تھا، پس اسی کفریہ عقیدے کی بنا پر اس معبودہ کا دن منانا عورتوں، محبت اور شادی یا بغیر شادی کے ہی شادی والے تعلقات بنانے کے لیے خاص جان کر منایا جانے لگا۔

(۲).....رومیوں کی ایک اور معبودہ لیسیوس نامی بھی تھی، جو ایک مونث بھیڑیا تھی، رومیوں کا عقیدہ تھا کہ اس لیسیوس نے روم کے دونوں بانیوں Rumulus اور Remus کو ان کے بچپن میں دودھ پلایا تھا، پس اس 14 فروری کو انہوں نے محبت نامی عبادت گاہ میں اس بھیڑیا معبودہ کا دن منانا شروع کیا، اس عبادت گاہ کو محبت نام اس لیے دیا گیا کہ ان کے کفریہ عقیدے کے مطابق ان کی یہ بھیڑیا معبودہ روم بنانے والے دونوں بچوں کو محبت کرتی تھی۔

(۳).....قدیم رومی بادشاہ کلاڈیس 2 نے رومی مردوں کی مطلوبہ تعداد کو اپنی فوج میں شامل کرنے میں کافی مشکلات محسوس کیں، کلاڈیس نے جب اس کا سبب تلاش کیا تو پتہ چلا کہ شادی شدہ مرد اپنی بیویوں اور خاندانوں کو چھوڑ کر فوج میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو کلاڈیس نے شادیوں سے ممانعت کا فیصلہ صادر کردیا، اس وقت کے روم کے ایک بڑے پادری ویلنٹائن نے اپنے بادشاہ کی بات کو غلط جانتے ہوئے اس کی خلاف ورزی کی اور اپنے گرجا میں خفیہ طور پر محبت کرنے والے جوڑوں کی شادیاں کرواتا رہا کچھ عرصہ بعد یہ بات بادشاہ

کو معلوم ہوگئی تو اس نے 14 فروری 269 عیسوی کو ویلنٹائن کو قتل کروادیا، اور یوں یہ ویلنٹائن محبت کرنے کروانے کے سلسلے میں ایک مثالی شخصیت بن گیا۔ قتل کیے جانے سے پہلے ویلنٹائن اور اس کے ایک اور ساتھی پادری ماریوس کو جیل میں قید رکھا گیا، اس قید کے دوران ویلنٹائن ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوگیا، جو غالباً جیلر کی بیٹی تھی، جو اس کو قتل والے دن یعنی 14 فروری کو دیکھنے یا ملنے آئی تو ویلنٹائن نے اسے ایک محبت نامہ دیا۔

(۴).....قدیم روم میں جوان لڑکے اور لڑکیوں کی ملاقات اور میل جول پر سخت پابندی تھی، سوائے ایک میلے یا عید کے موقع پر جسے Lupercalia لیوپیر کالیا کہا جاتا تھا، یہ عید بھی ایک جھوٹے باطل معبود Lupercus لیوپرکاس کی تعظیم کے لیے منائی جاتی تھی جسے رومی اپنے چرواہوں اور جانوروں کی حفاظت اور مدد کرنے والا سمجھتے تھے، اس دن جوان لڑکیاں اپنے نام کی پرچیاں بوتلوں میں ڈال کر رکھ دیتیں اور مرد یا لڑکے ان پرچیوں کو نکالتے جس کے ہاتھ جس کے نام کی پرچی لگتی ان کو ایک سال تک یعنی اگلی عید Lupercalia تک ایک دوسرے کے ساتھ تعلق استوار کرنے کی عام چھٹی ہوجاتی، کبھی وہ جوڑا شادی کر لیتا اور کبھی بغیر شادی کے ہی سال بھر یا سال سے کم کسی مدت تک میاں بیوی کی طرح رہتا، اس میلے یا عید کی تاریخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فروری تھی۔

ویلنٹائن ڈے پر تحائف وپھولوں کا تبادلہ:.....پندرھویں صدی کے آغاز میں اگن کورٹ Agincourt کی جنگ میں ایک فرانسی ریاست اورلینز کا نواب Duke of Orleans انگریزوں کے ہاتھ قید ہوا جسے کئی سال تک لندن کے قلعے میں بند رکھا گیا، وہاں سے وہ اپنی بیوی کے لیے عشقیہ شاعری بھیجتا رہا۔

اس کے تقریباً دوسو سال بعد ویلنٹائن کے دن پر پھول وغیرہ دینے کی رسم کا یوں آغاز ہوا کہ فرانس کے بادشاہ ہنری چہارم Henry IV کی ایک بیٹی نے پادری ویلنٹائن کا دن مناتے ہوئے یہ اہتمام کیا کہ ہر عورت اور لڑکی کو اس کا اختیار کردہ مرد یا لڑکا پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کرے۔

انیسویں صدی کے درمیان میں اس گندگی کو پھیلانے میں تیزی پیدا ہوئی کہ مخصوص کارڈز اور خصوصی گفٹ آئٹمز تیار ہونے لگے، امریکہ وغیرہ نے ان کارڈز کی ترسیل کے لیے ڈاک کے نرخ بھی کم کردیے، اور آہستہ آہستہ ابلیس کا شکار ہوکر بہت سے لوگ اپنی اپنی دنیا کمانے کے چکر میں طرح طرح کی ایجادات کرتے اور ان کو ہر ممکن طور نشر کرتے چلے آرہے ہیں۔

اس بات سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ دن مسلمانوں کا ہرگز نہیں اور جو کچھ اس دن میں کیا جاتا ہے اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، اسلام تو بہت بلند و برتر ہے، عیسائی کنیسا نے بھی اس ویلنٹائن دن میں ہونے والی خرافات کو کسی دین کے ساتھ منسوب رکھنا نامناسب سمجھتے ہوئے اس کی باقاعدہ سرپرستی ترک کردی، لیکن افسوس، مسلمانوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل، اپنی تجارت کو بڑھانے چمکانے کے لیے اس غیر اسلامی دن منانے کی رسم کی تمام تر ضروریات کو بدرجہ اتم مہیا کیا جاتا ہے، اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس عید یا دن کو منانے میں اب ہمارے مسلمان بھائی بہن بھی ابلیسی نعروں اور فکر کے زیر اثر شامل ہوتے ہیں، اور اس کے گناہ کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔

آیئے، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس دن اور اس دن میں کی جانے والی خرافات کا جائزہ لیتے ہیں، سب سے پہلے اسلام کے نظام عفت وعصمت پر نظر ڈالتے ہیں کہ اسلام میں شرم وحیا کی کیا اہمیت ہے اور اسلام نے اس کے سدباب کے لئے کیا کیا انتظامات اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعلیمات دی ہیں۔

اسلام کا نظام عصمت وعفت:..... اسلام کی بنیاد جن اعمال وافکار پر ہے، ان میں سے ایک اہم ترین اساسی عفت وعصمت ہے اور اسلام کی بے شمار تعلیمات اسی محور کے گرد گھومتی ہیں، اسلام اپنے پیروؤں کے لئے بالخصوص، اور پوری دنیا کے لئے بالعموم، جس معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، وہ ایک ایسا پاکیزہ اور صاف ستھرا معاشرہ ہے جس کے سر عفت وعصمت کا تاج ہو اور جس کے اعمال وافکار کے کسی گوشے میں بداخلاقی اور بے حیائی کی گنجائش نہ ہو۔ اس دنیا میں جتنے گناہ اور جتنے جرائم سرزد ہوتے ہیں، ان کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ یا زبان کی بے اعتدالی، جس میں بدزبانی بھی داخل ہے اور پیٹ کی خواہش پوری کرنے کے لئے کئے جانے والے تمام جرائم بھی، یا پھر جنسی خواہشات کے بے اعتدالی، جس میں عریانی وفحاشی اور بے حیائی کے تمام کام آجاتے ہیں۔ انسان نماز روزہ اور عبادات میں کوتاہی کرے تو اس کا براہ راست اثر تنہا اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، لیکن زبان اور جنسی خواہشات کے بے اعتدالی پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے اور بالآخر اسے تباہ وبرباد کر کے چھوڑتی ہے۔ چنانچہ اسلام ان دونوں معاملات میں انتہائی حساس دین ہے اور اس میں ان دونوں بے اعتدالیوں کی روک تھام کے لئے بڑے وسیع دوررس اور ہمہ گیر احکام دیئے گئے ہیں۔

فحاشی کی روک تھام اور اسلامی تعلیمات:..... فحاشی اور بے حیائی کے سدباب کے لئے اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، ان میں ان تمام بے اعتدالیوں پر کڑی بندش عائد کی ہیں جن سے خیالات بھٹکتے ہیں اور انسانی خواہشات بے قابو ہوتے ہیں اور وہ معاشرے میں کسی بھی حیثیت سے فحاشی و بے حیائی پھیلانے کا سبب بن سکتی ہیں، آیئے، اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:..... ''آپ مسلمانوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے پاکیزگی کا باعث ہے۔ بے شک اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔'' (سورۃ النور: ۳۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے:..... ''اور تم اپنے گھروں میں رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کی نمائش کرتی نہ پھرو۔''

''پس تم (نامحرم مردوں سے) نزاکت کے ساتھ بات نہ کرو، کہ جس شخص کے دل میں روگ ہو وہ لالچ کرنے لگے، اور قاعدے کی بات کرو۔'' (سورۃ احزاب: ۳۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:..... ''جو شخص مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان) اور اپنی ٹانگوں کے درمیان والی چیز (یعنی شرم گاہ) کی ضمانت دے دے (کہ اسے اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرے گا) میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' (بخاری)

ویلنٹائن ڈے میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں، ان پر غور کرتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات ان کے بارے میں کیا کہتی ہیں۔

پہلی خرابی، فحاشی و بے حیائی:..... ویلنٹائن ڈے میں سب سے بڑی خرابی جو پائی جاتی ہے وہ ہے فحاشی اور بے حیائی، کوئی بھی انسان جس میں ذرہ برابر بھی حیا و شرم ہو، وہ کبھی بھی اس طرح کے ایام منا کر فحاشی، بے حیائی کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اسلام، فحاشی اور بے حیائی کے بارے میں کیا کہتا ہے، آیئے اس پر نظر ڈالتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:..... ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے، عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمہیں منع کرتا ہے فحاشی سے، ناجائز کاموں سے اور سرکشی سے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں، (۱) بے حیائی، (۲) منکر یعنی ناجائز کام سے (۳) سرکشی سے۔

فحشاء:..... ہر اس برے اور بے حیائی کے کام کو کہا جاتا ہے جس کی برائی انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہو اور عقل و فہم اور فطرت سلیمہ کے نزدیک بالکل واضح ہو اور منکر کا اطلاق اس قول وفعل پر ہوتا ہے جس کے حرام اور ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:..... شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرہ: 268)، ایک اور جگہ ارشاد ہے:..... جو شخص شیطان کے پیچھے چلے تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور ناجائز کاموں کی تلقین کرے گا۔ (النور: 21)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:..... ''حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔'' (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 75)

دوسری جگہ ارشاد ہے:..... ''اگر آپ میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے وہ کریں۔ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4797)

دوسری خرابی، کفار کی مشابہت:..... جو لوگ اس دن کو مناتے ہیں، ان کا مقصد کفار ومشرکین کو خوش کرنا ہوتا ہے، قرآن وحدیث میں کفار ومشرکین کی نقالی اور مشابہت پر جو وعید آئی ہیں، ان پر نظر ڈالتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ایمان والے، ایمان والوں کی بجائے کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی مدد گاری نہیں ہاں اگر تم لوگ (کافروں کے شر سے) کوئی بچاؤ کرنا چاہو تو (صرف اس صورت میں ایسا کیا جاسکتا ہے)، اور اللہ تم لوگوں کو خود اپنے (عذاب) سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (سورۂ آل عمران/ آیت 28)

دوسری جگہ ارشاد ہے: اے ایمان والو! یہود یوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں دوست ہیں (تمہارے ہرگز نہیں) اور تم لوگوں میں سے جو کوئی انہیں دوست بنائے گا تو بے شک وہ ان ہی میں سے ہے، بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورۂ المائدہ/ آیت 51)

اور اللہ تو تعالیٰ کا فرمان ہے: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کچھ اور کو دین چاہے گا تو اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ (سورہ آل عمران/ آیت 85)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے جس قوم کی نقالی کی وہ اُن ہی (یعنی اُسی قوم) میں سے ہے) سُنن اَبوداؤد/ حدیث/ 4025 کتاب اللباس/ باب لبس الشھرۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ عام ہے اور اس میں سے کسی چیز کو نکالنے کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا لباس، طرز رہائش، عادات واطوار، رسم ورواج، کسی بھی معاملے میں کافروں کی نقالی کرنا جائز نہیں۔

اب چند صحابہ کرام کے اقوال کو پڑھیے اور غیر مسلموں اور کفار کی نقالی کے بارے میں ان کی رائے بھی معلوم کرتے جایئے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اللہ کے دشمنوں سے ان کی عیدوں (کے دنوں) میں دور رہو۔ سنن البیہقی الکبریٰ، کتاب الجزیۃ، باب ، 56

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دن کچھ تحفہ موصول ہوا، دریافت فرمایا: ماھذہ؟ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا اے امیر المؤمنین! یہ نیروز (تہوار) کا دن ہے (اور یہ اس تہوار کا تحفہ ہے) فرمایا: تو ہر ایک دن کو ہی نیروز بنالو

ابو اسامہ اس روایت کے ایک راوی فرماتے ہیں: (امیر المؤمنین) علی رضی اللہ عنہ نے اس چیز سے کراہت کا اظہار فرمایا کہ کسی دن کو نیروز کہا جائے۔ (حوالہ سابق)

عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: جس نے کفار کے شہروں میں رہائش گاہیں بنائیں اور ان کے تہوار اور میلے منائے اور ان کی نقالی کی یہاں تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اسی حال میں مرگیا قیامت والے دن اُس کا حشر اُن کافروں کے ساتھ ہی ہوگا۔ (حوالہ سابق)

تیسری خرابی، فضول خرچی:..... اس ویلنٹائن کے دن، یا عید محبت منانے کو ایک اور زوایے سے بھی دیکھتے چلیں کہ اس دن، اس نسبت سے اور اس کو منانے کے لیے جو کچھ بھی کیا جاتا ہے وہ قطعاً غیر ضروری ہے اور ان غیر ضروری چیزوں پر ایک پائی بھی خرچ کرنا فضول خرچی ہے، اور فضول خرچی کرنے والوں کا اللہ کے ہاں کیا رتبہ ہے وہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے: فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل/آیت، 27)

(ویلنٹائن ڈے) کے سلسلے میں علماء سعودیہ کا فتویٰ:

اللجنة الدائمه للبحوث العلميه والافتاء کو اس دن کے سلسلہ میں ایک مراسلہ موصول ہوا جس میں یوں تحریر تھا:

بعض لوگ ہر سال عیسوی میں 14 فروری کو یوم محبت (ویلنٹائن ڈے) کے نام سے ایک دن مناتے ہیں اور اس میں آپس میں سرخ گلاب کے پھولوں کا تحفہ دیا جاتا ہے، سرخ رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں، بیکری اور مٹھائیوں کی دکان میں سرخ رنگ کی مٹھائیاں اور کھانے تیار کئے جاتے ہیں اور اس پر دل کا نشان بھی بنایا جاتا ہے اور بعض دکانوں میں اس دن کے خاص اشیاء کی فروخت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات سے نوازیں۔

(۱) دن کو منانا کیسا ہے؟

(۲) دن کی خاص اشیاء کو دکانوں سے خریدنا کیسا ہے؟

.3 اس دن جو تحفے تحائف دئے جاتے ہیں، اس دن کو منائے بغیر ان کو فروخت کرنا کیسا ہے؟

جزاک اللہ: فتویٰ کونسل نے پورے غور وخوض کے بعد 23/11/1420ھ کو اس استفتاء کا جواب یوں دیا کہ:

کتاب وسنت کے صریح دلائل اور انکی روشنی میں علماء امت کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے حق میں صرف دو عیدیں مقرر کی ہیں، ایک عید الفطر، دوسری عید الاضحیٰ، ان دونوں عید کے علاوہ دوسری جو بھی عید ہے، چاہے وہ کسی شخصیت کے تعلق سے ہو، کسی جماعت یا فرقہ کے تعلق سے، یا کسی واقعہ کے تعلق سے یا پھر اور کسی معنی میں سب کی سب بدعت ہیں اور دین وشریعت میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے، اس وجہ سے کسی مسلمان کو ان دونوں عیدین کے علاوہ کوئی اور عید ماننا، خوشیاں منانا اور نہ ہی اس کا اقرار کرنا جائز ہے، بلکہ اس سلسلہ میں مدد ومعاونت بھی تعاون علی الاثم والعدوان سمجھی جائے گی جو کہ از روئے قرآن حرام ہے اور جب کہ کوئی عید کفار اور یہود ونصاریٰ کی عید ہو تو پھر یہ گناہ پر گناہ ہوگا، اس میں ان کی مشابہت اور ان کی موالات ودوستی بھی صادق آئیگی جس سے ہر اہل ایمان کو منع کیا گیا ہے۔

یوم محبت (ویلنٹائن ڈے) بھی انہی میں سے ہے جس کو موجودہ دور کے عیسائی اپنی عید کے طور پر مناتے ہیں، پس کسی مسلمان کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس کا اقرار کرے، اس کو منائے یا اس کی مبارک باد دے، بلکہ اس سے اجتناب بہت ضروری ہے، اسی طرح اس سلسلے میں کسی بھی طرح کا تعاون بھی حرام ہے جیسے کھانے پینے، خرید وفروخت، تحفے تحائف بنانا یا پیش کرنا، کارڈ بھیجنا، پیغام بھیجنا یا اس کا اعلان و پوسٹر بنانا وغیرہ، یہ سبھی امور حرام ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے رکھے اور یہود ونصاریٰ کی ان گمراہیوں سے خود کو دور رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ھدایت اور اسلام کی سربلندی مانگتا رہے، وباللہ التوفیق، وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية الافتاء

☆.....☆.....☆

میری ماں میری جنت

ایک عظیم ماں اور اس کی زندگی کے مختلف واقعات

بنت کلثوم اختر

میری والدہ نے زندگی کچھ اس طرح گزاری کہ ہر غم اور دکھ کو برداشت کیا اور اپنے خاوند کی اطاعت اور خدمت کرتے ہوئے گزاری، آج ہماری والدہ ہم میں نہیں، میں ان کی زندگی کے گوشے قارئین بہنوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی ہوں، تاکہ پتہ چلے کہ دنیا میں ایسی عظیم مائیں بھی بستی ہیں۔ ان کی زندگی کا آغاز کچھ اس طرح کرتی ہوں۔

میری امی کی چار بہنیں تھیں، ان کا کوئی بھائی نہیں تھا، میری امی نے بچپن ہی سے بہت دکھ اٹھایا، اس کی وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ہے کہ امی کی والدہ محترمہ سوتیلی تھیں، ان کی سگی ماں ان کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں، امی سے بڑی تین بہنیں تھیں، ان تینوں کی جلد شادی ہوگئی تھی، پھر میری امی گھر کے تمام کام خود کرتی اور اسکول بھی پڑھتی تھیں، اچانک اسکول کی تعلیم کے دوران ہی ہمارے نانا نے ان کی شادی اپنی بہن کے بیٹے کے ساتھ کردی، اب امی کی دوسری زندگی کا سفر شروع ہوگیا، جس طرح سب ماؤں کی زندگیوں کا آغاز ہوتا ہے۔

میری امی، لالہ موسیٰ سے رخصت ہوکر گجرات آگئیں، انہوں نے وہاں رہتے ہوئے گھر کے سارے کام، ساس سسر کی خدمت، نندوں، دیوروں کی خدمت کی، ایک یا دو سال بعد اللہ نے چاند جیسا بیٹا دیا، اب امی کا کام زیادہ بڑھ گیا، کیونکہ وہ بچے کی پرورش ایسی کرنا چاہتی تھیں، جیسے ایک ماں کرتی ہے، وہ اپنے بچوں کے ہر طرح کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتی رہیں، اس طرح زندگی گزرتی گئیں، دن مہینوں میں، مہینے سالوں میں گزرتے گئے، پہلا بیٹا مدینہ میں پیدا ہوا، اس طرح اب ہم دس بہن بھائی حیات ہیں، چھ بھائی اور چار بہنیں جبکہ سب سے چھوٹی بہن کا انتقال ہوگیا ہے، اب ہم نو بہن بھائی ہیں، سب کی تربیت امی نے ایک جیسی کی اور ایک جیسا پڑھایا اور سکھایا، اپنے خاوند کی تھوڑی آمدنی میں نو بچوں کا پیٹ پالنا، پڑھانا لکھانا، اتنا آسان نہیں، لیکن میری امی نے سب بچوں کو صبر و شکر کرنے کا سبق سکھایا اور اچھی تربیت کی، امی اس آمدنی میں سے ہی گھر کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتی رہیں اور کبھی بھی ہمیں کسی چیز کی کمی محسوس ہونے نہیں دی، امی ہمارے سردیوں، گرمیوں کے کپڑے وغیرہ خود ہی اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی تھیں، میرے والد محکمہ زراعت میں ملازم تھے، وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد پنشن لینے لگے، اس دوران ابو نے کچھ رقم جمع کر کے اپنے گھر میں ہی دکان ڈالی اور اس دکان کی آمدنی سے گھر کا خرچ وغیرہ چلتا رہا، ساتھ ابو نے اپنے بڑے بیٹے کو اس دکان پر بٹھا دیا اور گھر کی بھی ذمہ داری اس کے سر ڈال دی جبکہ ابو اپنی جمع پونجی ہی سے حج پر چلے گئے، اس دوران ابو نے بحری جہاز کے راستے سفر کر کے حج ادا کیا، ابو کے حج پر جانے کے بعد امی نے ان دنوں اپنی اولاد کو محسوس بھی نہیں ہونے دیا، سب بچوں سے یکساں محبت، شفقت اور پیار کرتی رہی تھیں، اس طرح وقت گزر گیا، ابو حج کر کے واپس بھی آگئے اور آتے ہی دکان بھی سنبھال لی جبکہ بھائی نے ماسٹر کرلیا، اس کے باوجود بھائی کو نوکری نہیں ملی، پھر بھائی نے الیکٹریشن کورس کیا اور گھر کے اخراجات میں والدین کے ساتھ تعاون شروع کردیا تاکہ چھوٹے بہن بھائی کی پڑھائی مکمل ہوجائے، امی اور ابو نے سب بیٹوں اور بیٹیوں کو میٹرک تک تعلیم مکمل کروائی اور ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی طرف توجہ دلواتے رہے، پانچویں بیٹے کو حافظ قرآن اور عالم بنایا، سب سے چھوٹی بیٹی کو عالمہ کا کورس کروایا، تاکہ وہ امی ابو کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے، باقی دوسرے بیٹے اور بیٹیاں دینی علم کا شعور اور جذبہ رکھتے تھے اور مکمل دین پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس طرح زندگی گزرتی گئی، زندگی میں بہت سے واقعات ایسے بھی آئے جس کو لکھنے بیٹھوں تو صفحات کم پڑ جائیں۔

وقت ایک جیسا نہیں رہتا، کبھی انسان کی زندگی میں خوشیاں آتی ہے تو کبھی غم، تجربات اور مشاہدات کے بعد بھی میری امی کہتی تھیں کہ انسان کی زندگی ایسی ہے، جیسے ریت، پہاڑ، سمندر یا خشکی، انسان کی زندگی میں غم، خوشیاں، دکھ، تکلیف، بیماریاں، مصیبتیں سب شامل ہوتی ہیں لیکن جو انسان اللہ تعالیٰ کی پر راضی رہے، صبر اور شکر کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے اصول سیکھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارنا شروع کردے تو اللہ تعالیٰ ہر کام میں بہتری پیدا کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بہت احسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں

ہر مشکل وقت سے نکالا، میری امی پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا تو دو رکعت نفل نماز پڑھ کر دعا مانگتی اور اللہ پاک ان کی ہر پریشانی کو حل کردیتے، امی نے اپنے بچوں کو بھی یہی تعلیم دی اور اس طرح وقت گزرتا گیا تاہم ذمہ داریاں بڑھتی گئی اور ساتھ ہی بھائیوں کی بھی تعلیم مکمل ہوگئی، بڑے بھائی ابو کے ساتھ دکان پر بیٹھ گئے جبکہ دوسرے بھائی نے پڑھائی مکمل کی اور کام پر لگ گئے، پھر تیسرے نے بھی پڑھائی مکمل کی، اس دوران جو فون کورس انہوں نے کیا تو وہ بھی مکمل ہوگیا تھا، اس کے تین سال بعد ان کی بھی نوکری لگ گئی، چوتھے بھائی پڑھائی مکمل کر کے آرمی میں بھرتی ہوگئے، پانچویں بھائی نے پڑھائی مکمل کی اور مدرسے میں داخلہ لے لیا اور قرآن حفظ کیا، تین سال تک قرآن حفظ مکمل کرتے ہوئے ساتھ ہی ایف اے بھی کرلیا، پھر درس نظامی میں داخلہ لے لیا، چھٹے بھائی نے میٹرک کے بعد بڑے بھائی کے ساتھ دکان پر بیٹھنا شروع کردیا اور ارادہ کرلیا کہ ساتھ مزید پڑھائی مکمل کروں گا لیکن دکان کی مصروفیات کی وجہ سے مزید آگے نہیں پڑھ سکے اور دکان پر ہی تمام وقت لگا دیا، اس طرح دو تین سال گزارے اور اس دوران ہم نے اپنے بڑے بھائی شادی کروادی، آپ کو بتاتی چلوں کہ ہم نے اپنے بڑے بھائی کی شادی اس طرح کی کہ امی تھوڑی سی بیمار رہنے لگ گئی تھیں تو امی نے سوچا کہ اگر ایک بیٹے کی بھی شادی ہوجائے تو ایک کا فرض ادا ہوجائے گا، اس پر ہم نے رشتہ تلاش کیا اور بھائی کی شادی کردی لیکن بھائی کے سسرال والے اچھے نہیں تھے، بھائی کی شادی کے دوران بات چیت میں ہم نے بھائی کے سسرال والوں سے کہا کہ سنت کے مطابق شادی کرنی ہے جس پر پہلے تو وہ سب کچھ مان گئے اور کہنے لگے کہ جیسے آپ کہیں گے، ویسے ہی ہوگا لیکن جب رشتے کی بات طے ہوئی اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی تو انہوں نے اپنے مطالبے منوانے شروع کر دیئے کہ ڈھول، باجے وغیرہ ہر قسم کی رسم کرنی ہوگی، تو ہم نے ان کے تمام مطالبات ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ نکاح کرنا ہے تو سنت کے مطابق کرنا ہے، ورنہ رہنے دو، ہمیں بالکل بھی علم نہیں تھا کہ ان کے رشتہ داروں نے خود ہی انتظام کرلیا ہے ڈھول، باجے وغیرہ کا، جب نکاح ہوا تو رخصتی کے وقت مطالبہ کردیا کہ اس تمام فضول اخراجات کی رقم تم لوگ ادا کرو گے، تب رخصتی ہوگی، جب میرے ابو کو معلوم ہوا تو بہت غصے ہوئے، لیکن معاملے کو درست کرنے کے لئے چھوٹے بھائی کے دوست نے وہ رقم ادا کردی، پھر رخصتی ہوئی، جب ہم دلہن کو گھر لے کر آئے تو کچھ ہی سال یا کچھ ہی ماہ گزرے تھے کہ بھائی کی بیوی نے مطالبہ کردیا کہ مجھے علیحدہ مکان لے کر دو اور لڑکا بھی میرے ساتھ علیحدہ رہے گا، لیکن میرا بڑا بھائی نہیں مانا، اس نے کہا کہ ابھی سال ہی ہوا ہے شادی کو، میرے ذمہ بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، میں ایسا نہیں کرسکتا، میرے چھوٹے بہن بھائی ہیں، میرے والدین ہیں، ان کی ذمہ داری اور ان کی خدمت کرنا میرا فرض ہے لیکن یہ لڑکی نہیں مانی اور اس نے مطالبہ کردیا کہ مجھے طلاق چاہئے اور ایک ماہ کے بعد اس نے طلاق لے لی، بھائی نے بھی روز روز کے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے فارغ کردیا، جہاں میری قسمت ہوگی، وہاں میری شادی ہوجائے گی، والدین نے بہت سمجھایا مگر بھائی نے کہا کہ مجھ سے ہر روز اس کے مطالبے نہیں سنے جاتے، پہلے بھی انہوں نے ہمیں بہت دھوکا دیا اور اس طرح وقت گزرتا گیا، اس حادثے کے بعد اب امی اور بیمار رہنے لگ گئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی، اللہ سے دعا کرتے رہے لیکن اللہ کی طرف سے ابھی مزید امتحان باقی تھے، ہمارے لئے ایک اور آزمائش تھی امی کا آپریشن، وہ بھی رسولی کا، وہ اس کی وجہ سے زیادہ بیمار رہنے لگ گئیں، چیک کروایا تو معلوم ہوا کہ پیٹ میں رسولی ہے، اس کا آپریشن ہوگا، اس سے پہلے گردے میں بھی پتھری تھی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پر ہم نے امی کے کئی طرح سے علاج کروائے لیکن کوئی حل نہیں نکلا، ہم نے ہومیو پیتھک کا علاج کروایا اور پتھری بغیر آپریشن کے نکل گئی، اس کے بعد امی کو گردے کے آپریشن کے لئے اسپتال میں داخل کروایا، اس وقت ہم بہت پریشان تھے، اللہ سے دعا کرتے رہے، اللہ نے ہماری دعا سن لی، جس کی وجہ سے ایک سال بعد بغیر آپریشن کے پتھری نکل گئی، سب نے مل کر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، اس طرح امی کچھ ٹھیک ہوگئی تو امی کہنے لگی کہ اب اپنے بیٹے کی شادی کروں گی، اس پر ہم پھر بھائی کا رشتہ دیکھنے لگے اس دوران بھائی کو پتہ چلا تو کہنے لگے کہ میں نے ابھی نہیں کرنی، آپ چھوٹے بھائی کی کر دیں، پھر سال کے بعد ہم نے چھوٹے بھائی کی شادی کی، ایک ہفتے میں ہی شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی، ہفتہ دس دن بعد پندرہ آدمی اور گھر کی فیملی سے برات تیار ہوئی اور سادگی کے ساتھ سنت کے مطابق بھائی کا نکاح کیا اور خیر و عافیت کے ساتھ رخصتی ہوئی، دوسرے دن سنت کے مطابق ولیمہ ہوا اور اس طرح ہماری فیملی میں اضافہ ہوگیا، ایک نئی خوشی ملی، پھر ایک سال بعد بڑے بھائی کو شادی کے لئے رضی کرتے رہے، آپ کی شادی کے بعد ہم نے چھوٹے بھائیوں کی کریں جس پر بڑے بھائی رضا مند ہوگئے، ہم نے بڑے بھائی کی شادی بھی سادگی سے اور سنت کے مطابق کی، اب کے بار کسی بھی قسم کی کوئی رسم وغیرہ نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی فضول خرچی وغیرہ ہوئی، دوسرے دن سادگی کے ساتھ ولیمہ ہوا، اس طرح وقت تیزی سے گزرتا گیا، بڑے بھائی کی شادی کے بعد چھوٹے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے چاندسی بیٹی دی، جو ہر ایک کے لئے گڑیا تھی، ہر کوئی اس سے پیار اور محبت کرتا تھا، اس دوران امی کی بیماری بڑھنے لگی، امی کا ہر جگہ سے علاج کروایا، تھوڑی بہت طبیعت ٹھیک ہوتی تو امی کسی نہ کسی کام میں مصروف ہوجاتیں، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے، ایک مرتبہ پھر پریشانی نے آگھیرا، امی کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگ گئی، امی کی رسولی کا آپریشن کروانا پڑا، دعا کرتے رہے، امی کا آپریشن ٹھیک ہوگیا اور امی ٹھیک ہوکر گھر آگئی، پھر ہم امی کی تیمارداری میں لگ گئے کہ امی صحت مند ہوجائیں، کمزوری بہت تھی، اس طرح سال گزر گیا تو چھوٹے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور بیٹی دی تو اور بھی ہمارے گھر کی رونق میں اضافہ ہوگیا، اس دوران امی کی بیماری میں اضافہ ہوگیا، امی کو شوگر، یرقان اور کمزوری بھی ہوگئی، امی نے ابھی بہت سے کام کرنے تھے، ابھی تو امی کو دو بیٹوں کی بھی شادی کرنی تھی، اللہ نے امی کو صحت دی اور بڑے بھائی کو اللہ نے بیٹی دی، وہ کچھ وقت زندہ رہی اور اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، بھائی کے لئے آزمائش تھی، اللہ نے تین سال بعد بڑے بھائی کو بیٹا دیا، جو ہمارے اور بھائی کے لئے گھر کی رونق بنا، کچھ ہی عرصے کے بعد چھوٹے بھائی کو بیٹا دیا اور گھر میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، انہیں خوشیوں میں امی نے اپنی صحت کی طرف توجہ نہیں دی تو صحت زیادہ خراب ہوگئی، پھر امی کو کھاریاں اسپتال داخل کروانا پڑا، ہفتہ بعد چھٹی ملی، کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی تو اپنے ہی گاؤں میں بڑی بیٹی کی شادی کر دی، سب کے مشورے سے رشتہ طے ہوا اور پھر سادگی کے ساتھ نکاح ہوگیا، بہن کی شادی کے دو ماہ بعد ہی چھوٹے بھائی کی شادی تھی، سادگی کے ساتھ نکاح کیا اور سنت کے مطابق ولیمہ کیا، پھر سب اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے، بڑے بھائی نے اپنی دکان اور رہائش شہر میں بنالی اور ان سے چھوٹے بھائی باہر ملک چلے گئے، اس نے سب سے چھوٹے بھائی کو دکان دے دی، پھر اس سے بڑے بھائی نے ابو والی دکان میں مزید اضافہ کرلیا اور تیسرے بھائی نے کاروبار شروع کیا اور اس کی بیوی نے اسکول میں نوکری شروع کرلی، پھر تین چار ماہ بعد اس نے اپنی بھی رہائش شہر گجرات میں لے لی اور بھائی کو بھی وہی نوکری پر لگوادیا،

پھر اس بھائی کو اللہ نے چاند جیسی بیٹی دی تو دو ماہ ہمارے ساتھ رہے، پھر دوبارہ چلے گئے، جو اس سے چھوٹا بھائی تھا، اس نے گھر کی ساری ذمہ داری اٹھالی، گھر کا سب خرچ اور والدین کی خدمت، امی کی دواؤں کا خرچ، تین بہنوں کا خرچ بھی اور دو بھائیوں کا بھی خرچ اس کے ذمہ تھا، اس نے کبھی بھی کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی، ہر چیز گھر میں لاکر دیتے تھے، وقت تیزی کے ساتھ گزرتا گیا کہ امی کی بیماری میں اضافہ ہوگیا، کیونکہ ڈاکٹر سے رپورٹ کروائی تو معلوم ہوا کہ جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا اور پیٹ میں پانی بھر گیا، بہت علاج کروایا، دوائیاں استعمال کرتے رہے، لیکن جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، لیکن پھر بھی بھائیوں نے امی کے علاج میں کمی نہیں آنے دی، مہنگی سے مہنگی دوائی لاکر دی، کچھ رقم باہر سے یونان والے بھائی نے بھیجی، یہاں بھی بھائیوں نے بہت کوشش کرکے امی کا بہت علاج کروایا تو امی کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی، ان کی طبیعت اس قدر ٹھیک ہوگئی کہ نماز، تلاوت اور ذکر وغیرہ کرلیتی تھیں تو چھوٹے بھائی نے کہا کہ میں باہر ملک جانا چاہتا ہوں تو وہاں جاکر امی کا علاج کرواؤں گا کیونکہ پاکستان میں بہت مہنگائی ہے، پاکستان میں کوئی ڈاکٹر صحیح علاج نہیں کرتا، اس پر ابو سے اجازت مانگی تو امی ابو نے مل کر کہا کہ چلے جاؤ، بھائی بھی ہمت کرکے 14-15 جولائی کو یہاں سے لاہور چلے گئے، 15 کو جہاز پر بیٹھنا تھا جس دن بھائی نے یہاں سے جانا تھا، اس دن امی کی طبیعت ٹھیک تھی تو بھائی نے کہا، میں جاتے ہی علاج کے لئے بلوالوں گا، اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، بھائی کو کسی اور ملک میں ٹھہرنا پڑ گیا، وہاں تین ماہ کا ویزہ تھا، پھر تین ماہ وہاں ٹھہر کر اس آدمی نے رقم کا مطالبہ کردیا کہ پہلے رقم دو پہلے کہتا تھا کہ پہنچا کرلوں گا، پھر ابو نے اپنی جائیداد والی جگہ دے دی کہ امی کا علاج ہوجائے گا اور گھر کے حالات ٹھیک ہوجائیں گے، چھوٹے بھائی نے ابو کے ساتھ کاروبار سنبھال لیا، وقت تیزی کے ساتھ گزرتا گیا، امی کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگ گئی، اس طرح شعبان کا مہینہ آگیا، پھر شب برات آگئی جبکہ امی کی طبیعت مزید خراب ہونے لگ گئی۔ گھر میں دوائی وغیرہ دی تو کچھ افاقہ ہوا، رات کو امی کی ٹانگوں میں درد شروع ہوگیا، چھوٹے حافظ بھائی نے دم کیا، تعویذ بنا کر دیا، ٹانگوں میں باندھ دیا تو امی کچھ دیر تک سوگئی جبکہ ہم نفل پڑھنے لگ گئے، پھر سب نے شب برات کا روزہ رکھا، صبح تک امی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی، مگر دوائی کھلاتے رہے، وقت گزرتا چلا جارہا تھا اس دوران رمضان آگیا، سب نے رمضان کا چاند دیکھا، اس کے بعد روزے کی تیاری اور تراویح کی تیاری میں لگ گئے، رمضان کے آغاز میں ہمارے ساتھ ہی امی نے تراویح کی نماز ادا کی اور بیماری کی وجہ سے ہم نے روزہ نہیں رکھنے دیا کہ طبیعت خراب ہوجائے گی، ہم نے کہا کہ آپ نماز کی ادائیگی کرتی رہیں، روزوں کا ہم فدیہ دے دیں گے اور نماز پابندی کے ساتھ پڑھتی رہیں، رمضان گزرتا رہا، جب 14 رمضان کو ہم نے سحری کی تو اذان کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرنے لگے، امی بھی نماز پڑھ کر تسبیح کررہی تھیں اور ہم نے بھی نماز پڑھ کر تلاوت کررہے تھے کہ امی کی طبیعت خراب ہونے لگی، امی قے کررہی تھی، بجلی بھی چلی گئی تھی تو چھوٹی بہن نے سب کو بلایا کہ امی بہت زیادہ قے کررہی ہیں، بڑی بہن نے سب کچھ صاف کیا، دوائی وغیرہ دی، پھر گیارہ بجے امی کو اسپتال لے گئے، وہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کو کمزوری ہوگئی ہے اور یرقان بھی زیادہ تیز ہوگیا ہے، ڈاکٹر نے مزید کہا کہ ڈرپ وغیرہ لگادیتا ہوں، بہتر تو یہ ہی ہے کہ آپ ان کو لاہور اسپتال لے جائیں، ویسے ڈاکٹر نے تسلی وغیرہ بہت دی تھی، جلدی ٹھیک ہوجائیں گی، پھر بھائی نے دوسرے بھائی کو فون کیا کہ امی کی طبیعت بہت خراب ہے، آپ ہمارے ساتھ چلیں، وہ بھی آگئے اور امی کو لاہور اسپتال میں داخل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروایا گیا، امی کو کمزوری بہت ہوگئی تھی، امی کو چودہ پندرہ خون کی بوتلیں لگی، کچھ بھائیوں نے دیا، کچھ ان کے دوستوں نے دیا، امی اسپتال میں ہی تھیں کہ امی کو وہاں بخار ہوگیا، جو اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا، امی کو بوتلیں لگوا کر امی کا جسم بہت وزنی ہوگیا تھا کہ امی سے اٹھنا مشکل ہوگیا تھا، ذہبی طور پر بھی امی ٹینشن کا شکار ہوگئی تھیں، کمزوری کی وجہ سے دوائی کھاتی رہیں، آہستہ آہستہ امی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہونے لگ گئی تو امی کو چوبیس رمضان کو واپس گھر لے آئے، ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں وغیرہ بھی دیں اور کہا کہ عید کے بعد دوبارہ چیک کروانا ہوگا، اللہ کو کچھ اور منظور تھا کہ ستائیس رمضان کو امی کو دماغ کی تکلیف ہوگئی تھی، ہم نے دوائی دی تو کچھ دیر سو گئی تھیں، ہم سب نفل پڑھنے لگ گئے، ہم نے بہت دعا وغیرہ کی، امی کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی لیکن آپ گفتگو نہیں کرتی تھیں، ہم کھانا اور دوائی کھلاتے تو چپ چاپ کھالیتیں اور ذکر کرتی رہتی تھیں۔ 29 رمضان کو امی کو نہلا کر بٹھایا، امی نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر چارپائی پر بیٹھ کر ذکر کرنے لگ گئی، اچانک امی کو دورہ پڑا، بڑی بہن بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے پانی پلایا، دوائی دی، لیکن آرام نہیں آیا، ابو کو بلایا، بھائی کو بھی کہا کہ ان کو ہاسپٹل لے جاؤ، اس دن عصر کے وقت ہاسپٹل لے کر گئے، ڈاکٹر نے دوائی وغیرہ دی اور کچھ دیر وہاں رکھا، پھر دوائی وغیرہ لے کر واپس آگئے کیونکہ صبح عید کا دن تھا، دوسرے بھائی بھی آگئے تھے، جو شہر میں رہتے تھے، شام تک امی باتیں کرتے رہیں، پھر سو گئیں، ہم سب جاگتے رہے، امی کی طبیعت کی وجہ سے سب پاس بیٹھ کر سورۂ یٰسین پڑھتے رہے، اللہ کی مرضی کچھ اور تھی، فجر کی نماز کے وقت امی کو دوبارہ دورہ پڑنا شروع ہوگیا تھا، ڈاکٹر نے ٹیکہ دیا تھا، وہ لگوایا، لیکن کچھ فرق نہیں پڑا، اس طرح چار گھنٹے گزر گئے کچھ بھی فرق نہیں آیا، امی کو دورے میں ہی ہاسپٹل لے گئے، عید کا دن تھا تو ہمارے لئے آزمائش تھی، ہم دعا کرتے رہے، عید کی چھٹیاں تھیں، وہاں کوئی ڈاکٹر نہیں تھا، سب عید کرنے گئے ہوئے تھے، چھوٹے ڈاکٹر تھے، انہوں نے کچھ دوائی دی اور داخل کرلیا، عید والے دن شام کو چھوٹے ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ ان کو جنرل اسپتال میں داخل کروالیں، کیونکہ عید کے دو دن بعد بڑے ڈاکٹروں نے آنا تھا، وہاں داخل کروایا، وہاں بھی چھوٹے ہی ڈاکٹر تھے، انہوں نے چیک اپ کیا، دوائی دی، پھر ایک اور لیڈی ڈاکٹر آئی، اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے، ان کو ڈینگی بخار ہے، کیونکہ باقی سب رپورٹیں ٹھیک تھیں، اسپتال میں امی کے ساتھ دونوں بھائی اور بڑی بہن تھیں، وہ ہمیں فون کرکے بتاتے تھے کہ آپ دعا کریں، ہم دعا ہی کرسکتے ہیں اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا، لیکن بھائی، بہن نے ہمیں بہت تسلی دی، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، جمعہ کے دن امی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہونی شروع ہوگئی، امی کی سانس رک گئی، نبض چل رہی تھی، دل حرکت کررہا تھا، ڈاکٹروں نے آکسیجن بھی لگائی مگر سانس بحال نہیں ہوا، سب نے بہت کوشش کی لیکن اللہ کی طرف سے وعدہ آگیا تھا، امی نے ہم سے جدا ہونا تھا، بھائی کو فون کیا، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، انہوں نے دوسرے بھائی کو فون کیا، اس کو کہا کہ امی کا انتقال ہوگیا ہے، ابو کو بھی بتایا، ابو نے اور چھوٹے بھائی نے مل کر جنازے اور کفن دفن کا انتظام کیا، جب بھائی کو بتایا کہ ہمیں بھی معلوم ہوگیا تو ابو نے اور بھائی نے کہا کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے تھے، اللہ کی امانت تھی، اللہ نے واپس لے لی، اس وقت ہماری کیا حالت ہوئی، آپ سوچ بھی نہیں سکتے، سب بہت روئے خوب آنسو بہائے، ایک ماں ہی ہمارے لئے عظیم رشتہ تھا، آج وہ بھی ہم سے جدا ہوگئی، سب کو امی کا غم بہت تھا، سب رشتے داروں کو فون کرکے بلالیا، سب بھائی بھی جمع ہوگئے، صرف جو دونوں بھائی باہر ملک گئے ہوئے تھے، ہم نے انہیں نہیں بتایا، لیکن انہیں ان کی بیوی نے بتادیا

تھا کہ امی کا انتقال ہونے کے بعد ہم بہت برداشت کرتے رہے، سب ایک دوسرے کو تسلی دیتے رہے اور زبان سے کلمہ پڑھتے رہے اور چھوٹی بہن جو عالمہ تھی، اس نے، بھابھی نے اور بڑی بہن نے اور بھابھی کی امی نے مل کر غسل دیا، ایسے لگ رہا تھا جیسے سو رہی ہیں، وقت کے مطابق جنازہ پڑھا گیا، دفن کیا گیا، اس کے بعد امی ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئیں، ہم نے سارے کام سنت کے مطابق کئے اور امی کو جو کفن دیا گیا تھا، وہ آب زم زم کے پانی سے دھلا ہوا تھا، ابو جب حج کے لئے گئے تھے، اس وقت ابو لے کر آئے تھے، امی نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا، ابو نے بھی کہا کہ وہ ہی استعمال کرلو، امی کا بہت حوصلہ تھا کہ اتنی بیماری کے باوجود بھی ہر وقت دعا اور ذکر میں رہیں اور اپنی اولاد کے لئے دعائیں کرتی رہیں اور کلمہ پڑھتی ہوئی دنیا سے رخصت ہوگئی۔ 4 دسمبر 2011ء کو بروز اتوار صبح 9 بجے وفات ہوئی، جہاں حافظ بھائی پڑھتے ہیں، وہاں کے سب دوستوں اور استادوں نے مل کر ان کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور ہم سب مل کر ان کے لئے روزانہ سورۂ یٰسین اور ایک پارہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں، اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے، ان کے آخرت کے سفر کو آسان فرما۔ (آمین)

آج میں بھی ماں جیسی ہستی کا ذکر کرچکی ہوں، جس نے بہت محنت مشقت کے ساتھ گھر کی ساری ذمہ داری نبھائی، ماں جیسی ہستی کا کس طرح ذکر کریں کہ اس کے بغیر گھر ویران اور بے رونق لگتا ہے، ہم بھی ماں جیسی ہستی سے محروم ہیں، ہماری امی محنتی اور شفیق اور دل و جان سے پیاری اور حالات کا مقابلہ کرنے والی ماں تھی۔

ہمیں ان کا اب احساس ہورہا ہے، اب ہمت ساتھ نہیں دیتی، پھر بھی اس دل کو حوصلہ اور تسلی دیتے ہوئے میں نے اپنی باہمت ماں کی زندگی کے کچھ گوشے تحریر کئے، میری ماں نے جذبے اور حوصلے کے ساتھ اپنی اولاد کو دینی تربیت کے ساتھ پڑھائی لکھائی اور ہنرمندی کے طریقے پر چلتے ہوئے زندگی گزارنے کے اصولوں پر پابندی کرنے کی تلقین کی اور ہر موڑ پر صبر و شکر اور دلیری اور بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے زندگی کو خوشی سے گزارا اور اپنی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کی اور دینی پر باہمت رہنے کی تلقین کی اور اللہ سے مدد مانگنے کی اور خود بھی اللہ تعالیٰ کے بھروسے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزاری اور اولاد کی بھی تربیت کی اور بالکل سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین کی اور پردے میں رہتے ہوئے اپنے خاوند کی اطاعت کرتے ہوئے اور ان کی ہر بات کو مانتے ہوئے زندگی گزاری اور ان کو خوش رکھنے اور خود بھی خوش رہنے کی ہر طرح سے کوشش کرتی تھیں اور ان کے غم کو اپنا غم اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتی تھیں اور ہر تکلیف کو برداشت کرتی اور برداشت کرنے کی تلقین کرتی تھیں، میں اس ہستی کے جتنے بھی اوصاف بیان کرلوں، کم ہیں، ماں ایک ہستی ہی ایسی ہے کہ خود سب کچھ برداشت کرلیتی ہے، لیکن اولاد کو خوش کرتی ہے اور اس لئے تو اللہ نے بھی ماں کے قدموں تلے جنت رکھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے حق کو بھی بڑھا دیا، ان کی خدمت کا حکم دیا اور اس کی مقابلے میں باپ کے حق کو کم کہا، لیکن ماں کی قدر کو کوئی نہیں جانتا، جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر مبارک ان کے قدموں میں بچھادی، ہم تو ان کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

ہم دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے میری امی کو جنت میں جگہ دے اور آپ سب قارئین سے گزارش ہے کہ آپ نے بھی ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتے رہنا۔

دنیا میں مائیں ملتی ہیں بچھڑنے کے لئے
اپنی باتیں اور یادیں چھوڑ جاتی ہیں تڑپنے کیلئے

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مجرم ہوں

غزالہ طارق

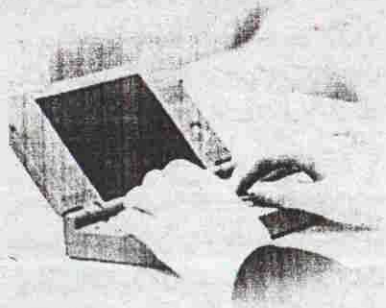

آج میں برسوں بعد ماں کی چوکھٹ پر کھڑی تھی، دس سال پہلے میں ماں کی چوکھٹ کو اُس کی اجازت کے بغیر پار کر گئی تھی۔ پھر مُڑ کر نہیں دیکھا تھا کہ ماں پر کیا قیامت گزری۔ مجھے اپنی ذات پر بہت اعتماد تھا۔ بزرگوں کی نصیحت آموز باتیں کڑوی کڑوی سی معلوم ہوتی تھیں۔

عاطف سے میری ملاقات نیٹ پر چیٹنگ کے دوران ہوئی۔ شروع میں یہ دوستی تک رہی، بعد میں محبت کی شکل اختیار کر گئی۔ وہ ملک کا معروف تاجر تھا۔ اس کا بہت بڑا بزنس تھا۔ وہ اپنی سفید ٹویوٹا کرولا میں مجھے لینے آتا تھا۔ میں اسے پا کر سب کچھ بھول گئی۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ میری ماں ایک عرصے سے تنہا میری پرورش کر رہی ہے۔ میرا باپ شوکت مرزا ایک عرصے سے کویت میں مقیم ہے۔ جس کے ہر ماہ باقاعدگی سے چیک آتے ہیں۔ اس نے وہاں شادی کر رکھی ہے۔

عاطف مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر مختلف سیر گاہوں میں لے جاتا۔ اس کے ساتھ میں اپنے آپ کو شہزادی تصور کرتی۔ جب ہم گھر پر ہوتے، تو نیٹ کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب آ جاتے اور گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔

عاطف کا باپ وفات پا چکا تھا۔ اس کی والدہ ہی اس کا سب کچھ تھیں۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے وہ بہت ملنسار اور خوش لباس تھیں، اپنے بیٹے کی ہر خواہش کا احترام کرتی تھیں۔ اس کی والدہ عاطف مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا، ایک دن نیٹ پر اس نے کہا کہ آج شام میری والدہ آپ کے گھر آ رہی ہیں۔ آپ اپنی امی کو تیار کر لیں کہ ہم رشتے کے لئے آ رہے ہیں۔ میں نے والدہ سے ذکر چھیڑا کہ آج عاطف کی والدہ آ رہی ہیں۔ میری ماں میری طرف حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بولیں، بیٹی عاطف تمہیں پسند ہے؟ میں نے کہا کہ ماں اتنا پسند ہے کہ اس کے بغیر جینا پڑا، تو زہر کھا لوں گی۔ ماں کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ بولیں بیٹی،

مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، تم نے میرا سر جھکا دیا۔ میری برسوں کی محنت و ریاضت پانی میں ڈبو دی۔ انہوں نے کہا کہ میں عاطف کو دل و دماغ سے نکال دوں۔ ایسے مرد شادی تو کر لیتے ہیں، مگر نبھاتے نہیں۔ والدہ نے شادی سے صاف انکار کر دیا کہ میری نظر میں بہت اعلیٰ عہدوں والے لڑکے ہیں، جو دیکھے بھالے ہیں، جن کی مائیں تمہاری خواہش مند ہیں۔

عاطف کی امی آئیں، میری والدہ نے انہیں کھری کھری سنائیں، وہ اپنے گھر چلی گئیں، والدہ نے میرا باہر نکلنا بند کر دیا۔ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ والدہ نے مجھ پر سخت پہرے بٹھا رکھے تھے۔ وہ جب بھی کہیں جاتیں، تو باہر سے تالا لگا جاتیں۔ میری کوئی سہیلی مجھ سے مل نہیں سکتی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ نیٹ کا سہارا تھا۔ سارا دن نیٹ پر بیٹھی عاطف سے باتیں کرتی رہتی۔ ماں کو معلوم نہیں تھا کہ نیٹ پر کیا کر رہی ہوں۔

میں نے ایک دن نیٹ پر عاطف سے کہا کہ میں فرار ہو کر تمہارے پاس آ رہی ہوں، ایک رات میں گھر سے فرار ہو گئی، سیدھی عاطف کے گھر پہنچی، وہ گھر پر ہی تھا، میں نے اسے بتایا کہ فوری مجھ سے نکاح کر لو، ماں آ گئی تو، ساری عمر نہ مل پائیں گے۔ عاطف اسی وقت تیار ہو گیا، ہم نے کورٹ میرج کر لی، عاطف کی والدہ نے مجھے قبول کر لیا۔ عاطف مجھے پا کر بہت خوش تھا، وقت بہت اچھا گزر رہا تھا، میری ساس عام ساسوں سے بہت مختلف تھی۔ وہ ہم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ میں اتنا کچھ پا کر ماں کو بھول گئی۔ اس دوران میں نے مڑ کر نہ دیکھا کہ میری ماں پر کیا گزر گئی۔

شادی کے ایک سال بعد خدا نے مجھے چاند سا بیٹا دیا، جس کا نام عاطف نے احمر رکھا، احمر کی آمد سے بہت مصروف ہو گئی۔ سارا دن اس کے چھوٹے چھوٹے کام مجھے الجھائے رکھتے۔ عاطف، احمر کو پا کر بہت مسرور تھے۔ اس کے لئے بے شمار تحائف خریدتے، میں اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ احمر کے بعد میرے گھر بیٹی پیدا ہوئی، جس کا نام عاطف نے اقصیٰ رکھا۔ اب میرا گھر مکمل ہو گیا تھا۔

اسی طرح میری شادی کو نو برس گزر گئے۔ اس عرصے میں میری ساس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔

میرے بچے بڑے ہو رہے تھے۔ ایک شام میرے گھر میں بھونچال آ گیا۔ وہ شخص جسے میں نے سر آنکھوں پر بٹھایا تھا، میری سوکن لے آیا۔ میں تنکا تنکا جوڑ کر آشیانہ مکمل کر چکی تھی۔ اب وہ آشیانہ طوفان اپنے ساتھ بہا لے گیا تھا۔ عاطف نے ڈھٹائی سے اسے میرے گھر میں میرے کمرے کے ساتھ کمرا دے دیا۔ میں نے دہائی دی تو اس نے کہا، طلاق چاہتی ہو تو لے لو، بچے مجھے دے جاؤ۔ میں تڑپ کر رہ گئی اور کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ نہیں میں طلاق نہیں لوں گی، گھر تو بکھر گیا ہے۔ بچے بٹ جائیں گے۔

بچے میری راہ کی دیوار بن گئے تھے، میں انہیں چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جا سکتی تھی، وہ سارا دن مجھ سے چمٹے رہتے، ان کے معصوم ذہن نئی ماں کا مطلب سمجھ چکے تھے، مگر وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی ماں اب تہی دست ہو چکی ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اب کسی چیز پر اس کا حق نہیں رہا۔

رومانہ کے ساتھ میں نے کبھی بات چیت نہ کی تھی۔ وہ میرے گھر کی دشمن تھی، مگر وہ میرے بچوں کو بہت چاہتی تھی، ان کے لئے تحائف لاتی۔ بچے بھی اب اس سے مانوس ہو گئے تھے۔ زیادہ تر اسی کے پاس رہتے۔ میں خوف زدہ ہو گئی تھی کہ شاید وہ مجھ سے میرے بچے نہ چھین لے۔ اب میں بہت مایوس ہو گئی تھی۔ دن رات روتی رہتی، رومانہ بن سنور کر عاطف کے ساتھ جاتی، عاطف اس پر دل و جان سے فدا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پر خوب دولت لٹا رہا تھا۔ اس دن میں بہت اداس تھی، آج ماں بہت یاد آ رہی تھی، اسی وقت رکشہ پکڑا اور ماں کے گھر کی طرف چل دی، دس برس بعد میں ماں کے گھر جا رہی تھی، آج سب کچھ ہار چکی تھی، کسی کو دکھڑا سنانا چاہتی تھی، کسی کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی، مختلف سوچوں میں ڈوبی میں ماں کی چوکھٹ پر کھڑی تھی، گھر بہت تبدیل ہو چکا تھا، بلند و بالا چوبارہ بن گیا تھا۔

میں نے بغیر دستک دیئے گھر میں قدم رکھا، دروازہ کھلا تھا۔ گھر اپنا تھا، اجازت کس سے لینی تھی، میرے قدموں کی آہٹ پر دو غیر شناسا عورتیں اور تین بچے کمرے سے باہر نکل آئے۔ میں نے ماں کا پوچھا تو بولیں، وہ آج سے دس برس پہلے ہارٹ اٹیک سے فوت ہوگئی تھیں۔ آخری وقت میں کہہ گئی تھیں کہ اس گھر کی قیمت میری بیٹی کو دے دینا۔ ہمارے پاس آپ کے پیسے امانت ہیں۔ آپ اپنا پتا دے دیں، کل ہمارے مرد بینک سے رقم نکال کر آپ کے گھر پہنچا آئیں گے۔

یہ سن کر میں بے ہوش ہوگئی۔ ہوش میں آنے پر دہاڑیں مار مار کر سارا محلہ سر پر اٹھا لیا۔ ماں آجاؤ، مجھے معاف کر دو، میں تو دل کے دکھڑے سنانے آئی تھی، سونے چاندی کی مجھے ضرورت نہیں ہے، اس سے تو میرا اپنا گھر بھرا پڑا ہے، میں تو تمہاری شکل دیکھنے آئی تھی، تم سے لپٹ کر رونا چاہتی تھی، اس گھر کے افراد بھی میرے ساتھ رو رہے تھے۔

ماں کو کھو کر یوں لگ رہا تھا، جیسے میں نے سب کچھ کھو دیا ہو، کاش مجھے نیٹ کا استعمال نہ آتا، نہ ہی نیٹ پر عاطف کے ساتھ دوستی کرتی، نہ ہی اس کے ساتھ شادی ہوتی اور نہ ہی ماں اپنی پیاری ماں کو کھوتی۔

پیاری ماں، میں نے آپ کو دھوکا دیا۔ میں آپ کی مجرم ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ پلیز، مجھے معاف کر دیجئے۔!!

☆.....☆.....☆

حضورؐ کا حضرت خدیجہؓ کو یاد کرنا

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور اذن کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے جھجک اٹھے اور فرمایا: ”ہالہ ہوں گی۔“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ انہوں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں، جو مر چکی ہیں اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اچھی بیویاں دی ہیں۔“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عائشہ ہرگز نہیں، جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین و مدد گار نہ تھا، انہوں نے میری مدد کی۔“

تمہارا بھائی مجھے بھی پیارا ہے

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارک ام حبیبہ رضی اللہ عنہن بنت ابوسفیان سے ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے آئے۔ ان دونوں بہن بھائیوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

”ام حبیبہ، کیا معاویہ تمہیں بہت پیارا ہے۔“

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

”ہاں حضورؐ بھائی مجھے بہت پیارا ہے۔“

یہ سن کر رسول اکرمؐ نے فرمایا:

”اگر یہ تمہیں بہت پیارا ہے تو مجھے بھی بہت پیارا ہے۔“

دنیا کی حقیقت

بنت نیاز محمد

ارشاد خداوندی ہے: ”دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے۔“ اس دنیا کی حیثیت اللہ پاک کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، اللہ پاک نے اپنے کلام مجید میں کئی جگہ دنیا کی مذمت اور اس کی حقارت اور قباحت کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لایغر نکم ابالحیوۃ الدنیا﴾

اس سے محتاط رہنا کہ کہیں دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ نہ دے دیں۔

”یاد رکھو! اگر اس دنیا کے مکر و فریب میں پھنس گئے تو سمجھو، تم نے ذلت کی چادر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوڑھ لی ہیں، جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں رسوائی ہوگی اور اللہ پاک کے سامنے شرمسار ہوگے، اگر اس فانی دنیا کی کوئی حیثیت ہوتی تو نبی علیہ السلام اثبات میں جواب دیتے جب نبی علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو پہاڑ کو آپ کے لئے سونا بنا دیا جائے، اسی طرح جب نبی علیہ السلام سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو کل بنا دیئے جائیں جس کو دیکھ کر قیصر و کسریٰ بھی تعجب میں پڑ جائیں، مگر قربان جایئے، اس پاک نبی علیہ السلام پر، جنہوں نے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو ترجیح دی، جب ہمارے رہبر و رہنما، آقائے دو جہاں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو ترجیح دی، جن کو پہلے سے جنت کی خوشخبری دی گئی، تو ہمیں بدرجہ اولیٰ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو ترجیح دینی چاہئے، دنیا کی محبت اور دنیا والوں کی محبت سے اپنے نفوس کی حفاظت کرنی چاہئے، محبت کے لائق تو ”اللہ“ ہے جو کبھی بے وفائی نہیں کرتا، کبھی دھوکہ نہیں دیتا، اللہ کی محبت میں عزت ہے، مٹھاس ہے، جو آخر دم تک بلکہ قبر میں بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔

میری بہنو! اللہ سے دوستی رکھو اور اللہ کو اپنا بنا لو، عزت اور کامیابیاں آپ کے در پر آجائیں گی۔

یاد رکھیں!! اس دنیا کی محبت سے محتاط رہنا، یہ دنیا آپ کو بے وفائی دے کر چھوڑ دے گی، دنیا کی کسی چیز کو بقا نہیں۔ ﴿کل شیٔ ھالک الا وجھہ﴾ ہر چیز کو فنا ہے، سوائے اللہ کی ذات کے۔

تو میری بہنو! پھر کیوں ہم ان سڑی ہوئی لاشوں پر مرتے ہیں، کیوں ان سے محبت کرنے کے نعرے لگاتے ہیں۔

کسی خاک پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو
چھوڑو اس دنیا والوں کو، چاہیں دل خون خون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوجائے، یا دل ریزہ ریزہ ہوجائے، حدیث قدسی ہے ،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں بستا ہوں۔“

میری بہنو!! اللہ سے دل لگالو، اللہ کو اپنا بنالو، عزت بھی ملے گی، مکان و مرتبہ بھی ملے گا، وجاہت بھی ملے گی، کام میں اللہ کی مدد و نصرت شامل ہوگی۔

حدیث قدسی ہے:..... ”اے ابن آدم! اللہ کو پالے، آسمان اس کا ہے، بلندیاں تیری نصیب بن جائیں گی، اللہ کو پالے، زمین اس کی ہے، خزانے تیرا نصیب بن جائے گی، اللہ کو پالے، جنت اس کی ہے، رضا تیری نصیب بن جائیں گی، اللہ کو پالے، جہنم اس کی ہے، آگ تجھ پر حرام ہوجائے گی، اللہ کو پالے، محبت اس کا ارادہ ہے، دلوں کو محبتوں سے بھر دے گا، اللہ کو پالے، نفرت اس کا ارادہ ہے، دلوں سے نفرت کھینچ لے گا، اللہ کو اپنا بنالے، حفاظت اس کا ارادہ ہے، حفیظ بن کر دکھائے گا، اللہ کو اپنا بنالے، رزاق اس کا نام ہے، رزق اس کا ارادہ ہے، ہواؤں کے کندھوں پر چڑھ کر رزق آئے گا، زمین اپنے پیٹ سے رزق نکالے گی، کائنات کا چپہ چپہ تمہیں رزق دینے پر مقرر ہوجائے گا، اللہ سے دوستی لگالو، اللہ کو اپنا بنالو، یہ جہاں بھی تمہارا ہوگا اور وہ جہاں بھی تمہارا ہوگا اور یوں غیبی نظام، اللہ تمہارے تابع کرے گا۔“

ایک واقعہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کا ہے، ان کا بیٹا مرگیا تو اس وقت یہ تازہ تازہ ہجرت کر کے مدینہ آئی تھی جب ان کے بیٹے کو غسل دیا گیا اور نماز جنازہ پڑھنے لگے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”اس کی ماں کو تو بلاؤ تاکہ اپنا بچہ تو دیکھ لے، اس کی ماں کو پتہ بھی نہ تھا، وہ اصحاب صفہ میں سے تھے، ان کی والدہ آئیں اور میت کے پاؤں کی طرف بیٹھ کر چارپائی کو پکڑا اور اللہ کے نبی علیہ السلام سے نہیں کہا کہ یارسول اللہ علیہ وسلم، اللہ سے دعا کریں، بلکہ براہ راست اللہ سے مخاطب ہوئی اور کہنے لگی: اے اللہ! میں نے تیری محبت میں تیرا کلمہ پڑھا اور تیرے اور تیرے رسول کے عشق میں اپنا گھر چھوڑ کر آتے ہی میرا بچہ مرگیا، اب اللہ سارا قبیلہ مجھے طعنہ دے گا اور کہے گا کہ باپ دادا کا دین چھوڑ کر بیٹے کو مروادیا، اے میرے اللہ! مجھ میں یہ طعنہ سننے کی طاقت نہیں ہے، میرا بچہ مجھے واپس کردیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی ماں کے الفاظ ابھی پورے ہی ہوئے تھے کہ اس نوجوان نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرہ سے کفن ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ کر ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔“

یہ ہوتا ہے اللہ کا بن جانا، یوں غیبی نظام کو تیرے تابع کردیتا ہے، تو آئیں اس فانی دنیا کو چھوڑ کر اللہ سے دوستی کرلیں اور اللہ کو اپنا بنالیں اور اللہ کیسے اپنا بنے گا، تقویٰ، تواضع، عاجزی، اختیار کرنے سے اور نبی علیہ السلام کی سنتوں پر عمل کرنے سے اور راتوں کو اٹھ کر اللہ سے گڑگڑا کر مانگنے سے اللہ ملتا ہے، اللہ رب العزت ہمارے دلوں سے اس دنیا کی محبت نکال کر عشق الٰہی عطا فرمائیں۔ آمین

☆.....☆.....☆

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ہدایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور ساتھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں میرے پاس مدینے آئی ہیں اور مجھ سے کچھ روپے مانگ رہی ہیں، وہ مشرک ہیں، کیا ایسی حالت میں، میں ان کی مدد کرسکتی ہوں؟“

حضورؐ نے فرمایا: ”ہاں، اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“

☆.....☆.....☆

درس کی برکت

ام محمد جنید

”اف خدایا! اتنی شدت کی گرمی پڑ رہی ہے، باہر نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، پھر بھی جانا تو پڑتا ہی ہے۔“ سدرہ نے منہ بنا کر کہا۔

”دیکھو بازار میں کتنا رش لگا ہوا ہے، لگ ہی نہیں رہا کہ مہنگائی بڑھ گئی ہے، خواتین تو بس، جس بازار میں چلے جاؤ وہاں ایک جم غفیر ہے خواتین کا!!“ اقصیٰ نے اکتاہٹ سے بازار کا نقشہ کھینچا۔

”تو آپ بھی تو ان ہی خواتین میں شامل ہیں، ذرا وقت دیکھیں، پورے چار گھنٹے لگا کر آئیں ہیں آپ دونوں، پیچھے آپ کے ننھے منو نے اماں اور سمیہ کو کتنا تنگ کیا ہے، ابھی تک کھانا بھی نہیں بن سکا، پیٹ میں بھوک سے چوہے دوڑ رہے ہیں، لگتا ہے آج بھوکے پیٹ ہی مدرسے جانا پڑے گا۔“ سفیان نے انھیں بہت سی باتوں کا احساس دلادیا۔

”اچھا اچھا، زیادہ باتیں مت بناؤ، کھانا بھی بن جائے گا، کوئی ہم روز روز بازار تھوڑا ہی جاتے ہیں، اب خاندان میں کوئی تقریب ہو تو جانا تو پڑتا ہی ہے، کوئی یہ تو نہیں کہ ہر تقریب میں ایک ہی جیسے کپڑے پہن لیں، آخر وہاں سمجھ دار خواتین بھی ہوتی ہیں اور ان کی نظریں ہمارے لباس پر ہی ہوتی ہیں۔ ایسا کرو سفیان! تم آج مدرسے کی چھٹی کرلو، ہمیں بھی کچھ ریڈی میڈ کھانا لادو، سچ! بھوک بڑی شدت کی لگ رہی ہے۔“ سدرہ نے خوشامد کے انداز میں سفیان سے اپنا مدعا بیان کیا۔

”اف!! آپ کی بازار کی مصروفیت کی وجہ سے میں مدرسے کی چھٹی کروں اور بازار سے ریڈی میڈ کھانا لاؤں؟ نہ بابا نہ، میرے استاد سختی سے منع کرتے ہیں بازار کی چیزیں کھانے سے، وہ فرماتے ہیں کہ دل کا نور رخصت ہوجاتا ہے، چھٹی تو میں ہرگز نہیں کروں گا، البتہ کھانا مدرسے سے آکر کھالوں گا۔“ سفیان نے ٹوپی سر پر جمائی اور جزدان اٹھا کر سلام کر کے رخصت ہوگیا۔

سمیہ جو کافی دیر سے ان بھائی بہنوں کی تکرار سن رہی تھی شربت کا جگ لے کر آئی، گلاسوں میں ٹھنڈا ٹھار شربت انڈیل کر بہنوں کو پیش کیا، اقصیٰ اور سدرہ نے جب ٹھنڈا شربت پیا تو ان کے بھی حواس بحال ہوئے۔

”اور سنائیں، آپ کی شاپنگ مکمل ہوئی یا نہیں؟ یا اب بھی کچھ باقی ہے؟“

”ارے کہاں سمیہ! یہ شاپنگ ایک دن میں تو مکمل ہوتی نہیں۔ ابھی تو صرف بڑی مشکل سے سوٹ چوائس کیا ہے، پھر آج کل ڈیزائننگ کے لیے لیس لگائی جاتی ہے، وہ ہم ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئیں، صحیح میچنگ ملی ہی نہیں۔“ سدرہ نے پھر بے زاری کا اظہار کیا۔

”تو آپی! ابھی آپ نے اپنے دیور کی شادی میں بالکل نئے سوٹ بنائے تھے وہ آخر کیا ہوئے؟“ سمیہ نے حیرت سے انھیں یاد دلایا۔

”ارے سمیہ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ وہ سوٹ تو ہم نے ایک نہیں، بلکہ دو تقریبوں میں پہن لیا ہے۔ اب پھر خاندان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں شادی آرہی ہے تو کیا نئے کپڑے نہ بنوائیں؟"

"لیکن آپی! یہ بھی تو دیکھیں ان تمام لوازمات کے پیچھے آپ لوگوں کے وقت اور مال کا ضیاع کتنا ہو رہا ہے؟" سمیہ نے ناصحانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"ابھی پچھلے دنوں ہی آپ اماں سے کہہ رہی تھیں کہ محمود بھائی آپ سے جھگڑا کر کے گئے ہیں کہ میرے سر پر قرضہ ہے، لوگ راتوں کو آ کر دروازہ بجاتے ہیں اپنا قرضہ مانگنے کے لیے اور تم ہر تھوڑے دنوں کے بعد کسی نئی چیز کی فرمائش کر دیتی ہو۔ ان کی بات بھی درست ہے، آپ کو معلوم ہے آپی! ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے جنازے کی نماز بھی نہیں پڑھاتے تھے جس کے ذمے قرض ہوتا تھا۔ اب اسی بات سے ہم سوچیں کہ یہ کتنا اہم معاملہ ہے حقوق العباد کا۔"

سمیہ کی باتیں سن کر اقصیٰ اور سدرہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ سمیہ نے سوچا اللہ پاک انھیں اس بات کی سمجھ عطا فرمائیں اور انھیں ان خرابیوں سے بچالیں۔

"اقصیٰ آپی! دیکھیں آپ کو کتنی زور کی بھوک لگی ہوئی تھی؟ چلیں، ہم دسترخوان لگاتے ہیں کھانے کے لیے۔"

"لیکن سفیان تو کہہ رہا تھا کہ آج ابھی تک کھانا نہیں بنا ہے، ہمارے بچوں نے اماں اور سمیہ کو بہت تنگ کیا تھا۔"

"ہاں، وہ تو صحیح ہے، لیکن جیسے ہی بچے سو گئے تو میں نے اور اماں نے جلدی جلدی مل کر ہانڈی چڑھا دی، پھر میں نے آٹا گوندھا، اب تک یقیناً اماں نے گرم گرم روٹیاں پکالی ہوں گی۔"

اقصیٰ اور سدرہ کے چہروں سے شرمندگی جھلک رہی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر اماں اور سمیہ نماز ظہر ادا کرنے لگیں اور یہ دونوں لیٹ کر اپنی تھکان دور کرنے لگیں، کچھ دیر بعد اماں نے کمرے میں جھانکا تو ان دونوں کو نیم غنودگی کے عالم میں دیکھ کر اندازہ لگایا کہ انھوں نے اب تک ظہر کی نماز ادا نہیں کی، جلدی جلدی انھوں نے اقصیٰ کو بازو سے ہلاتے ہوئے کہا:

"ارے اٹھو، چلو دونوں بہنیں نماز ادا کرو، تین بج چکے ہیں، چار چار گھنٹے بازار میں لگائے، تب نہیں تھکیں اور نماز کے وقت سستی غالب آ گئی؟"

اماں کے ناراض ہونے پر انھیں بھی نماز کا وقت گزرنے کا احساس ہوا، اٹھ کر جلدی جلدی دونوں نے وضو کیا اور نماز ادا کرنے لگیں۔

"ارے سمیہ! تم نے کہاں کی تیاری کر لی؟ ہم آئے ہوئے ہیں اور تم جا رہی ہو؟"

"ہاں آپی! لیکن میں اکیلی نہیں، بلکہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ چلیں گی۔" سمیہ نے برقعہ پہنتے ہوئے انھیں بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔

"ہم.....؟" اقصیٰ نے استفہامیہ لہجے میں "ہم" کہہ کر اپنی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں، آپ یعنی آپ دونوں۔"

"ہمارے بچے تو تو ہمیں کہیں چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتے لیکن تم پہلے یہ تو بتاؤ کہ جا کہاں رہی ہو؟" اقصیٰ نے یاد دلایا۔

"ارے، میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ پچھلے دنوں ہمارے گھر سے چند گھر چھوڑ کر جو قریشی صاحب کی فیملی رہتی تھی وہ اب یہاں سے کہیں اور شفٹ ہو گئے ہیں، ان کے گھر ہفتہ وار درس بھی ہوتا ہے، لیکن ہم وہاں نہیں جاتے تھے، دو ہفتے پہلے ان کے گھر سے ایک آنٹی آئیں، انھوں نے آپی! اتنی پیاری پیاری باتیں بتائیں کہ تھوڑی ہی دیر میں ہم ان کی گرویدہ ہو گئیں۔"

"اچھا، کیا باتیں بتائیں، ذرا ہمیں بھی تو کچھ پتا چلے.....!!" سدرہ نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"دیکھیں نا، دو ہفتے سے ہم جا رہے ہیں، ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے۔" سمیہ نے موزے پہنتے ہوئے تیز تیز ہاتھ چلائے اور اب ہاتھوں کے دستانے لیے کھڑی تھی۔

"اقصیٰ اور سدرہ حیرت سے سمیہ کے پردے کا اتنا اہتمام دیکھ رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں اماں بھی بڑی سی سیاہ چادر میں اپنے آپ کو لپیٹ کر نکلیں تو اقصیٰ اور سدرہ کی

حیرانگی میں مزید اضافہ ہوا۔

اماں نے ان کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے عبایا پہننے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گئیں، تھوڑی دیر میں یہ سب خواتین ان کے گھر پہنچ گئیں، جہاں ایک عالمہ باجی تفسیر قرآن اور عقائد وغیرہ کے بارے میں بڑے دلنشین انداز میں خواتین کے آگے بیان فرما رہی تھیں، اذانِ عصر سے تھوڑی دیر پہلے تک یہ سلسلہ جاری رہا، اسکے بعد انھوں نے مختصر سی دعا کی اور پھر وہ سب اپنے گھر واپس آ گئیں۔

گھر آنے کے بعد انھوں نے انتہائی فکر کے ساتھ نماز عصر ادا کی، اسکے بعد سمیہ شام کی چائے بنانے میں مصروف ہو گئی، کچھ دیر بعد سفیان بھی مدرسے سے واپس آ گیا، اس کے اندر آتے ہی اماں نے فوراً پوچھا:

"سفیان! عصر کی نماز پڑھ کر آئے ہو نا؟"

"جی اماں! چھٹی کے بعد سب طلبا جماعت کے ساتھ عصر کی نماز ادا کر لیتے ہیں، اسکے بعد ہی ہمیں چھٹی ملتی ہے۔"

پھر اماں نے چائے کے دوران میں اقصیٰ اور سدرہ کو بٹھایا اور سمجھانے لگیں:

"بیٹی! دین کے ماحول میں جا کر دینی باتیں سننا ہماری بہت بڑی ضرورت ہے، جب تک ہم نہیں جاتے تھے اور ہمارے کان ان باتوں سے ناواقف تھے تب تک ہم دین سے کوسوں دور تھے، یہ تو ابھی چند ہی دنوں کی بات ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی، اب جب یہ پتا چلا ہے کہ انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے تو بہت فکر ہوتی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کہاں گزار دی، دیکھو بیٹی! آج جس انداز میں تم دونوں بہنیں خریداری کر کے آئی ہیں اور اس کے متعلق جو باتیں میں نے سنیں یہ تو ہماری خواتین کا عام معمول بن چکا ہے اور پھر وہ اسے برا سمجھتی ہی نہیں ہیں تو وہ کیسے اس غلطی سے باز آئیں گی، پچھلی مرتبہ کے درس میں ہم نے یہی مضمون سنا تھا، اس لیے ہمیں اس کا بہت فکر ہوا کہ آج تقریبات میں جانا اور پھر ان کو بھرپور انداز میں منانا ہم نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔ جب کہ اللہ رب العزت نے مؤمنین اور مؤمنات کے لیے جنت میں اعلیٰ پیمانے پر آرائش کے انتظامات فرما رکھے ہیں، پتا ہے جب سے دنیا بنی ہے تب سے ایک فرشتہ ہمارے لیے زیورات بنا رہا ہے، تاکہ دنیا کی زندگی کو جو خواتین تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ گزار کر آئیں یہ انعامات انھیں دیے جائیں گے۔

اور دیکھو بیٹی! جو جتنی سادہ زندگی گزارے گی وہ اتنی ہی حضور کی زندگی سے قریب ہوں گی، ازواج مطہرات اور صحابیات کی زندگی سے قریب تر ہوں گی، ازواج مطہرات کے متعلق آتا ہے کہ وہ اتنی سادہ تھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک کُرتے میں مدینے کی کتنی ہی خواتین کے نکاح ہوئے تھے، وہاں تو دولہن کے لباس کی سادگی کا یہ عالم تھا اور یہاں تقریب میں شرکت کرنے والیوں کا یہ حال ہے کہ جو لباس ایک تقریب میں پہن لیا وہ دوسری بار نہیں پہنا جا سکتا، ایسا اہتمام کرنے سے انسان پر مالی اعتبار سے بوجھ بھی کتنا بڑھ جاتا ہے۔

تم خود سوچو سدرہ! اگر محمود پر قرضے کا بوجھ ہے تو وہ بے چارہ کیسے اسے اتارے گا، اگر تمھارا تعاون اس کے ساتھ ہو گا تو وہ جلد ہی قرض کے بوجھ سے آزاد ہو جائے گا، ورنہ بہت مشکل ہے، اخراجات اتنے زیادہ ہوں اور ہم اپنا قرض اتارنے کا فکر نہ کریں تو کبھی بھی یہ معاشرتی برائی دور نہیں ہو سکتی۔"

سدرہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"واقعی سدرہ آپی! ہم لوگ تو ان باتوں کو کبھی بھی اس طرح نہیں سوچتے تھے، بس جو کچھ لوگوں کو کرتا ہوا دیکھتے تھے، ہم بھی وہی کرنے لگ جاتے۔ اماں! آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے ہمیں بہت اچھی باتوں کی طرف توجہ دلائی، ان شاء اللہ تعالیٰ اب ہم وعدہ کرتی ہیں کہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ سادہ بنائیں گی اور اب تو پابندی سے ان شاء اللہ درس میں شرکت بھی کریں گی، تاکہ ماحول کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں نیک عمل پر استقامت عطا فرمائیں۔ آمین۔" اقصیٰ نے بھی اماں کی بات کی تائید کی۔ ☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

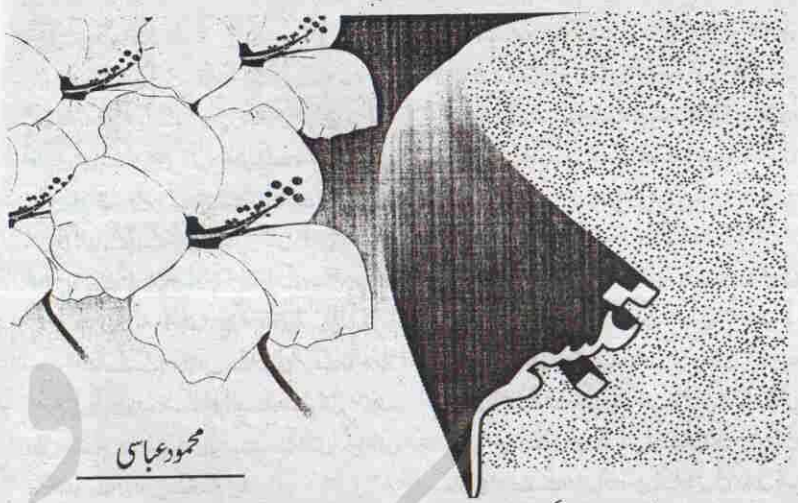

محمود عباسی

ایک صاحب بلیک آؤٹ میں کہیں جارہے تھے کہ ایک درخت سے ٹکرا گئے، غصے سے بولے۔

"کم بختوں کو رات ہی میں بلیک آؤٹ کی سوجھتی ہے، دن میں نہیں کرسکتے۔"

(فیصل سعود، ابوالحسن اصفہانی روڈ، کراچی)

☆.....☆.....☆

ایک صاحب دعوت سے واپس آئے تو ان کی بیگم نے پوچھا۔

"دعوت کیسی تھی۔"

خاوند نے کہا۔

"لعنت بھیجو، ایسی دعوت پر۔"

بیگم نے کہا۔

"خیریت تو ہے؟"

"کاش میں دعوت میں نہ جاتا۔"

"کیا ان لوگوں نے کھانے کے لئے کچھ نہیں دیا۔"

"وہاں کھانے کو سب کچھ تھا مگر میں اپنے دانت تو گھر میں ہی بھول گیا تھا۔"

(اشفاق ملک، کلفٹن، بلاک 1، کراچی)

☆.....☆.....☆

ایک دوست نے دوسرے سے کہا۔

"میں اپنی زندگی کا مشکل اور محنت طلب کام ہمیشہ ناشتہ سے پہلے کرتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"بستر سے اٹھنا۔"

(فاطمہ فیصل، ابوالحسن اصفہانی روڈ، کراچی)

☆.....☆.....☆

ناراض شوہر نے چیختے ہوئے کہا، میں پوچھتا ہوں، اس گھر میں کس کا حکم چلتا ہے۔

بیوی نے کہا۔

"یہ جان کر تمہیں خوشی نہیں ہوگی۔"

(شوکت، کلفٹن، کراچی)

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر مریض سے، کمال ہے آپ کے وزن میں حیرت انگیز کمی ہوگئی ہے، کل تو ۱۲۰ پونڈ تھا اور آج صرف سو پونڈ ہے۔

عورت نے جواب دیا۔

"جی ہاں، دراصل میں میک اپ کر کے نہیں آئی۔"

(افضل ہاشمی، گلستان جوہر، کراچی)

بیوی: "تمہارا دوست ایک بدمزاج لڑکی سے شادی کررہا ہے۔"

شوہر: میں کیا کروں، اس نے مجھے اس وقت خبردار کیا تھا، جب میں تم سے شادی کرنے والا تھا۔

(محمد ساجد میمن، گلستان جوہر، کراچی)

☆.....☆.....☆

دو ننھے بچے ایک بچے کی عمر کا اندازہ لگا رہے تھے۔

اسد: میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ کاشف کی عمر کتنی ہے، لیکن وہ جوان ہوگیا ہے۔"

امیر سلطان: وہ کیسے۔

اسد نے جواب دیا۔ "تم نے دیکھا نہیں وہ اپنی ناک خود ہاتھ سے صاف کررہا تھا۔

☆.....☆.....☆

پہلا ایفی: یار جب گاڑی کی ٹکر ہوتی ہے تو اگلے ڈبوں کا زیادہ نقصان ہوتا ہے؟

دوسرا ایفی: ریلوے والے بھی کتنے بے وقوف ہیں، بھلا اگلے ڈبے لگاتے ہی کیوں ہیں۔

☆.....☆.....☆

دو دوست اکٹھے باتیں کررہے تھے، ایک اٹھا اور چلنے لگا تو دوسرے دوست نے کہا۔

"یار کہاں جارہے ہو؟"

دوسرا دوست بولا۔ "میرا تم جیسے پاگل کے ساتھ گزارا نہیں واپس جارہا ہوں۔"

☆.....☆.....☆

نوکر (اپنے کنجوس مالک سے) جناب وہ آپ کو گالیاں دے رہا ہے۔"

مالک: دینے دو بھئی، کچھ دے ہی رہا ہے، لے تو نہیں رہا۔

☆.....☆.....☆

ایک آدمی گھبرایا ہوا آیا اور بچے سے کہنے لگا۔

"مجھے جلدی سے اسپتال کا راستہ بتادو۔"

بچہ بولا:

"وہ سامنے سے جو گاڑی آرہی ہے اس کے سامنے کھڑے ہوجاؤ، اسپتال پہنچ جاؤ گے۔"

(سعود الحسن، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

☆.....☆.....☆

ایک شخص شادی کے بارے میں مشورہ دینے والے ادارے کے دفتر میں گیا، دفتر بند تھا، باہر یہ نوٹس لگا ہوا تھا۔

"ایک بجے سے تین بجے تک دفتر بند رہتا ہے، آپ پھر سوچ لیں۔"

☆.....☆.....☆

عقیل نے اپنے دوستوں سے پوچھا۔

"اگر تم صبح کو اٹھو اور تمہیں علم ہو کہ تم لکھ پتی ہو تو تم کیا کرو گے۔"

طفیل: میں دنیا کی سیر کو نکل جاؤں گا اور مزے سے زندگی بسر کروں گا۔

واجد: میں تو دوبارہ سو جاؤں گا اور کروڑ پتی بننے کا انتظار کروں گا۔

☆.....☆.....☆

استاد: شور کوٹ کیوں مشہور ہے۔

شاگرد: وہاں کے کوٹ شور مچاتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

استاد: دیکھو نقشے پر پانی کہاں ہے۔

شاگرد: جناب اگر پانی ہوتا تو نقشہ ضرور بھیگ جاتا۔

☆.....☆.....☆

ایک دفعہ تین دوست کہیں جارہے تھے۔

انہوں نے بھینس کو دیکھا جو جگالی کررہی تھی۔

پہلا دوست: دیکھو تو بھینس صابن کھا رہی ہے۔

دوسرا: نہیں تو مکھن کھا رہی ہے۔

تیسرا: یار کیسی باتیں کررہے ہو، دیکھ نہیں رہے ٹوتھ پیسٹ کررہی ہے۔

(نعیم اللہ، حیدرآباد، سندھ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

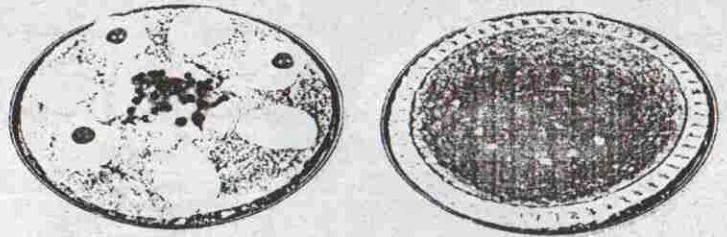

باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

چانپ

اشیاء:

چانپ کا گوشت.....آدھا کلو
گھی.....ایک پاؤ
ہری مرچ، ہرا دھنیا اور پودینہ.....حسب منشا
سوکھا دھنیا، سفید زیرہ (پسا ہوا).....ایک کھانے کا چمچہ
گرم مصالحہ (پسا ہوا).....ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

پودینہ، ہرا دھنیا، نمک، ہری مرچ اور سرخ مرچ، یہ سب چیزیں ملا کر چٹنی بنائیں۔ اب اس کو چانپ کے ساتھ ڈال کر اتنا پانی ڈالیں کہ چانپ گلنے تک خشک ہو جائے۔ اب ایک الگ پیالی میں انڈے پھوڑ کر خوب پھینٹیں، اب ان پھینٹے ہوئے انڈوں میں پسا ہوا مصالحہ، سوکھا دھنیا، سفید زیرہ ملا دیں۔ پھر ایک ایک چانپ سرخ ہونے پر نکالتے جائیں اور پھر اس میں مزید اور چانپ کو سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

☆.....☆.....☆

انڈے والی چانپ

اشیاء:

چانپ.....آدھا کلو
لونگ.....دو عدد
انڈے.....دو عدد
گرم مصالحہ.....آدھی چھٹانک (پسا ہوا)
گھی.....ایک پاؤ
لہسن (پسا ہوا).....آدھی پوتھی
نمک.....حسب ذائقہ
سرخ مرچ.....حسب ذائقہ

ترکیب:

انڈے والی چانپ کی تیاری نہایت آسان ہے۔ اس کے لئے آپ کو سب سے پہلے پتیلی میں چار پیالی پانی ڈال کر اسے چولہے پر چڑھا دیں اور اس میں چانپ تھوڑا سا نمک، ۲ لونگ اور لہسن ڈال دیں، اسے تیز آنچ پر پکائیں، جب گوشت گل جائے تو پتیلی کو چولہے پر سے

اتار لیں، انڈوں کی زردی اور سفیدی میں پسا ہوا گرم مصالحہ تھوڑا نمک، میدہ اور لال مرچ ملا کر آمیزہ سا بنالیں۔ اب آپ کڑاہی میں گھی گرم کریں اور چانپ کو آمیزہ لگا کر تلتے جائیں۔

سلاد کے ساتھ یا ٹماٹر کیچپ کے ساتھ گرم گرم نوش فرمائیں۔ نہایت ہی مزیدار لگیں گی۔

☆.....☆.....☆

تلی ہوئی چانپ

اشیاء:

بکرے کی چانپ.....آدھا کلو
انڈے.....تین عدد
ادرک.....دس گرام
لہسن.....چار جوئے
خشک دھنیا.....آدھا چمچہ (پسا ہوا)
ہرا دھنیا.....چند پتیاں
ہری مرچیں.....چار عدد
گھی.....ڈھائی کلو
پیاز.....پچاس کلو
پودینہ.....پانچ گرام
گرم مصالحہ.....ایک چمچہ (پسا ہوا)
نمک.....حسب ضرورت
سرخ مرچ.....حسب ضرورت

ترکیب:

ایک سل پر پیاز، ادرک، لہسن، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، پودینہ، ہلدی، نمک اور سرخ مرچیں ڈال کر باریک پیس لیں، پھر ایک برتن میں چانپ کی بوٹیاں ڈال کر تمام پسا ہوا مصالحہ اس میں ڈالیں اور چولہے پر رکھ کر ساتھ ہی ایک کپ پانی ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر گلنے دیں، اس کے بعد ایک پیالے میں انڈے پھینٹ کر پسا ہوا گرام مصالحہ، خشک دھنیا اور نمک ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر لیں، جب چانپ گل جائے تو برتن میں گھی ڈال کر گرم کریں اور چانپ کی بوٹیاں انڈوں میں ڈبو کر تل لیں، سرخ ہونے پر باہر نکالیں اور پلیٹ میں ڈال کر کھانے کے لئے پیش کریں۔

☆.....☆.....☆

بھاپ کی چانپ

اشیاء:

چانپ.....آٹھ عدد
ہرا دھنیا.....پاؤ گڈی
سفید زیرہ.....پون چائے کا چمچہ
ادرک.....ایک چھوٹی گانٹھ
ڈبل روٹی کا چورا.....آدھی پیالی
اجینو موتو.....چھوٹا آدھا چمچہ
گھی.....چار کھانے کے چمچے
نمک.....حسب ذائقہ
سرخ مرچ.....حسب ذائقہ
سرکہ.....ڈیڑھ بڑا چمچہ

ترکیب:

انڈے پھینٹ لیں، ثابت مصالحے پیس لیں، جیسے ادرک، لہسن، زیرہ، چانپوں پر پسا ہوا مصالحہ، نمک، مرچ سمیت اچھی طرح لگا دیں، اس کے بعد انہیں انڈے میں ڈبو کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر گھی میں تل لیں۔ اب ایک دیگچی میں بچا ہوا گھی اور چانپ ڈالیں اور ڈھکن بند کر کے چاروں طرف گوندھا آٹا لگا دیں، ہلکی آنچ پر دم کے لئے رکھ دیں۔

☆.....☆.....☆

دل پسند چانپ

اشیاء:

بکرے کی چانپ.....ایک پاؤ
دہی.....آدھا پاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھی.....آدھا پاؤ
ڈبل روٹی کا ٹوسٹ.....ایک عدد
سرخ مرچ.....چار یا پانچ عدد
دھنیا.....دو ماشہ
لونگ.....چار عدد
چھوٹی الائچی.....چھ عدد
جاوتری.....ذرا سی
نمک.....حسب ذائقہ
ترکہ.....ایک چمچہ

ترکیب:

ڈبل روٹی کے ٹوسٹ دھوپ میں سکھا کر باریک پیس لیں اور چاپنوں کو دہی میں ڈبو کر ڈیڑھ گھنٹے کے لئے رکھ دیں، تمام مصالحوں کو باریک پیس لیں اور ان میں سرکہ ملائیں پھر ایک ایک چانپ دہی سے نکال کر مصالحہ مل دیں، پھر ڈبل روٹی کے پسے ہوئے ٹوسٹ کو انڈوں میں خوب پھینٹ لیں، کڑاہی میں گھی گرم کریں، ایک ایک چانپ کو انڈوں میں غوطہ دے کر کڑاہی میں ڈالیں اور ہلکی آنچ پر تلیں، مزیدار چانپ تیار ہے۔

☆.....☆.....☆

چانپ کا خشک سالن

اشیاء:

چانپ.....آدھا کلو
گھی.....حسب ضرورت
پیاز.....ایک کلو
پیسا ہوا گرم مصالحہ.....ایک چمچہ
دہی.....ڈھائی کلو
کالی مرچ.....ایک چمچہ (پسی ہوئی)
لہسن.....چار جوئے
ادرک.....دس گرام
نمک.....حسب ضرورت
سرخ مرچ.....حسب ضرورت

ترکیب:

لہسن، پیاز اور ادرک چھیل کر کاٹیں اور پیس لیں پھر ایک برتن میں دہی پھینٹ کر ڈالیں، اس کے ساتھ ہی اس میں چانپ کے ٹکڑے پسا ہوا گرم مصالحہ، ادرک، لہسن، پیاز، نمک اور سرخ رچ ڈال کر درمیانی آنچ پر بیس منٹ تک پکائیں، اس کے بعد چولہے سے نیچے اتار دیں اور ایک فرائی پان میں گھی گرم کر کے تلیں، پھر نکال کر پلیٹ میں ڈال دیں اور پسی ہوئی سیاہ مرچیں چھڑک کر دسترخوان کی زینت بنائیں۔

☆.....☆.....☆

کھڑے مصالحے کا گوشت

اشیاء:

گوشت.....آدھا کلو
گھی.....آدھا کلو
پیاز.....ایک پاؤ
دہی.....ایک پاؤ
لہسن.....آدھی پوتھی
سرخ مرچ.....ایک چھٹانک
ادرک.....ایک چھٹانک
نمک.....حسب ضرورت

ترکیب:

ایک پلیٹ یا کسی بھی برتن میں پیاز موٹی موٹی کتر لیں۔ اب ایک پتیلی میں تھوڑا سا گھی ڈال کر گرم کریں، پھر پیاز ڈال کر ہلکی گلابی کریں اور پھر ادرک لہسن کو پیس کر پتیلی میں ڈال دیں اور چند ہی سیکنڈ بعد گوشت بھی ڈال دیں، پھر سرخ مرچیں کتر کردہ بھی ڈال دیں اور خوب اچھی طرح ہلائیں اور پھر تھوڑا سا گھی اور ڈال دیں۔ اب ڈھکن سے ڈھانپ کر ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ پھر جب گھی میں سنسناہٹ ہو تو پتیلی کو چولہے پر سے اتار لیں اور کھانے کی تیاری کریں۔

قارئین کے قلم سے

"ماہنامہ حیا" کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ "گلدستہ حیا" آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

عصائے موسیٰ کے کرشمے

☆.....یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ لاٹھی ہے جس کو عصائے موسیٰ کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے آپ کے بہت سے ان معجزات کا ذکر ہوا، جن کو قرآن کریم نے مختلف عنوانات سے بیان کیا ہے۔ اس مقدس لاٹھی کی تاریخ بہت قدیم ہے، جو اپنے دامن میں ان سینکڑوں واقعات کو سمیٹے ہوئے ہے، جن میں عبرتوں اور نصیحتوں کے ہزاروں نشانات موجود ہیں جن سے اہل بصیرت کو ہدایت کا نور ملتا ہے۔ یہ لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر دس ہاتھ لمبی تھی، اس کے سر پر دو شاخیں تھیں جو رات کو مشعل کی طرح روشن ہو جاتی تھیں، یہ جنت کے درخت پیلو کی لکڑی سے بنائی گئی تھی، اس کو حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ حضرت سید علی ہجویری فرماتے تھے کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ (عود خوشبودار لکڑی) انجیر کی پتیاں، حجر اسود جو اس وقت سفید تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی، یہ پانچوں چیزیں جنت سے اتاری گئی تھیں۔

آدم علیہ السلام کے بعد یہ عصا کئی انبیاء کو بطور میراث ملتا رہا۔ حتیٰ کہ شعیب علیہ السلام کو بھی ملا جو قوم مدین کے نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے ہجرت کر کے مدین تشریف لے گئے تو شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی بی بی صفورا کا نکاح آپ سے کر دیا اور آپ دس برس تک ان کی بکریاں چراتے رہے۔ شعیب علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ عصا موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا اور پھر وہ اپنی زوجہ محترمہ کو لے کر مصر کو روانہ ہوئے۔ جب وادی مقدس طویٰ میں پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی تجلی سے سرفراز فرمایا اور منصب نبوت عطا کیا۔ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے "اے موسیٰ! یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ میری لاٹھی ہے، اس سے میں ٹیک بھی لگاتا ہوں اور بکریوں کے لئے پتے بھی جھاڑتا ہوں اور دیگر بہت سارے کاموں میں اسے استعمال کرتا ہوں۔" (سورہ طٰہٰ)

دوسرے کاموں کی تفصیل میں حضرت علامہ نسفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے بات کر کے دل بہلاتے، دن میں وہ درخت بن کر آپ پر سایہ کرتا، رات میں اس کی دونوں شاخیں روشن ہوتیں۔ درندوں اور حشرات الارض کو مارتے۔ کنویں سے پانی نکالتے وقت وہ رسی بن جاتا تھا۔ بوقت ضرورت درخت بن کر پھل دیتا اور زمین میں گاڑنے سے پانی نکل آتا تھا۔ (تفسیر مدارک التنزیل ج ۳)

حضرت موسیٰ جب اللہ کے حکم سے فرعون کے دربار میں گئے تو اس نے آپ کو جادوگر کہہ کر جھٹلایا۔ ان کا امتحان لینے کے لئے میلے کا اہتمام کیا اور پورے ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا، جنہوں نے اپنی رسیاں پھینکیں تو وہ سانپ بن کر چاروں طرف دوڑنے لگے۔ لوگ ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ فرعون اور جادوگر خوشی سے تالیاں بجانے لگے، تو حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا ان میں پھینک دیا جو ایک اژدھا بن کر تمام سانپوں کو نگل گیا، یہ معجزہ دیکھ کر سب جادوگر سجدے میں گر گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے چھ لاکھ افراد پر ایمان لے آئے۔ قرآن میں تفصیل سے اس واقعے کا ذکر آیا ہے۔

ملک شام، بنی اسرائیل کا اصل ملک تھا جس پر قوم عمالقہ نے قبضہ کر لیا تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ عمالقہ کے ساتھ جہاد کر کے شام کو آزاد کرالو، وہ لوگ بدترین قسم کے کافر تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے چھ لاکھ افراد کو لے کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ شام کے قریب پہنچ کر بنی اسرائیل پر دشمن کا ایسا خوف بیٹھا کہ انہوں نے جنگ سے انکار کر دیا۔ اس نافرمانی پر اللہ نے ان کو ایسی سزا دی کہ چالیس سال تک اس صحرا (میدان تیہ) میں بھٹکتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس بے آب و گیاہ میدان میں بھوک اور پیاس کی شدت سے جب وہ بیقرار ہو گئے تو بولے، یا موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجئے، چنانچہ ان کی دعا سے آسمان سے من وسلویٰ اتارا گیا۔ من، حلوہ کی طرح کوئی میٹھی چیز تھی اور سلویٰ بھنی ہوئی بٹیر تھی۔ پھر جب وہ پیاس سے بے قرار ہوئے تو آپ نے یہی عصا مبارک ایک پتھر پر مارا جس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ چونکہ ان کی قوم کے بارہ قبیلے تھے، اس لئے ہر ایک کو اپنے پینے کے چشمے کا علم ہو گیا۔ (سورہ بقرہ)

حضرت موسیٰ ایک عرصہ دراز تک فرعون کو ہدایت کرتے رہے، آپ کے معجزات اور عصا کے کرامات دیکھ کر بھی وہ ایمان نہ لایا، بلکہ اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی، بنی اسرائیل پر اس کا ظلم وستم بڑھتا گیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام پر وحی اتری کہ اپنی قوم کو ساتھ لے کر مصر سے ہجرت کر جائیں، آپ بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ فرعون کو پتہ چلا تو وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کو قتل کرنے کے ارادے سے چل پڑا۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا تو وہ خوف کے مارے چیخنے لگے کہ سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، مگر موسیٰ علیہ السلام مطمئن تھے، اتنے میں وحی آئی، اللہ نے حکم دیا کہ اپنا عصا دریا پر مارو، آپ نے ایسا ہی کیا تو اللہ کی قدرت سے دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل ان راستوں پر چل کر سلامتی کے ساتھ پار نکل گئے۔ فرعون جب دریا کے قریب پہنچا اور ان خشک راستوں کو دیکھا تو وہ بھی اپنے لشکر سمیت ان راستوں پر چل پڑا، جب وہ سب دریا کے بیچوں بیچ پہنچے تو دونوں طرف سے موجیں پہلے کی طرح آپس میں

مل گئیں اور فرعون اپنے لشکر سمیت دریائے نیل میں غرق ہو کر ایک نشان عبرت بن گیا۔ (سورہ شعراء)

یہ تمام معجزے اسی جنتی لاٹھی کے ذریعے ظہور پذیر ہوئے جو "عصائے موسیٰ" کے نام سے جانی جاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

فضائل یٰسین شریف

☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے، قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے جو اس کو ایک مرتبہ پڑھے گا، اسے دس بار قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی شریف) نیز یہ بھی فرمایا کہ جو اس کو صبح پڑھے گا، اس کی دن بھر کی سب حوائج پوری ہوں گی۔

سورہ یٰسین کے بہت سے فضائل ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس سورۃ کو زمین و آسمان کی خلقت سے ایک ہزار سال پہلے پڑھا، جب فرشتوں نے سنا تو کہا کہ خوشحالی ہے اس امت کے لئے جس پر یہ قرآن اتارا جائے اور ان کے لئے جو اس کو دلوں میں رکھیں، یعنی یاد کریں اور ان زبانوں کے لئے جو اس کو تلاوت کریں گی۔

ایک روایت میں ہے کہ سورہ یٰسین کا ذکر توریت میں آیا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے، دنیا کی مصیبت اور آخرت کے ہول (ڈر) کو دور کرتی ہے، اس سورہ کا نام رافعہ اور خافضہ بھی ہے، یعنی مومنوں کے رتبے بلند کرنے والی اور کافروں کو پست کرنے والی۔ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورۃ میرے ہر امتی کے دل میں ہو۔ اس سورۃ کو ایسے شخص کے پاس جو حالت نزع میں ہو، پڑھا جائے تو اس پر آسانی ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر رات کو سونے سے پہلے کوئی یٰسین شریف پڑھے اور رات ہی میں فوت ہو جائے تو گویا وہ شہید ہوا۔ مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی ظالم بادشاہ یا دشمن کا خوف ہو تو اس کے لئے یہ سورۃ پڑھی جائے تو خوف جاتا رہے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے سورہ یٰسین اور والصّٰفّٰت جمعہ کے روز پڑھی، اس کی دعا قبول ہو گی، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑھنے کی ہدایت دے۔ آمین

(انتخاب.....شیریں گل، پشاور)

☆.....☆.....☆

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

☆.....یہ ایک قرآنی آیت کا ترجمہ ہے، جو پڑھنے میں تو مختصر سی ہے، مگر وزن میں بہت بھاری ہے اور یہ ان تمام مسلمانوں، عالم اسلام کے لئے آج کل کے دور میں جو مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، ہم مسلمانوں خصوصاً ہم بہنوں کو جو اپنے گھریلو امور کو انجام دیتے ہوئے بہت جلد تھک جاتی ہیں، غصہ اور چڑچڑے پن کا شکار ہو جاتی ہیں، تحمل کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں۔ اس آیت کو غور سے سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ادا کریں کہ کوئی ہو نہ ہو، اللہ تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے، یہ زندگی تو مشکلات میں خود پر قابو پانے کا نام ہے، شیطان ہمیں ہر لحہ بہکانے کی کوشش کرتا ہے، مگر ہم اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے ذکر و اذکار کا سہارا لیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، جو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ ہی ہمیں ان پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے۔ اس آیت کا مفہوم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر اس مومن بندے کے ساتھ ہے جو تحمل کے ساتھ برداشت کے ساتھ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری اکثریت بہنیں چغلی، غیبت اور حسد جیسی برائیوں میں مبتلا رہتی ہیں، بیٹی ہے تو ماں باپ کے گھر جاتے ہی سسرال والوں کی برائیاں اور ان کی غیبت کرتی ہے اور ہر حال میں ناشکرا پن ظاہر کرتی ہے۔ کبھی بھی اس بات پر متوجہ نہیں ہوتی کہ ہمارے اس فعل کا انجام کیا ہوگا، کبھی ٹینشن، کبھی ڈیپریشن، کبھی بچوں کی نافرمانی کا رونا، کبھی شوہروں کی برائیاں، غرض جہاں دو چار خواتین مل بیٹھی ہیں تو یہ ہی برائیاں ہوتی ہیں۔ کیا اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے عذات کو دعوت نہیں دے رہے ہیں، سوچیں اور غور کریں اور اپنی اصلاح خود کریں۔ مومن بندوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب انہیں قرآن کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور وہ اپنا محاسبہ کرتے ہیں کہ بات ان کے لئے تو نہیں، خوف سے ان کے دل کانپتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرنے لگتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں خواتین کی اکثریت دیکھی تھی جو جہنم کی جانب رواں تھیں، کس وجہ سے؟ ان برائیوں، حسد، چغلی، غیبت، ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے سبب۔

اگر ہم اچھی بہنیں بننا چاہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کریں اور ان برائیوں سے بچنے کی حتی الامکان کوشش ضرور کریں۔

(۱).....ایسی مجالس جہاں غیبت، چغلی وغیرہ ہو رہی ہو تو ایک دوسرے کو منع کریں، اگر نہیں کر سکتی تو وہاں سے ہٹ جائیں، کان لگا کر نہ سننے کی کوشش کریں۔

(۲).....اگر مشترکہ خاندانی نظام کا حصہ ہیں تو اپنے بچوں کو سخت تنبیہ کریں، اس عادت سے بچانے کی کوشش کریں، انہیں ڈانٹیں، سمجھائیں، انہیں جہنم کی آگ کے بارے میں بتائیں، اپنے طور پر کوشش کریں، اللہ تعالیٰ تو آپ کی نیت دیکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچنے اور اپنا احتساب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(انتخاب:.....اُم منان، کراچی)

☆.....☆.....☆

اقوال ذریں

☆.....جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ کبھی بدلہ نہیں لیتا۔

☆.....حسد کرنے والا موت سے پہلے مرجاتا ہے۔

☆.....کسی پر اعتماد نہ کرو، جب تک اسے غصہ میں نہ دیکھ لو۔

☆.....موت کو یاد کرنا نفس کی تمام بیماریوں کی شفا ہے۔

☆.....خوشی انسان کو اتنا نہیں سکھاتی جتنا کہ غم۔

☆.....اذان کے وقت خاموش رہو، تاکہ موت کے وقت کلمہ نصیب ہو۔

☆.....سچائی ایک ایسی دوا ہے جس کی لذت کڑوی مگر تاثیر میٹھی ہے۔

☆.....اگر خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اس کے بندوں کی خدمت کر کے دکھاؤ۔

☆.....نیکی خالص نیت سے کرو، ایسی نیکی تھوڑی بھی بہت ہوگی۔

☆.....اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھنا افضل ترین ایمان ہے۔

☆.....امید رکھا اپنے رب سے اور مت ڈر کسی سے، مگر اپنے گناہ سے ڈر۔

☆.....اللہ سے ڈرو تاکہ دوسروں کا خوف نہ رہے۔

☆.....بلند حوصلہ انسان کے ہاتھ میں آکر مٹی بھی سونا بن جاتی ہے۔

☆.....جو محبت کی قدر نہیں کرتے، وہ نفرتوں کا نشانہ بنتے ہیں۔

☆.....دوست کا عیب اس سے چھپا لینا خیانت ہے اور دوستوں کو بتانا غنیمت ہے۔

☆.....جو دولت سے محبت کرتا ہے، وہ کبھی سچی محبت نہیں کر سکتا۔

(انتخاب:.....حماد سکینہ عائشہ، میرپور خاص)

☆.....☆.....☆

دوزخ

☆.....دوزخ میں داخل ہونے کے بعد جو طرح طرح کے عذاب ہوں گے، ان کا تصور بھی محال ہے، جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف عذابوں کی کیفیت بیان فرمائی۔ اس میں سے ایک اہم عذاب دوزخیوں کو جلانے کا ہوگا۔ چنانچہ جہنم کی آگ کے بارے میں ارشاد فرمایا:.....دوزخ کی آگ کو ایک ہزار برس تک دھکایا گیا تو اس کی آگ سرخ ہوگئی۔ پھر اس کو دھکایا گیا تو اس کی آگ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھکایا گیا تو اس کی آگ سیاہ ہوگئی، چنانچہ دوزخ اب سیاہ اور اندھیرے والی ہے۔ (حوالہ: سبق آموز واقعات)

(انتخاب:.....رومان جمیل، شادن لُنڈ)

☆.....☆.....☆

قیامت کے دن تنگی سے بچنے کا ایک نبوی نسخہ

☆.....ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو کیا کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے، نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی، نہ کوئی حکم کیا جائے گا، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اللہ ہی مددگار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! جب بستر پر جاؤ تو اللہ سے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگتے تھے۔

ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے، دس مرتبہ الحمدللہ کہتے، دس مرتبہ استغفر اللہ کہتے۔

پھر کہتے: اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی وعافنی، پھر اللہ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆.....☆.....☆

صحابہؓ کا شعار

☆.....علمائے کرام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

(۱)......امامت کرنے سے۔(۲)...... وصی بننے سے ، (یعنی کسی کی وصیت میں مال تقسیم کرنے سے) (۳)...... امانت رکھنے سے۔(۴)......فتویٰ دینے سے۔

اوران کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں:...... (۱) قرآن پاک کی تلاوت...... (۲) مساجد کو آباد کرنا۔(۳) اللہ تعالیٰ کا ذکر...... (۴) اچھی باتوں کی نصیحت کرنا۔(۵)...... بری باتوں سے روکنا۔

(انتخاب:......حفصہ اکرم، جامعۃ الصفۃ للبنات، کراچی)

☆......☆......☆

قبولیت دعا کے مخصوص مقامات

☆......حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ سے بصرہ جانے لگےتو آپ نے مکہ والوں کے نام ایک خط لکھا، جس میں مکے کے قیام کی اہمیت اور فضائل بیان کئے اور یہ بھی واضح کیا کہ مکے میں ان پندرہ مقامات پر خصوصیت کے ساتھ دعا قبول ہوتی ہے:

(۱)......ملتزم کے پاس...... (۲) میزاب رحمت کے نیچے...... (۳) کعبہ کے اندر...... (۴) چاہ زمزم کے پاس...... (۵) صفامروہ پر...... (۶) صفاومروہ کے پاس جہاں سعی کی جاتی ہے...... (۷) مزدلفہ میں...... (۸) عرفات میں...... (۹) مقام ابراہیم کے پیچھے...... (۱۰) منیٰ میں...... (۱۱) جمرات کے پاس (حصن حصین)

(انتخاب:......خنسا سلطان، شاہینہ رفیق، کمالیہ)

☆......☆......☆

آٹھ آیتوں کا ثواب

☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خطاب کر کے فرمایا: ”کیا تم میں سے کوئی آدمی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ ہر روز قرآن کی ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی ”الھٰکم التکاثر“ نہیں پڑھ سکتا، (مطلب یہ ہے کہ ”الھٰکم التکاثر“ روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتوں کے پڑھنے کے برابر ہے)، (بحوالہ: مظہری، حاکم و بیہقی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

(انتخاب:......شاہینہ، کمالیہ)

☆......☆......☆

دس سورتیں دس چیزوں سے بچاتی ہیں

☆......سورۃ فاتحہ اللہ کے غضب سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ الدخان قیامت کی ہولناکیوں سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ الواقعہ فقر و فاقہ سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ الملک عذاب قبر سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ الکافرون موت کے وقت کفر سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ اخلاص منافقت سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ فلق حاسدوں کے حسد سے بچاتی ہے۔

☆......سورۃ الناس وسوسوں سے بچاتی ہے۔

(انتخاب:......رافعہ عبدالغنی، طیبہ احمد، غلہ منڈی، کمالیہ)

☆......☆......☆

یادِ خدا

نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے — تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

جو حیثیت پودے کے لئے پانی کی ہے، وہی حیثیت انسان کی روحانی زندگی کے لئے ذکر کی ہے، جب تک انسان ذکر کرتا رہے گا، روحانی اعتبار سے سرسبز و شاداب رہے گا، جیسے پانی نہ ملنے سے پودا مرجھا جاتا ہے، اسی طرح ذکر نہ کرنے سے انسان روحانی طور پر مرجھا جاتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا، کئی دفعہ چلتا پھرتا انسان اندر سے مرا ہوا ہوتا ہے، اس کا دل سویا ہوا ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی یاد ایک ایسا عمل ہے کہ جو انسان کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

کتنی تسکین وابستہ ہے تیرے نام کے ساتھ — نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

(انتخاب:......آمنہ بنت لیاقت علی، کمالیہ)

☆......☆......☆

محبوب چیزیں

☆......ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) خوشبو، (۲) عورتیں، (۳) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

☆......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرے دیکھنا، (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مال خرچ کرنا، (۳) اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔

☆......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) امر بالمعروف، (۲) نہی عن المنکر، (۳) پرانا کپڑا۔

☆......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) بھوکوں کو کھلانا، (۲) ننگوں کو کپڑا پہنانا، (۳) قرآن کی تلاوت۔

☆......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تین چیزیں محبوب ہیں، (۱) مہمان کی خدمت، (۲) گرمی کا روزہ، (۳) دشمن پر تلوار۔

☆......حضرت جبرئیل امین آئے اور فرمایا، اگر میں دنیا والوں میں ہوتا تو تین چیزیں پسند کرتا: (۱) غریب عبادت گزاروں سے محبت کرنا، (۲) مفلس عیالداروں کی مدد کرنا، (۳) بھولوں ہوؤں کو راستہ دکھانا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی تین چیزیں محبوب ہیں: (۱) طاقت خرچ کرنا مال و جان سے، (۲) فاقہ پر صبر کرنا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

(۳) گناہوں پر ندامت کے ساتھ رونا۔ (ماخوذ: رہنمائے تبلیغی سفر اور چھ نمبر)

(انتخاب:..... بنت حافظ محمود قریشی، کراچی)

☆.....☆.....☆

چار خصلتیں

☆.....ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا: اے نبیؐ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جعفر طیارؓ کی چار خصلتیں بہت محبوب ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا کہ وہ چار خصلتیں کون سی ہیں؟ حضرت جعفر طیارؓ نے جواب دیا کہ میں نے آج تک کسی کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا، لیکن اللہ نے آپ کو بتا دیا تو اب میں وہ خصلتیں آپ کو بتاتا ہوں: (۱) میں نے دیکھا کہ شراب انسان کی عقل زائل کر دیتی ہے، اس لئے میں نے کبھی شراب نہیں پی، (۲) میں نے دیکھا، بتوں کے ہاتھوں میں کوئی نفع و نقصان نہیں، اس لئے میں نے جہالت میں بھی بتوں کی عبادت نہیں کی، (۳) میں اپنی بیوی اور لڑکیوں کے بارے میں بہت غیرت مند ہوں، اس لئے میں نے کبھی زنا نہیں کیا، (۴) میں نے زندگی میں جھوٹ نہیں بولا۔

(انتخاب:..... نازش کنول)

☆.....☆.....☆

علم کی منزلیں

☆.....فضیل بن عیاضؒ کہا کرتے تھے، علم کا پہلا زینہ خاموشی ہے، پھر توجہ سے سننا، پھر حفظ کرنا، پھر عمل ہے، پھر اشاعت۔

☆.....عبداللہ بن مبارکؒ کا فرمان ہے: علم نیت سے شروع ہوتا ہے، پھر بتوجہ سماعت ہے، پھر فہم ہے، پھر حفظ ہے، پھر عمل ہے، پھر علم کی ترویج ہے۔

☆.....☆.....☆

علم کس طرح اٹھے گا

☆.....نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب علم کو براہ راست نہیں اٹھایا جائے گا بلکہ علما اپنی جگہ خالی چھوڑ کر دنیا سے جاتے رہیں گے اور ان کی مسند پر جاہل قبضہ کر لیں گے، لوگ انہی کو امیر و مفتی بنا کر ان کی پیروی کریں گے، وہ غلط مسئلے بتا کر خود بھی گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

معلوم ہوتا ہے قیامت بالکل قریب ہے کہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوتی ہوئی ہر شخص دیکھ رہا ہے۔

(انتخاب:..... نائلہ اشرف)

درود شریف کا اہتمام

☆.....ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو، بس اللہ تعالیٰ تم سے

محبت فرمائیں گے اور تمہارے گناہ معاف فرمائیں گے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے سے ایک تو اللہ تعالیٰ محبت فرمائیں گے، دوسری بات یہ کہ گناہوں کو معاف فرما دیں گے، ایک مسلمان کو اور کیا چاہئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی، وہ میرے ساتھ جنت میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے جو خوش قسمت بندے، اللہ کی رضا کے لئے اپنے مقصد حیات یعنی عبادت میں خصوصی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں، ان کے لئے سب سے زیادہ آسان عمل درود شریف کی کثرت ہے، لہٰذا وہ لوگ رسول اللہ علیہ السلام پر ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، اس لئے کہ جب تک انسان کے دل میں رسول اللہ علیہ السلام کی محبت پیدا نہیں ہوگی، وہ اپنی زندگی کو سنت کے مطابق نہیں گزار پائے گا اور محبت کا دوسرا نام غیرت ہے، غیرت یہ ہے کہ کوئی بھی غیرت مند شخص یہ بات ہرگز گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی ماں، بیٹی، بہن یا بیوی پر کوئی نظر ڈالے، اگر کوئی ایسا کرے گا تو غیرت مند اس کی آنکھیں نکال دے گا۔

کیا چیز تھی جس نے اس کو غصہ دلایا، وہ اس شخص کی غیرت تھی جو ماں، بہن، بیوی یا بیٹی سے محبت کی وجہ سے تھی۔

یہی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر موجود تھی کہ تمام رشتوں اور تمام چیزوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر کے دکھایا اور حدیث شریف کا مفہوم بھی یہی ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے، جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

اس مادی دنیا میں جس طرح مختلف غذاؤں، پھلوں اور پھولوں میں الگ الگ رنگتیں، خوشبوئیں اور لذتیں حق تعالیٰ شانہ نے رکھی ہے، اسی طرح مختلف عبادات، اذکار اور دعوات کے الگ الگ خواص، برکات اور انوار ہیں، خلوص نیت سے درود شریف کی کثرت کرنے کا عمل، اتباع سنت کی توفیق اور حضور علیہ السلام سے روحانی قرب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقت اور عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

جو شخص جتنا زیادہ درود شریف پڑھتا ہے، اتنا ہی اس شخص کا سنتوں پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر وقت یہی خواہش رہتی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت پر عمل کرنے والا بن جاؤں۔

جس نے بھی درود شریف کو اپنا معمول بنا لیا، کم از کم ہزار مرتبہ روزانہ، تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کو آسان بنا دیا کہ اس کے تمام کام اللہ تعالیٰ غیب سے کر رہے ہیں، رزق کی اس پر خوب فراوانی ہے، اس کی اولاد اس کے تابع ہے اور اس سے دین کے کام اللہ تعالیٰ لے رہے ہیں، اس کے علاوہ وہ شخص لوگوں میں محبوب بن جاتا ہے۔

ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی اپنی زندگیوں میں کثرت درود شریف کا معمول بنا لیں اور جہاں کہیں بھی آپ علیہ السلام کا نام سنے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا نہ بھولیں، اسی طرح اگر ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھنا ہو تو خدارا ہم نہ سیاہی کی کنجوسی کرے اور نہ ہی صفحات کی بلکہ جتنی مرتبہ ہمیں لکھنا ہو تو ہم خوشدلی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی سنتوں کی محبت نصیب فرمائے اور مکمل دین پر چلنے والا بنائے۔ (آمین)

(انتخاب:.....اہلیہ بلال، مدرسہ عثمانیہ، بہادر آباد، کراچی)

☆.....☆.....☆

حضور اکرمؐ کے دین کی خاطر سختیاں اور تکالیف برداشت کرنا

☆.....حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی خاطر جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی، اتنی کسی کو نہیں پہنچائی گئی اور جتنا مجھے اللہ کی وجہ سے ڈرایا گیا، اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں مسلسل ایسی گزری ہیں کہ میرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کھانے کو بہت تھوڑی مقدار میں کوئی چیز ہوتی تھی۔

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ معززین قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: ''اے ابو طالب! تمہارا بھتیجا ہمارے گھروں اور ہماری مجالس میں ہمارے پاس آتا ہے اور ہمیں ایسی باتیں سناتا ہے جن سے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو ہمارے پاس آنے سے روک دیں، ابو طالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا: ''اے بھتیجے! آپ کی قوم میرے پاس آئی ہے اور اس نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں، تم مجھ پر اور اپنی جان پر ترس کھاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جس کو میں اٹھا بھی نہ سکوں۔

اپنے چچا کی یہ باتیں سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کے چچا کی رائے بدل گئی ہے اور وہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد چھوڑ کر اپنی قوم کے حوالے کرنے والے ہیں اور اب انہیں آپ کا ساتھ دینے کی ہمت نہیں رہی، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے چچا! اگر سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیا جائے تو بھی اس کام کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو غالب کر دیں یا اس کام میں میری جان چلی جائے'' اتنا کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو دیئے، جب ابو طالب نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام پر پختہ ہیں تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور کہا: ''اے میرے بھتیجے! آپ اپنا کام کرتے رہیں، اللہ کی قسم میں کسی وجہ سے بھی تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا، ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ترش روئی اور سختی سے پیش آنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا!'' آپ کی کمی بہت جلد محسوس ہونے لگی۔''

حضرت منیب رضی اللہ عنہ ازدی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع میں فرما رہے تھے، اے لوگو! ''لا الہ الا اللہ'' کہہ لو، کامیاب ہو جاؤ گے، تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوک رہا ہے اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہا ہے اور کوئی آپ کو گالیاں دے رہا ہے، یونہی آدھا دن گزر گیا، پھر ایک لڑکی پانی کا پیالہ لے کر آئی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور کہا: ''اے میری بیٹی! نہ تو اپنے باپ کے اچانک قتل ہونے کا خطرہ محسوس کر اور نہ کسی قسم کی ذلت کا'' میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ لڑکی کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حطیم (کعبہ) میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنی چادر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر زور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق آئے اور عقبہ کو کندھے سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے ہٹایا اور یہ کہا:

کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی۔'' (صحیح بخاری)

نبوت کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور اماں خدیجہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، ان دونوں کی وجہ سے بھی کفار کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت حوصلہ تھا، جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا تو کافروں کو کھلے عام مسلمانوں کو اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا موقع ملا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں کا قبیلہ بنو ثقیف اگر مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کو ان تکلیفوں سے نجات ملے اور دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے، مگر طائف کے لوگوں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننا تو درکنار نہایت بے رخی اور بداخلاقی سے پیش آئے اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں قیام ہی فرما لیں، جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی، ان میں سے ایک بولا: اوہو آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے، دوسرا بولا کہ اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتا، تیسرے نے کہا کہ میں تجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا، اس لئے کہ اگر تو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے تو تیری بات سے انکار کرنا، مصیبت سے خالی نہیں اور اگر جھوٹ ہے تو میں ایسے شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف والوں سے مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو ان لوگوں نے شہر کے شریر لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائیں، پتھر ماریں، حتیٰ کہ دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اطمینان ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا مانگی: اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی، اے ارحم الرحمین! ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، ایسے اجنبی کے جو مجھے دیکھ کے ترش رو ہوتا ہے اور منہ چھڑاتا ہے یا کسی ایسے دشمن کے، جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہے۔

اے اللہ اگر تو ناراض نہیں ہے مجھ سے تو مجھے کسی کی بھی کوئی پروا نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے، میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے، تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

مالک الملک کی شان قہاری کو اس پر جوش آیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر سلام عرض کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی گفتگو سنی، ان کے جوابات سنے اور ایک فرشتہ کو جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمات ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں اس کو حکم دیں، اس کے بعد فرشتہ نے سلام عرض کیا اور کہا: جو حکم دیں اس کی تعمیل کروں، اگر آپ کا ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں، جس سے یہ سب کچل جائیں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جو سزا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجویز فرمائیں، پیارے شفیق و مہربان نبی نے جواب دیا کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور ان کی عبادت کریں۔

یہ ہیں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریم جن کے ہم نام لیوا ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سخت تکلیف اور مشقت اٹھانے کے باوجود نہ کوئی بددعا کی اور نہ کوئی بدلہ لیا۔ (بحوالہ: فضائل اعمال)

(انتخاب:.....خولہ بنت سلیمان)

☆.....☆.....☆

نام یاد رکھئے!!

☆.....دوسروں کے نام یاد رکھنا، یہ بھی ایک اہتمام ہے اور بہت اچھی ہے، کتنا اچھا لگتا ہے جب دوسری ملاقات پر آپ مخاطب کو اس کے نام سے پکاریں تو وہ یقیناً خوش ہوگا اور بہت اچھا محسوس کرے گا کہ مجھے یاد رکھا گیا اور میری قدر کی گئی، یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی الفت و محبت کا ذریعہ بنتی ہیں، نام یاد رکھنا کوئی مشکل کام نہیں، بس تھوڑی محنت اور توجہ کی ضرورت ہے۔

دوسروں کے نام یاد نہ ہونے کی یہ وجوہات ہوتی ہیں:

(۱).....ملاقات میں سامنے والے پر توجہ نہ دینا۔ (۲).....ملاقات کے وقت کسی اور چیز میں مصروف ہونا۔
(۳).....ملاقات میں تعارف کے دوران توجہ نہ دینا۔ (۴).....ملنے والے کے بارے میں آپ کی بدظنی۔
(۵).....آپ کی یہ سوچ کہ اس کا نام یاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس سے پھر کبھی نہیں مل سکتے۔
(۶).....ملنے والا عام آدمی ہو، فقیر یا جاہل ہو۔ (۷).....نام معلوم ہونے کے بعد بھول جائے تو دوبارہ پوچھنے میں شرمندگی محسوس کرنا۔

ان وجوہات کا حل یہ ہے کہ:

(۱).....آپ اس بات کے قائل ہو جائیں کہ آپ نے لوگوں کے نام یاد رکھنے ہیں۔ (۲).....نام پوچھنے میں سامنے والے کو یہ محسوس نہ کرائیں کہ کیا آپ اس کا نام نہیں پوچھ رہے بلکہ اس سے منٹوں کا پوچھ رہے ہیں کہ کتنے منٹوں بعد میری جان چھوڑو گے؟ (۳).....ملاقات میں پوری توجہ ہونی چاہئے۔ (۴).....کوشش کریں کہ ملاقات کے دوران سامنے والے کی طبیعت و صورت اور بول و چال پر غور کریں تاکہ اس کی صورت آپ کے ذہن میں محفوظ رہے۔ (۵).....ملاقات کے دوران سامنے والے کو بار بار پکارنے کی کوشش کرے تاکہ آپ کو اس کا نام یاد رہے۔

اگر ہم قرآن مجید میں دیکھیں تو جگہ جگہ نظر آئے گا کہ اللہ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کو ان کے نام لے کر پکارا ہے جیسے:

"اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو!" "اے نوح! وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔" "اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔"

(انتخاب:.....خدیجہ رشیدی، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

حیا کی محفل

محترم قارئین وقاریات: السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے اور ماہنامہ حیا پڑھ کر اس پر تعریفی اور تنقیدی تبصرہ کے لئے قلم و کاغذ تھامے لکھنے بیٹھے ہوں گے (آپ کے یہی تعریفی و تنقیدی خطوط ہی تو ہمارے رسالے کی جان ہیں)

اکثر بہنیں شکوہ کرتی ہیں کہ رسالے میں کہانیاں کم اور مضامین زیادہ ہوتے ہیں، تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ رسالہ آپ بہنوں کے ارسال کردہ تحریروں سے مزین کر کے شائع کیا جاتا ہے، جو آپ بھیجیں گی، وہی شائع ہوگا، لہٰذا شکوہ کرنے کے بجائے ہمت کریں، کاغذ قلم تھامئے اور لکھ ڈالئے، ایک زبردست سی کہانی..... ہاں، معیار کا خیال ضرور رکھئے گا.....

ربیع الاول کا شمارہ، پیش خدمت ہے، کیسا لگا؟..... ضرور بتایئے گا..... مجھے انتظار رہے گا۔ آپ کی بہن

مہر افروز مہر

✉ شیرین گل، پشاور سے لکھتی ہیں: السلام علیکم اور بہت دعائیں! نیا اسلامی سال اور عیسوی سال آپ سب کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ ہمارے ملک اور تمام عالم اسلام کے لئے مبارک کرے (آمین)..... اس وقت جن مشکلات اور آزمائشوں میں ہم گھرے ہوئے ہیں، ان سب سے ہمیں نجات دے (آمین)..... یہ خط میں بہت جلدی میں لکھ رہی ہوں تاکہ بروقت پہنچ سکے کیونکہ ہمارے مواصلات کا جو ذریعہ تھا، وہی ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے، ریل گاڑیاں بغیر انجن کے کھڑی ہیں، جہاز گراؤنڈ کر دیئے گئے، کسی جہاز کا انجن خراب ہے تو کسی کا لنک سسٹم کام نہیں کرتا، حتیٰ کہ ایک جہاز میں تو چھپکلی اور کاکروچ دیکھ کر تو مسافروں کی چیخیں نکل گئیں، اللہ ہی ہمارے حال پر رحم کرے (آمین)..... دسمبر کا حیا ملا، بہت ہلکا پھلکا سا تھا، اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی، مگر یہ کوئی تین ماہ پہلے لکھا تھا، اس کے بعد بھی ایک خط جوابی لفافے کے ہمراہ آپ کو بھیجا، مگر اس کا نہ کوئی جواب آیا نہ "حیا" میں کوئی ذکر تھا، شاید وہ بھی نہیں ملا، سوچتی ہوں پہلے زمانے کی طرح پیغام رسانی کے لئے پھر کبوتروں کا سہارا نہ لینا پڑ جائے۔ ڈاک کا خرچہ بھی نہیں ہوگا، کیا خیال ہے؟ "داستانِ مجاہد" اور "فردوس بریں" بہت اچھے ناول ہیں، اپنے زمانہ طالب علمی میں پڑھے تھے، "نسیم حجازی" اور "شرر" کے ناول، مگر جو سلسلے وار کہانیاں پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جاری ہیں، پہلے ان کو ختم ہونا چاہئے۔ اس ماہ تو ان کی اقساط بھی غائب ہیں، ''فداک ابی وامی یارسول اللہ ﷺ'' کا تو شدت سے انتظار رہتا ہے، ''تمنا بر آئی'' اختتام پذیر ہوگئی۔ ''حیا'' ابھی پورا نہیں پڑھا، ''ابلیس اور انسان'' والی نظم دوبارہ بھیج رہی ہوں، خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے، آخر میں ''حیا'' کی تمام قاریات کو میرا پر خلوص سلام اور وعلیکم السلام ان سب بیٹیوں کو جو میرے لئے دعا کرتی ہیں اور میری بھی ان سب کے اور آپ کے لئے دلی دعائیں، سب کو اللہ تعالیٰ خوش رکھے اور کامیابیاں عطا کرے۔ آمین، اللہ حافظ

وعلیکم السلام شیریں بہن! ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ جو خطوط آئیں فوری طور پر ان کو شائع کر دیا جائے، مگر بسا اوقات خطوط کئی کئی ماہ بعد ہم تک پہنچتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ملکی حالات پر رحم فرمائے۔

☆.....☆.....☆

ہادیہ رحمٰن، جھنگ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور محبت وعافیت کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے، یعنی کہ ''ادارہ حیا'' کی تمام ٹیم رسالہ تیار کرنے میں اور قاریات وقارئین پڑھنے میں مصروف ہوں گے، اللہ تعالیٰ سب کو دنیا اور آخرت میں کامیابیاں عطا کرے (آمین)..... میں ''حیا'' کی چند مہینوں سے قاریہ ہوں، کیونکہ اس سے پہلے میں اس رسالے سے بے خبر تھی، اس کی ساری تحریریں خاص طور پر کہانیاں بہت پسند ہیں، لیکن ابھی تک آپ کی ایک تحریر کے علاوہ کوئی تحریر میری نگاہوں کے سامنے سے نہیں گزری، آپ کی تحریر کا شدت سے انتظار ہے۔ قسط وار کہانی ''وقت ایک جیسا نہیں رہتا'' میں شعروں کا انتخاب خوب ہوتا تھا، میں ڈائری میں یہ اشعار اتار لیتی تھی، تینوں قسط وار کہانیاں بہترین طریقے سے آگے بڑھ رہی ہیں، وقتاً فوقتاً جو لکھتے رہتے ہیں وہ بھی بہت خوب لکھتے ہیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ..... جب پہلی بار ''حیا'' کا شمارہ پڑھا تو لکھنے کو بے اختیار دل چاہا لیکن اپنی اس خواہش کو لگام دینا پڑی کیونکہ اس وقت امتحان سر پر تھے، اب امتحان سے فراغت ملتے ہی میں کاغذ قلم سنبھالے آپ کو لکھ رہی ہوں، آپ میرے امتحان میں کامیابی کی دعا کیجئے گا۔ دو کہانیاں ارسال ہیں، امید ہے آپ کی امیدوں پر پورا اترے گی، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ کے ساتھ قلمی تعاون برقرار رہے گا۔ اب دعاؤں کے ساتھ اجازت! والسلام

ہادیہ بہن! میری تحریری کی پسندیدگی کا شکریہ، میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وقتاً فوقتاً لکھتی رہوں، بعض اوقات مصروفیات آڑے آجاتی ہیں جن کی بناء پر سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں کامیاب کرے، آپ کی تحریر معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر حافظ عبدالغنی خالد، غلہ منڈی کمالیہ سے لکھتے ہیں: ہم تمام اہل خانہ ''حیا رسالے'' کے دیرینہ قاری ہیں، تمام تحریروں کو زیر مطالعہ رکھتے ہیں جس کا مقصد صرف اضافہ علم ہی نہیں بلکہ اصلاح اعمال بھی ہوتی ہے، مگر اس وقت بہت کوفت کا سامنا ہوتا ہے جب املاء کی غلطی کی وجہ سے فقرہ ہی بدل جاتا ہے۔ اولاً تو خیال ہوا کہ ان اغلاط کی نشاندہی بھی کر دی جائے مگر

خیال تھا کہ ہوگا کوئی ایک آدھ زخم　　لیکن یہاں تو بہت کام رفو کا نکلا

والی مثال بن گئی، پھر سوچا فی الوقت اشارتاً عرض کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے، اگر راقمین وناشرین متوجہ نہ ہوئے تو پھر یہ نشاندہی کا کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا، کیوں؟ اس لئے کہ اگر ہم خود ہی اصلاح تحریر کا بیڑا نہ اٹھائیں گے تو اغیار مذاق بھی اڑائیں گے اور اصلاح بھی کروائیں گے اس لئے توجہ فرمائیں۔

محترم حافظ عبدالغنی صاحب! ہماری بھرپور کوشش یہی ہوتی ہے کہ حتی الامکان غلطی کم سے کم ہو، اس کے باوجود بھی اگر کوئی غلطی رہ جاتی ہے تو اسے بشری کمزوری کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

امۃ اللہ طالعہ برکت، طیبہ برکت، ماریہ اختر لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ومغفرتہٗ! پیاری آپی مدیرہ اور تمام معاونین، امید ہے کہ آپ سب اور تمام قارئین خیر وعافیت سے ہوں گے، یہ میرا ''حیا کی محفل'' میں دوسرا خط ہے، اپنا پہلا خط ستمبر، اکتوبر کے رسالے میں دو ماہ بعد دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ پہلی بار کوئی چیز بھیجی اور وہ شائع ہوگئی، آپ کا بہت بہت شکریہ، نومبر کا رسالہ بہت زیادہ تاخیر سے ملا، تقریباً 28 تاریخ کو، لیکن اب تو عادت سی ہوگئی ہے، اتنا لیٹ ملنے کی، ٹائٹل بہت خوبصورت تھا، تازہ گلاب کی کلی دیکھ کر بہت دل خوش ہوا، بنت مسعود کی کہانی ''ہر شب تاریک کے دامن میں ہے تابان سحر'' بہر حال تین اقساط کے بعد اختتام کو پہنچی، بہت ہی زبردست کہانی تھی، واقعی خزاں کے بعد بہار ضرور آتی ہے، اس کہانی میں بنت مسعود نے جو تبلیغی جماعت کے بارے میں ٹاپک دیا، وہ واقعی درست تھا، کسی نے صحیح کہا کہ ''علم جتنا بھی حاصل کرو، لیکن عمل تبلیغی جماعت میں ہی جا کر آتا ہے۔'' یہ عام مشاہدہ ہے، وہاں جا کر یہ احساس ہوتا ہے کہ واقعی یہ ہمارے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری ہے، جسے ہم بھول گئے، جو ختم نبوت کے صدقے ہم تک پہنچی اور دعا کریں کہ ہم بھی اس کو پوری دنیا میں پھیلانے کا سبب بن جائیں، آمین، بات کہاں سے کہاں چلی گئی، لیکن ہم ''حیا'' کی طرف واپس آتے ہیں، زینت کی تحریر بھی بہت زبردست تھی، واقعی علماء ہمارے سر کا تاج اور مدارس اسلام کے قلعے ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے۔ مریم غازی کی کہانی پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ ہمارا معاشرہ کتنی برائیوں کی جڑ بن چکا ہے، ام حیات کی ''ایک زندگی ایک کہانی'' بھی اچھا سلسلہ ہے اور ''باورچی خانہ'' میں تو ہمیشہ کی طرح زبردست پکوان پک رہے ہیں، لیکن ''سہانا بچپن'' کچھ عرصے سے صفحہ ہستی سے غائب ہے، کیونکہ میں اپنے بھتیجے محمد یحییٰ اور بھانجے محمد کے بارے میں کچھ بھیجنا چاہ رہی تھی، لیکن اب اس کی جگہ ''روشن چراغ'' نے لے لی ہے، مگر وہ بھی بہت اچھا سلسلہ ہے ''گلدستہ حیا'' میری بھابھی کو بہت ہی زیادہ پسند ہے، باقی تمام سلسلے بھی اپنی مثال آپ ہیں، بس اس کی جتنی بھی تعریف کریں، وہ کم ہے، آپی آپ سے ایک گزارش ہے کہ میرا جو پچھلا خط شائع ہوا، اس میں میرا پورا نام نہیں تھا اور نہ ہی شہر کا نام تھا، جس کی وجہ سے سب نے یہی کہا کہ اس میں تمہارا نام تو ہے نہیں، یہ کسی اور کا ہوگا، لہٰذا برائے مہربانی اب کی بار میرا پورا نام شائع کریں، میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔ آپی میں ایک ''نظم'' اور کچھ ''اقوال زریں'' بھیج رہی ہوں، اگر وہ اشاعت کے قابل ہوں تو انہیں ضرور شائع کریں اور میری حوصلہ افزائی کریں تاکہ میں آگے مزید کچھ لکھ سکوں اور اگر وہ اشاعت کے قابل نہیں تو پلیز ضرور مجھے اس کے بارے میں بتائیے گا، آپ کی دعاؤں سے میرا فرسٹ ایئر کا رزلٹ بہت اچھا آیا، آخر میں آپی راحت اور آپی مہر کے نام ایک دعا:

خدا نہ کرے افسردہ ہوں آپ کبھی　　وقت کی بہاریں ہمیشہ آپ کے آنگن میں
خوشیوں کے پھول کھلاتی رہیں　　اور آپ ان پھولوں کو دھیرے دھیرے چنتی رہیں

پیاری بہنو! ''حیا'' کی پوری ٹیم کی ہر وقت یہی کوشش ہے کہ ''حیا'' آپ تک بروقت پہنچے اور گزشتہ تین چار ماہ سے ''حیا'' کی ٹیم دن رات ایک کر کے رسالے کو بروقت شائع کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ آپ اپنے بھتیجے اور بھانجے کے بارے میں جو تحریر بھیجنا چاہتی ہیں، وہ ضرور بھیجیں۔ ''سہانا بچپن'' الگ سلسلہ ہے اور ''روشن چراغ'' الگ، آپ نظم اور اقوال زریں بھیج دیں، معیاری ہونے کی صورت میں ضرور ''حیا'' میں جگہ ملے گی۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ اشرف "735 گ ب" سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ اللہ کے فضل کرم سے آپ خیریت سے ہوں گی، میری اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمائے (آمین)..... حیا رسالہ" مجھے بہت پسند ہے، خیر آج لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں، باجی جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا ملک پاکستان نازک ترین مراحل سے گزر رہا ہے، ہماری مجاہدہ بہن "ڈاکٹر عافیہ صدیقی" کو 86 سال کی قید ہوگئی ہے، پہلے ہم پر کیا کم طوفان ٹوٹے ہیں۔ "ڈاکٹر عافیہ صدیقی" کا جرم کیا ہے؟ صرف یہی ناں کہ یہ بہن مسلمان ہے، اس بہن کو دہشت گردی کا الزام دے کر امریکا نے خوب فیصلہ سنا دیا، کاش باجی! میری یہ آواز امریکا والوں تک پہنچ جائے کہ تمہاری قید میں تو صرف ہماری بہن "ڈاکٹر عافیہ صدیقی" ہے، ادھر ہم بھی سروں پر کفن لپیٹے شہادت کی منتظر ہیں، میری تمام قارئین سے التماس ہے کہ اٹھو! اس بہن کے لئے آواز بلند کرو اور امریکا کو بتا دو کہ امریکیوں تم اس حقیقت سے زیادہ دیر تک غافل نہیں رہ سکتے کہ حق وصداقت کی تحریکیں لاٹھی گولی کی سرکار اور دشمنوں کی خون آشام کارروائیوں سے دبا نہیں کرتیں، بلکہ بقول شاعر کہ:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے — اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

☆.....☆.....☆

رافعہ عبدالغنی، غلہ منڈی ریلوے روڈ کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! باجی کیسی ہیں، امید ہے خیریت سے ہوں گی اور خوش ہوں گی، اس دفعہ دسمبر کا "حیا" ملا تو بہت زیادہ خوشی ہوئی، آپ بھی کہیں گی کہ ہر ماہ ہی ملتا ہے، اس میں اتنی خوشی کی بات کیا ہے، تو جی ہاں خوشی کی بات اس لئے کہ ایک تو "حیا" مل رہا تھا، دوسرا وقت پر مل رہا تھا تو بتائیے خوشی ہونی چاہئے تھی نا!!! اور ہاں باجی! ہم آپ سے ناراض ہیں، آپ نے میرا خط شائع نہیں کیا، اکتوبر کا "حیا" ملا تو اس میں بھی نہیں تھا، میں نے کہا، چلو نومبر کا ماہنامہ میں ہوگا، لیکن اس میں بھی نہ تھا، تو اب دسمبر کے "حیا" میں بھی نہ دیکھ کر دلی افسوس ہوا، جس کزن کو پوسٹ کرنے کے لئے دیتی ہوں، وہ کہتا ہے، جلدی سے دیکھو، رافعہ کا خط شائع ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو وہ میرا سر کھائے گی کہ تم پوسٹ نہیں کر کے آئے ہو گے، پلیز اگر آپ تک پہنچ گیا ہو تو شائع نہ کرنے کی وجہ ضرور بتائیے گا، پلیز اب دسمبر کے ماہنامہ پر تھوڑا تبصرہ ہو جائے۔ "حیا" ملا تو گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، لیکن اس میں "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کو نہ پا کر ہم غمگین ہو گئے اور مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر کے قلم سے "آرزو اور آبرو کا ذہنی سفر" بہت اچھی تھی، ان سے درخواست ہے کہ "حیا" میں اپنی تحریر کو شامل کر کے اسے دن دگنی رات چوگنی ترقی کا موقع عنایت فرماتے رہا کریں، باقی "حیا" بھی پہلے کی طرح پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا، باجی "میری پسند" کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں اور افسانوں کی تعداد بڑھائیں، آخر میں "حیا" کے تمام معاونین کو سلام دعاؤں میں یاد رکھئے گا، خط کا جواب ضرور دیجئے گا۔

رافعہ بہن! اب تو خوش ہو گئیں نا اپنا خط شامل اشاعت دیکھ کر، سابقہ خطوط شائع نہ ہونے کی وجہ سے یہی ہے کہ وہ ہمیں تاخیر سے ملے۔

☆.....☆.....☆

ام حیات ہنگورا، کراچی سے لکھتی ہیں: محترمہ مہر افروز مہر صاحبہ، السلام علیکم! امید ہے بخیریت ہوں گی، ماشاء اللہ جس طرح تین ماہ سے "حیا" ٹائم پر مل رہا ہے، اس پر "حیا" کی ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے، ماہ جنوری کا رسالہ ہاتھ میں ہے، "ایک زندگی ایک کہانی" کی نویں کہانی اس شمارے میں ہے، اس سلسلے میں آپ سے گزارش ہے کہ ایڈیٹنگ کی غلطیوں کی وجہ سے اکثر جگہوں پر کہانی جھول کھا جاتی ہے، اکثر پوری پوری لائنیں غائب ہوتی ہے، امید ہے آئندہ اس

بات کا خیال رکھا جائے گا۔ اب آتی ہوں بقیہ شمارے کی طرف..... تمام شمارے قابل ستائش ہے، مگر دو چیزیں جن پر تنقید ضروری ہے، اس میں اول نمبر پر تو تبسم میں دو لطیفے انتہائی واہیات تھے جو انتخاب رافعہ عبدالغنی کمالیہ کے تھے، "حیا" کے معیار کے مطابق ہرگز نہیں تھے، دوسرے نمبر پر بنت مولانا عبدالمجید کی کہانی "کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں" عجیب وغریب کہانی ہے، اول تو مشکل قسم کے نام رکھ کر پڑھنے والے کی ذہانت کو آزمانا" آئلہ، آہانی، عابش، جرمل، ایان، منہل، راحل لجین" یہ نام ہمارے معاشرے سے کہاں میل کھاتے ہیں، ان کو پڑھنا ہی دردسر ہے، پھر یہ نامحرموں کے آپس میں تعلقات سے صفحات بھرے ہوئے ہیں، بے شک آگے جا کر سب کو ہدایت مل جائے گی اور کہانی کا رخ مڑ جائے گا، لیکن تب تک قارئین اسے پڑھ کر عام رسالے والے مزے اٹھائیں گے، یہ اٹھکیلیاں، یہ بدتمیزیاں بہت مزے سے لڑکیاں آپس میں ڈسکس کرتی ہیں، کیونکہ شیطان تو نفس کے ساتھ ہے، یقیناً "حیا" کو پڑھنے والے لوگ بے شک دیندار ہوں گے، کیونکہ اسے کوئی عام آدمی پڑھنا پسند نہیں کرتا اور وہ "اے بور" کہتے ہیں، ہم کو ہی ہمارا بور اور خشک شمارہ مبارک، لیکن خدارا اس کی خوبصورتی کو گہنائیں نہیں، بے شک اکثر لڑکیوں کے تعریفی خط آپ کو بنت عبدالمجید کی تحریر کے لئے ملیں گے، مگر ہمیں بچیوں کی تربیت اس طرح کے ماحول دکھا کر نہیں کرنی ہے۔ "شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات" جہاں "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" آتا ہو، جہاں "تمنا بر آئی" جیسے مضمون چھپتے ہوں، وہاں ایسی لغویات کیا معنی رکھتی ہے، اصلاحی پہلو سے تھوڑا بہت بیان کرنا کافی ہوتا ہے، نہ کہ ساری کہانی ان لوگوں کی بے حیائی پر مشتمل ہو، یہی حال قارئین نے "اشتیاق احمد" کی کہانی کا کیا تھا، حالانکہ وہ اس کہانی سے لاکھ درجے بہتر تھی، اگر کچھ برا لگا ہو تو معذرت، راحت باجی کو سلام اور آپ سے دعاؤں میں یاد رکھنے کی گزارش۔

محترمہ ام حیات صاحبہ! بنت مولانا عبدالمجید کی کہانی یا اس کے علاوہ جتنی بھی کہانیاں ماہنامہ "حیا" میں شائع ہوتی ہیں، وہ ہمارے معاشرے کی عکاسی ہے، اس وقت ہمارے معاشرے کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے، اسی کو سامنے رکھ کر یہ بچیاں محنت سے کہانیاں لکھتی ہیں، اگر اس پہلو کو پیش نظر رکھ کر کہانیوں، افسانوں کو پڑھا جائے تو امید ہے کوئی اعتراض باقی نہیں رہے گا..... ادارہ "حیا" کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی ایسی کہانی یا افسانہ شائع نہ کیا جائے جو شریعت اسلامیہ کے مزاج کے خلاف ہو..... امید ہے کہ آئندہ بھی ماہنامہ "حیا" کے سلسلوں پر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

☆.....☆.....☆

زوجہ مولانا محمد اصغر نعمانی، ضلع لیہ سے لکھتی ہیں: محترمہ پیاری باجی مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! پیاری باجی امید کرتی ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے آپ خیریت سے ہوں گی، میں بہت لمبے عرصے کے بعد "حیا" میں شمولیت اختیار کر رہی ہوں، اس کی چند وجوہات ہیں، ایک تو اللہ کے خصوصی فضل سے میری چاند جیسی بیٹی "سارہ جبین" پیدا ہوئی ہے، جس نے مجھے کافی حد تک مصروف کر رکھا ہے، اس کے علاوہ میرے ابو جی کی طبیعت کافی خراب رہتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی یادداشت کم ہو گئی ہے، قارئین کرام سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے..... اب آتے ہیں اپنے پیارے پیارے رسالے "حیا" کی طرف، ویسے تو میں باقاعدگی سے سارے شمارے پڑھتی رہی ہوں، لیکن اب میرے سامنے نومبر کا "حیا" پڑا ہے، جو کہ میرے پاس دسمبر کو پہنچا ہے، کیونکہ اس کو پہلے میری چھوٹی بہن ثنا اور پیاری کزن مریم پڑھتی ہیں، پھر کہیں مجھ حقیر کے پاس پہنچتا ہے، بہت انتظار کرنا پڑتا ہے، خیر انتظار کے بعد جو چیز ملے، اس کا مزہ زیادہ ہوتا ہے، اب نومبر کے شمارے پر بھی کچھ تبصرہ ہو جائے..... بنت مسعود کی قسط وار کہانی "ہر شب تاریک کے دامن میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تاباں سحر" نے تو اختتام تو بہت شاندار کیا ہے، اس کی ہر قسط کا مزہ الگ الگ تھا، ایسی زبردست کہانی لکھنے پر میری طرف سے بنت مسعود صاحبہ کو بہت بہت مبارکباد قبول ہو اور اب امید ہے کسی نئی کہانی کے ساتھ آپ عنقریب تشریف لائیں گی ان شاء اللہ۔ میں نے اپنے خاوند سے کافی اصرار کیا کہ آپ بھی پڑھیں، جب انہوں نے "حیا" کو پہلی بار پڑھا تو بہت تعریف کرنے لگے، کہنے لگے کہ اس رسالے میں تو بہت اچھے انداز سے بچیوں کی رہنمائی کی جاتی ہے، پھر کہا کہ اپنی طالبات کو یہ پڑھنے کے لئے ضرور دیا کرو، مریم غازی کی کہانی "ہر راہ جو ادھر کو جاتی ہے" کافی سبق آموز تھی، راحت ارشد حسین کی "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو بہت بہترین جارہی ہے، باقی تمام تحریریں عمدہ تھیں، ایک تحریر بھیج رہی ہوں، امید ہے شائع کریں گی، پیاری باجی ایک چھوٹی سی تجویز پیش کرنا تھی، وہ یہ کہ اگر کوئی ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جس میں قاریات، بہنوں کو ایک موضوع دیا جائے جس پر چند لائنیں لکھی جائیں تو اس طرح بہت سی بہنوں کی صلاحیتیں ظاہر ہو جائیں گی، جیسے "میری ماں کیسی ہو، شرعی پردہ سے کیا ملا" وغیرہ وغیرہ..... دعا ہے کہ اللہ پاک "ماہنامہ حیا" کی انتظامیہ کو اسی طرح دین کی خدمت پر لگائے رکھے، آمین..... میری طرف سے تمام قارئین کو سلام اور دعاؤں کی درخواست اور نازش کنول "ربال" کو سلام ہو۔

زوجہ مولانا محمد اصغر نعمانی صاحبہ! آپ کو بیٹی کی پیدائش پر "حیا" کی پوری ٹیم کی طرف سے مبارکباد پیش کرتی ہوں، اللہ تعالیٰ اس بچی کو نیک اور باعمل بنائے۔ آپ کی تجویز بہت مناسب ہے، اس پر غور کر کے عن قریب کوئی سلسلہ شروع کریں گے۔

☆.....☆.....☆

لبنیٰ فیصل لکھتی ہیں: محترمہ جناب مدیرہ راحت ارشد صاحبہ "ماہنامہ حیا کراچی" السلام علیکم! میرا نام لبنیٰ فیصل ہے اور میں تقریباً 2 سال سے آپ کی قاری ہوں اور میں نے آپ کے رسالے میں ایک تحریر بھی ارسال کی تھی "ام صنان فیصل" کے نام سے، مگر معذرت کے ساتھ اس کے بارے میں بھی پتہ نہیں چل سکا، اب میں ایک اور مضمون یا افسانہ ارسال کر رہی ہوں، اس کو بھی اپنے ماہنامہ کی زینت بنائیے گا۔

لبنیٰ بہن! آپ کی تحریر ہم تک پہنچی نہیں، ورنہ ضرور شائع ہوتی۔

☆.....☆.....☆

آمنہ لیاقت علی، کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ "حیا" کی ٹیم بخیر و عافیت ہوگی۔ "حیا" رسالہ دن بدن بہتری کی طرف گامزن ہے، خاص طور پر اس کا ٹائٹل دیدہ زیب ہوتا ہے، راحت آپی "توبۃ النصوح" کی ابھی کتنی قسطیں اور باقی ہیں اور آپ نے جو کہانی "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" شروع کی ہے، وہ بڑی زبردست جارہی ہے، اس سے ہمیں بہت معلومات ملتی ہے، یہ کہانی نما مضمون مجھے بہت پسند ہے، لیکن کبھی تو یہ (رسالہ) میں ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، ایسے لگتا ہے جیسے خانہ پری کے لئے ہو، "میری پسند" کافی عرصہ سے بند ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپی "حیا" میں مضامین زیادہ ہوتے ہیں اور کہانیاں کم ہوتی ہے جبکہ آج کل کہانیاں زیادہ پسند کی جاتی ہے، یعنی اعتدال ہو مضامین بھی ہو اور کہانیاں بھی۔

آمنہ بیٹی! رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ! راحت صاحبہ ہم سے دور ہیں اور ان کی اپنی مصروفیات بھی، جس کی بنا پر درمیان میں انقطاع آجاتا ہے، جس کے لئے ہم ان کی طرف سے معذرت خواہ ہیں۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قرار نگاہوں سے اس کے سینے میں چبھے ہوئے خنجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالآخر زلیخا نے ایک سسکی لے کر نعیم کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا: میں آپ کے گھر جا کر اسے دیکھنا چاہتی تھی، میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی، آپ وہاں جا کر اسے میرا سلام کہیں، یہاں تک کہ زلیخا خاموش ہوگئی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد بولی، اب میں ایک لمبے سفر پر جا رہی ہوں اور آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں، وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جہاں میرا جاننے والا کوئی نہ ہوگا، جہاں شاید میرے والدین بھی مجھے پہچان نہ سکیں، کیونکہ میں بہت چھوٹی تھی، جب کہ میرا ظالم چچا مجھے اٹھا لایا تھا، میں یہ توقع رکھ سکتی ہوں کہ آپ اس دنیا میں مجھے ایک بار ضرور ملیں گے؟ آخر وہاں کوئی تو ہو جسے میں اپنا کہہ سکوں، میں آپ کو اپنا سمجھتی ہوں، لیکن آپ مجھ سے نزدیک بھی ہیں اور دور بھی۔

زلیخا کے یہ الفاظ نعیم کے دل میں اتر گئے۔ اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں، اس نے کہا: زلیخا! اگر تم مجھے اپنا بنانا چاہتی ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔

زلیخا کا ملول چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، مایوسی کی تاریکی میں مرجھائے ہوئے پھول میں امید کی روشنی کے تصور نے تروتازگی پیدا کر دی، اس نے بے قرار ہو کر پوچھا:

بتائیے، وہ کون سا راستہ ہے؟

زلیخا! میرے آقا کی غلامی قبول کر لو۔ پھر تم میں اور مجھ میں کوئی فاصلہ نہیں رہے گا۔

میں تیار ہوں، لیکن آپ کا آقا مجھے اپنی غلامی میں لے لے گا؟

ہاں، وہ بہت رحیم ہے۔

لیکن میں چند لمحات کے لئے زندہ ہوں۔

اس بات کے لئے طویل مدت کی ضرورت نہیں، زلیخا کہو!

کیا کہوں! زلیخا نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

نعیم نے کلمہ شہادت پڑھا اور زلیخا نے اس کے الفاظ دہرا دیئے، زلیخا نے پھر ایک بار پانی مانگا اور پینے کے بعد کہا، میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے دل سے ایک بوجھ اتر چکا ہے۔

نعیم نے کہا: یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر ایک چوکی ہے، اگر تم گھوڑے پر سوار ہو سکتیں تو میں تمہیں وہاں لے جاتا، چونکہ اس حالت میں تمہارا گھوڑے پر بیٹھنا ناممکن ہے، تم تھوڑی دیر کے لئے مجھے اجازت دو، میں بہت جلد وہاں سے سپاہی بلاتا ہوں، شاید وہ آس پاس کی بستی سے کوئی طبیب ڈھونڈ لائیں۔

نعیم زلیخا کا سر زمین پر رکھ کر اٹھنے کو تھا لیکن اس نے اپنے کمزور ہاتھوں سے نعیم کا دامن پکڑ لیا اور روتے ہوئے کہا، خدا کے لئے آپ کہیں نہ جائیں، آپ واپس آ کر مجھے زندہ نہ پائیں گے، میں مرتے وقت آپ کے ہاتھوں کے سہارے سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔

نعیم زلیخا کی اس دردمندانہ درخواست کو رد نہ کر سکا وہ پھر اس طرح بیٹھ گیا۔ زلیخا نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں اور دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی، وہ کبھی کبھی آنکھیں کھول کر نعیم کی طرف دیکھ لیتی، رات کے تین پہر گزر چکے تھے، صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے زلیخا کی طاقت جواب دے چکی تھی، اس کے تمام اعضا ڈھیلے پڑنے لگے اور سانس اُکھڑا اُکھڑا آنے لگا۔

زلیخا! نعیم نے بے قرار ہو کر پکارا۔

زلیخا نے آخری بار آنکھیں کھولیں اور ایک لمبی سانس لینے کے بعد دائمی نیند کی آغوش میں سو گئی۔ نعیم نے (انا للہ وانا الیہ راجعون) کہہ کر سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے اور زلیخا کے چہرے پر گر پڑے۔ زلیخا کی بے زبانی یہ کہہ رہی تھی۔

اے مقدس ہستی! میں تیرے آنسوؤں کی قیمت ادا کر چکی ہوں۔

نعیم اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور قریب کی چوکی پر پہنچ کر چند سپاہیوں کی ساتھ لے آیا، قریب و جوار کی

بستیوں کے کچھ لوگ بھی جمع ہو گئے، نعیم نے نماز جنازہ پڑھائی اور زلیخا اور اس کے ساتھیوں کو سپرد خاک کرنے کے بعد گھر کی طرف کوچ کیا۔

اجنبی:..... نعیم ایک وسیع صحرا عبور کر رہا تھا، وہ زلیخا کی موت کا غم، سفر کی کلفتوں اور طرح طرح کی پریشانیوں سے نڈھال سا ہو کر آہستہ آہستہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا، اس ویرانے میں کبھی کبھی بھیڑیوں اور گیدڑوں کی آوازیں سنائی دیتیں لیکن پھر خاموشی اپنا رنگ جما لیتی، تھوڑی دیر بعد افق مشرق سے چاند نمودار ہوا۔ تاریکی کا طلسم ٹوٹنے لگا اور ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی، بڑھتی ہوئی روشنی میں نعیم کو دور دور کے ٹیلے، جھاڑیاں اور درخت نظر آنے لگے۔ وہ منزل مقصود کے قریب پہنچ چکا تھا، اسے اپنی بستی کے گرد و نواح کے نخلستان کی خفیف سی جھلک نظر آ رہی تھی۔ وہ بستی جو اس کی رنگین خوابوں کا مرکز تھی اور جس کے ہر ذرے کے ساتھ اس کے دل کے ٹکڑے پیوست ہو چکے تھے، وہ بستی اب اس قدر قریب تھی کہ وہ گھوڑے کو ایک بار سرپٹ چھوڑ کر وہاں پہنچ سکتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے تصورات بار بار اس مقام سے کوسوں دور زلیخا کے آخری گھر کی طرف لے جا رہے تھے، زلیخا کی موت کا دردناک منظر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا، اس کے آخری الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، وہ چاہتا تھا کہ اس دردناک کہانی کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جائے لیکن وہ محسوس کرتا تھا کہ ساری کائنات ظلومیت کے اس شاہکار کی آہوں اور آنسوؤں سے لبریز ہے، گھر کے متعلق بھی اسے ہزاروں توہمات پریشان کر رہے تھے، وہ اپنی زندگی کے امیدوں کے مرکز کی طرف جا رہا تھا لیکن اس کے دل میں ایک نوجوان کا سا ذوق و شوق اور ولولہ نہ تھا، وہ اپنی گزشتہ زندگی میں گھوڑے پر اس طرح ڈھیلا ہو کر کبھی نہیں بیٹھا تھا، وہ خیالات کے ہجوم میں دبا جا رہا تھا، اچانک اسے بستی کی طرف سے چند آوازیں سنائی دیں۔ وہ چوکنا ہو کر سننے لگا، بستی کی لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں، یہ عرب کے وہ سیدھے سادے راگ تھے جو اکثر شادی کے موقع پر گائے جاتے تھے، نعیم کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی، وہ چاہتا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے لیکن تھوڑی دور اور چلنے کے بعد اس کے اٹھتے ہوئے ولولے سرد کر رہ گئے، وہ اس کی چار یواری کے قریب پہنچ چکا تھا جہاں سے گانے کی آواز آ رہی تھی اور یہ اس کا اپنا گھر تھا، کھلے دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے گھوڑا روکا لیکن کسی خیال نے اسے آگے بڑھنے سے روک لیا، صحن کے اندر مشعلیں روشن تھیں اور بستی کے لوگ کھانا کھانے میں مشغول تھے، چند عورتیں مکان کی چھت پر جمع تھیں، عبداللہ مہمان کی آؤ بھگت میں مشغول تھا، ہ دل میں مہمانوں کے اکٹھے ہونے کی وجہ سوچنے لگا۔ اچانک اسے خیال ہوا کہ شاید عذرا کی قسمت کا فیصلہ کر چکا ہے اور خیال کے آتے ہی اسے اپنے گھر کی جنت اپنی آرزوؤں کا مدفن نظر آنے لگی۔ اس نے نیچے اتر کر گھوڑے کو دروازے سے چند قدم دور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور سائے میں کھڑا ہو گیا۔

بستی کا ایک لڑکا گھر سے بھاگ کر باہر نکلا، نعیم نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور پوچھا، یہ کیسی دعوت ہے؟

لڑکے نے سہم کر نعیم کی طرف دیکھا لیکن ایک تو درخت کا سایہ تھا اور دوسرے نعیم کا نصف چہرہ خود میں چھپا ہوا تھا، وہ پہچان نہ سکا۔

اس نے جواب دیا، یہاں شادی ہے۔

کس کی؟

عبداللہ کی شادی ہو رہی ہے، آپ شاید اجنبی ہیں، چلئے آپ بھی دعوت میں شریک ہو جائیں!

لڑکا یہ کہہ کر بھاگنے کو تھا کہ نعیم نے پھر اسے بازو سے پکڑ کر ٹھہرا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk